قال تعالیٰ: وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔(البقرہ : ۱۲۵)

اعتکاف کے فضائل ومسائل

جس میں فضائلِ اعتکاف، سنن، مستحبات، مکروہات اور مفسداتِ اعتکاف، اعتکافِ نفل ومنذور، نیز بچوں اور عورتوں کے اعتکاف کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور ہر مسئلے کو عباراتِ فقہیہ سے مدلل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اخیر میں شبِ قدر کے فضائل ومسائل مفصلاً مذکور ہیں

مفتی محمد احمد دہلوی

ناشر

اسلامک ریسرچ سینٹر ٹرسٹ A/۱۳ گلی ۴، آرام پارک شاستری نگر، دہلی ۱۱۰۰۳۱

نام کتاب : اعتکاف کے فضائل ومسائل

نام مرتب : مفتی محمد احمد حنفی قاسمی دہلوی

کمپوزنگ : فیض الاسلام کشی نگری9084018174

تصحیح کنندگان : مفتی اسعد مئوی، مفتی یونس آندھروی، مفتی لقمان سیتامڑھی، فقیر عبدالرؤف کشمیری

ناشر : اسلامک ریسرچ سینٹر ٹرسٹ
A/۱۳ گلی ۴، آرام پارک شاستری نگر، دہلی ۱۱۰۰۳۱

پہلا ایڈیشن : شعبان ۱۴۳۵ھ = جون ۲۰۱۴ء

ملنے کے پتے

اسلامک ریسرچ سینٹر ٹرسٹ
13/A گلی نمبر 4، آرام پارک، شاستری نگر، دہلی 110031
فون نمبر: 8802882265+(91)

مکتبہ البدر دیوبند
Mob.0987700799

پیش لفظ

از: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی

بندگی کا کمال یہ ہے کہ انسان اپنے مالک کی طرف اس طرح یکسو ہو جائے کہ گویا مخلوق سے اس کی کوئی غرض باقی نہ رہے، اس کمالِ عبدیت کی تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے ہیں، جس میں انسان کھانے، پینے اور شہوانی تعلق جیسے فطری جذبات سے اپنے آپ کو دور کر دیتا ہے؛ لیکن پھر بھی دنیا سے اس کا تعلق باقی رہتا ہے، کسبِ معاش کی مہم میں شامل رہ سکتا ہے لوگوں کے یہاں آمد ورفت کر سکتا ہے، رات کے وقت اپنی صنفی ضرورت پوری کر سکتا ہے، گویا بہت سارے علائق ایسے بھی باقی رہتے ہیں؛ اس لیے اعتکاف کے ذریعہ اس تربیتی میدان کو اس کے اعلیٰ ترین درجہ تک پہونچا دیا ہے، جس میں انسان اپنا گھر بار اور دوکان وکاروبار چھوڑ کر اللہ کی چوکھٹ پر اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے، اب چوبیس گھنٹے خدا کے گھر میں مقیم رہتا ہے، اسی لیے معتکف کا سونا اور طبعی ضروریات کو پورا کرنا بھی عبادت میں شامل ہے۔

اعتکاف کی اسی اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے پوری مدنی زندگی میں ہر سال رمضان المبارک میں اعتکاف فرمایا ہے یا اگر رمضان میں اعتکاف فرمانے میں رکاوٹ پیش آ گئی تو غیرِ رمضان میں اعتکاف کیا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے معمولات کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے تفصیل کے ساتھ اعتکاف کے احکام مرتّب کئے ہیں اور فقہاء کے انہیں استنباطات کو سامنے رکھ کر موجودہ دور میں اہلِ علم نے فتوے دیئے، یہ فتاویٰ قریب قریب امکانی طور پر پیش آنے والے تمام مسائل کا احاطہ کرتے ہیں۔

ضرورت تھی کہ ان فتاویٰ کو اردو قارئین کے لئے یکجا کر دیا جائے، اور عوام وخواص کے لئے قابلِ استفادہ بنایا جائے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، مُحِبّ فی اللہ مفتی محمد احمد دہلوی کو

جنہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی ہے، اردو کی مستند کتبِ فتاویٰ، نیز بعض دیگر کتبِ فقہ سے استفادہ کرتے ہوئے یہ مجموعہ مرتّب کیا ہے، گویا یہ ایک شریں اور صحت بخش شہد ہے جسے مختلف پھولوں سے کشید کیا گیا ہے اور اس میں مسائل کے ساتھ ساتھ حسبِ ضرورت فضائل وآداب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اہم بات یہ ہے کہ بعض مسائل جن کے بارے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف رائے ہے، جیسے: اعتکاف مسنون میں استثناء کا درست ہونا یا نہ ہونا یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل میں مختلف اقوال اور ان کا مستدل بھی ذکر کر دیا گیا ہے، جو اہلِ علم کے لئے بھی قابلِ استفادہ ہے۔ مؤلفِ عزیز ان لوگوں میں ہیں، جنہوں نے کفر سے ایمان کی طرف ہجرت کی ہے، پھر اللہ کی توفیق سے انہوں نے علومِ اسلامی کی دار العلوم دیوبند سے تکمیل کی اور وہاں افتاء کی تربیت بھی حاصل کی اور امام ابوحنیفہؒ کی تابعیّت پر ایک وقیع کام بھی کیا ہے، جو ابھی تشنہ طبع ہے، اب انہوں نے دہلی میں تجارت شروع کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ علم اور دین کی تجارت رابحہ سے بھی غافل نہیں ہیں، انہوں نے اپنے رفقاء اور معاونین کے ساتھ یہ اہم کام انجام دیا ہے، اور اسی طرح فقہ کے تمام ابواب کو مرتّب کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقُ وھو الْمُسْتَعانُ

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری)

۱۱/۷/۱۴۳۵ھ

۱۱/۵/۲۰۱۴ء

کلماتِ بابرکات

نمونۂ اسلاف حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی/دامت برکاتہم العالیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

اعتکاف ایک اہم عبادت ہے؛خصوصاً ماہِ مبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف، جو کہ سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اہلِ توفیق اس کا خاص اہتمام کرتے ہیں؛لیکن اس اہم عبادت سے مکمل استفادے کے لیے ضروری ہے کہ اعتکاف کے آداب کی پوری رعایت کی جائے اور ایسے تمام اعمال سے پرہیز کیا جائے، جن سے اعتکاف مکروہ ہوتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے،اس بنا پر متعدد اہلِ علم نے مسائلِ اعتکاف پر مشتمل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں؛ نیز فتاوی کی کتابوں میں اعتکاف کے ابواب بھی شامل ہیں،ان سب کے باوجود بسا اوقات ایسی صورتِ حال پیش آجاتی ہے، جس کا واضح اور صریح حکم بروقت کتابوں میں نہیں ملتا۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جناب مفتی محمد احمد صاحب دہلوی کو، جنھوں نے اس اہم ضرورت کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایااور مسائلِ اعتکاف پر مشتمل کتابوں اور مطبوعہ فتاوی اور کتبِ فضائل سے ان تمام مضامین کو منتخب فرما کر ایک جامع کتاب ترتیب دیدی، جن کی عموماً معتکفین کو ضرورت پیش آسکتی ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب سے حضراتِ معتکفین کو اچھی رہنمائی حاصل ہوگی،اللہ تعالیٰ مصنف کی خدمت کو قبول فرمائے اور امت کے لیے نافع بنائے۔

ابوالقاسم نعمانی غُفرلہ
دارالعلوم دیوبند
۱۴/۷/۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی/زیدمجدہم
صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

الحمد للّٰہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ وصحبہ اجمعین. اما بعد!

اعتکاف نام ہے،مخلوق سے قطع تعلق کر کے اللہ کے گھر میں بیٹھ جانا اور اپنے دل کو اللہ کی ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا تمام دنیاوی خیالات وتفکرات وتمام مشغولیات کے بدلہ میں خدائے وحدہ لاشریک لہ کی یاد میں اور اس کے ذکر میں ،اس کی عشق ومحبت میں مشغول ہو جانا،اور دل کو اللہ کے ساتھ مانوس کر کے لطف اندوز ہونا۔

معتکف اللہ رب العزت کے در کی چوکھٹ کو پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔اور اللہ کی رحمت کے دروازے کے سامنے امید لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔دنیا کے تمام جھمیلوں سے الگ ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کے گھر پڑ جاتا ہے۔نوافل پڑھنے میں ،قرآن کریم کی تلاوت میں ،ذکر وتسبیحات میں ،اللہ کی یاد میں اور شب قدر جیسی فضیلت والی رات کی تلاش میں ،دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوتا ہے۔اللہ کی محبت واس کا قرب حاصل کرنے کے لیے اللہ کے گھر میں ڈیرہ لگا لیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کو اعتکاف کی عبادت بہت محبوب تھی اور اس کے لئے بہت مجاہدہ فرماتے تھے۔مسلم شریف میں ہے: **کان رسول اللہ ﷺ یجتھد فی العشر الأواخر ما لا**

یجتهد فی غیره. دوسری حدیث میں ہے: **کان النبی ﷺ إذا دخل العشر الأواخر شدّ میئزره وأحيٰ لیله وأیقظ أهله.**

معتکف جب اعتکاف میں بیٹھتا ہے تو اس کا مرکزی خیال، حصول تربیت، اس کے اندر نیکیوں کا شوق پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اچھے اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرنا ہوتا ہے، گندے اخلاق اپنے اندر سے دور کرتے ہوئے گناہوں سے دور رہنے کی مشق کرتا ہے۔ آخرت کی طرف رجوع نصیب ہونے کا عظیم مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ویسے میں رمضان المبارک کی مثال بینک کی چیک بک جیسی ہے، ہم جتنی رقم چاہیں اس چیک میں لکھ لیں، وہ سب رقم آخرت میں ہمارے لیے جمع ہو جاتی ہیں۔

زیر نظر کتاب میں مولانا مفتی محمد احمد دہلوی نے اعتکاف کے فضائل، احکام ومسائل کی ہر گوشہ پر بڑی محنت وعرق ریزی کے ساتھ قیمتی مواد اکٹھا کیا ہے۔ یوں تو اعتکاف کے موضوع پر متعدد رسالے نظر سے گزرے؛ لیکن اس طرح بسط وتفصیل کے ساتھ مفتی صاحب کی کتاب لاثانی ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے۔ ناظرین کو اس سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب بنائے۔ اور مؤلف کے لیے اس کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

حبیب الرحمن خیرآبادی عفا اللہ عنہ

۲۱؍رجب ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

عبادات جس طرح ظاہراً کی جاتی ہیں، اسی طرح تفکر بھی ایک قسم کی عبادت ہے کہ آدمی خلوت میں رہ کر کچھ وقت اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے بارے میں غور کرے، خود قرآن شریف میں ارشادِ خداوندی ہے ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران: ۱۹۰) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت ہے، اسی طرح فکر بھی ایک عبادت ہے، فرق یہ ہے کہ ذکر تو اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کا مطلوب ہے، اور فکر وتفکر اس کی مخلوقات میں مقصود ہے۔ مخلوقاتِ الٰہیہ میں غور وفکر کرنے سے اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہوتی ہے، اور غور وفکر اس کا ذریعہ ہے، اس وجہ سے یہ بہت بڑی عبادت ہے، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: **تفکر ساعة خیر من قیام لیلة** ''یعنی ایک گھڑی آیاتِ قدرت میں غور کرنا، پوری رات کی عبادت سے بہتر اور زیادہ مفید ہے'' (ابن کثیر: ۲/۱۶۵) حضرت سفیان بن عیینہؒ کا ارشاد ہے کہ ''غور وفکر ایک نور ہے، جو تیرے دل میں داخل ہو رہا ہے''۔ اسی وجہ سے حضرات صوفیاء کے یہاں خلوت کی بے حد اہمیت ہے؛ بلکہ اس سلسلے میں ''خلوت در انجمن'' ان کی ایک خاص اصطلاح ہے۔

اعتکاف میں اس کی ایک عملی مشق ہوتی ہے اور مقصود اس سے یہ ہے کہ آدمی کچھ دن فارغ کر کے یکسو ہو کر اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہو جائے، اور یہ توجہ اس درجہ ہو جائے کہ اللہ رب العزت سے انس ہو جائے جو اس کو آنے والی زندگی میں کام آئے؛ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''اعتکاف کا مقصد اور اس کی روح دل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اسی کے ساتھ مجتمع ہو جائے، اور ساری مشغولیات کے بدلے

میں اسی کی پاک ذات سے مشغول ہوجائے، اوراس کے غیر کی طرف سے منقطع ہو کر اس طرح
اس میں لگ جائے کہ خیالات اور تفکرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر اوراس کی محبت سما
جائے، یہاں تک کہ مخلوق کے ساتھ انس (محبت) کے بدلے اللہ کے ساتھ محبت پیدا ہوجائے
کہ یہ انس قبر کی وحشت میں کام دے، جس دن اللہ کی پاک ذات کے سوا، نہ کوئی مونس ہوگا، نہ
دل بہلانے والا، اگر دل اس کے ساتھ مانوس ہوچکا ہوگا تو کس قدر لذت سے وقت گزرے
گا''۔(فضائل رمضان:۵۱)

اعتکاف، سنتِ قدیمہ متوارثہ ہے، سابقہ امتوں میں بھی اعتکاف مشروع تھا،
آنحضرت ﷺ کو اعتکاف کا خاص ذوق تھا، آپ ﷺ ہر سال رمضان کے مہینے میں اعتکاف کا
نہایت اہتمام فرماتے تھے، آپ ﷺ نے رمضان کے پورے مہینے کا اعتکاف بھی فرمایا
ہے، اور بیس روز کا بھی اور دس روز کا تو ہر سال آپ ﷺ کیا ہی کرتے تھے، اعتکاف کی اہمیت
وفضیلت کے لیے یہ بات ہی کیا کم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پابندی فرمائی، اور بلا کسی مصلحت
کے کبھی ترک نہیں فرمایا، آپ ﷺ نے اس عملی اہتمام کے ساتھ ساتھ قولی اعتبار سے بھی امت
کو اس کی اہمیت بتلائی ہے، تفصیلی طور جن کا ذکر کتاب میں موجود ہے، ان سب فضائل کے
باوجود امت میں اس کا کس قدر اہتمام ہے یہ کسی پر مخفی نہیں، اکثر جگہوں پر لوگ اس سے اعراض
کرتے ہیں، محض کفایہ کی ادائیگی کے لیے کسی بوڑھے کو بیٹھا دیتے ہیں، حتی کہ اگر کوئی تیار نہ ہو تو
اجرت دے کر کسی کو تیار کرتے ہیں، جو شرعاً ناجائز ہے۔ فیا أسفا علی ذلک!

اعتکاف کا مسئلہ چونکہ سال میں ایک مرتبہ پیش آتا ہے، اس لیے اس کے مسائل عموماً
مخفی رہتے، ہیں عوام تو کیا علماء کو بھی اس میں غلطیاں کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، جس اعتکاف
کے لیے ہمہ تن یکسو ہو کر اور اپنے آپ کو فارغ کر کے بیٹھتے ہیں، ذرا سی بے توجہی کے نتیجے میں
وہ فاسد ہو جاتا ہے، اور اس کا خیال بھی نہیں رہتا، بالعموم اعتکاف کے باب میں حدودِ مسجد کی
تعیین اور ضروریات کی وجہ سے نکلنے کے بعد کتنی دیر تک ٹھہرنے کی اجازت ہے، کے مسئلے میں
لوگوں سے غلطی واقع ہوجاتی ہے، جو اعتکاف کے فساد کا ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح حالتِ
اعتکاف میں حدودِ اعتکاف اور آدابِ مسجد کی مکمل رعایت نہ کرنے کی وجہ سے اعتکاف کے مکمل

ثمرات ظاہر نہیں ہوتے، جو یقیناً لائقِ افسوس ہے کہ آدمی وقت بھی پورا دے اور اس کو اس کا ثمرہ
بھی نہ ملے یا ناقص ملے۔

ایک طویل عرصے سے احقر کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اعتکاف کے موضوع پر کوئی ایسی
کتاب ترتیب دی جائے، جس میں محل اعتکاف، مباحات، مکروہات اور مفسداتِ اعتکاف پر
سیر حاصل گفتگو ہو، تاکہ اس کے مطالعہ کے بعد معتکفین مکروہات ومفسداتِ اعتکاف کو جان کر
ان چیزوں سے گریز کرسکیں اور اعتکاف کے کماحقہٗ فوائد حاصل کرسکیں، اسی مقصد سے احقر نے
اس کتاب کی ترتیب کا عزم کرلیا اور تقریباً دو سال کی طویل محنت کے بعد، یہ کتاب آپ کے
سامنے ہے، اس مقصد کے حصول میں احقر کو کتنی کامیابی ملی ہے، اس کا فیصلہ قارئین ہی کرسکتے
ہیں؛ البتہ احقر نے اپنے طور پر اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ حتی الوسع مُفتی بہ مسائل کے
استقراء کے ساتھ ساتھ ان کے دلائل بھی ذکر کردیے جائیں؛ تاکہ یہ کتاب بیک وقت علما اور
عوام کے لیے یکساں طور پر مفید ہو، یہ کتاب ان مسائل کا مجموعہ ہے، جو مختلف کتبِ
فتاوی، رسائل اور خاص اعتکاف کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں مذکور ہیں، اس کتاب کا
مطالعہ انشاء اللہ قاری کو تقریباً بیسیوں کتابوں کے مطالعہ سے مستغنی کردے گی، اس کتاب میں
اصول یا جزئیات کی شکل میں ایسے مسائل آگئے ہیں، جن کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کو حل کیا
جاسکتا ہے، اس کتاب کی ترتیب، تبویب اور تخریج میں بہت سے احباب کا ہاتھ رہا ہے، اللہ
رب العزت ہر ایک کو اپنی شایانِ شان اجر عطا فرمائے۔

اس کتاب میں احکامِ اعتکاف کے نام سے دو کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، ایک
حضرت مفتی تقی صاحب مدظلہ العالی کی ہے اور دوسرے کے مرتب، مفتی زید صاحب مظاہری
مدظلہ العالی ہیں، جہاں مطلق احکامِ اعتکاف مذکور ہے، اس سے مراد حضرت مفتی تقی صاحب
مدظلہ العالی کی تصنیف ہے، اور جس جگہ مفتی زید صاحب کی کتاب کا حوالہ مذکو ہے، وہاں کتاب
کے نام کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کا نام ذکر کردیا گیا ہے؛ تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

احقر نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے کہ مسائل صحیح اور مفتی بہ مذکور ہوں، تاہم اس کے
باوجود سہو، غلطی یا اختلاف کا واقع ہوجانا عین ممکن ہے، یہ تو صرف اللہ رب العزت کے کلام کا خاصہ

ہے کہ وہ ان نقائص سے پاک اور مبرا ہے؛ اس لیے اگر کسی صاحب کو اس کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے تو "الدين النصيحة" کے پیشِ نظر اس سے ضرور مطلع فرمائیں گے۔ وأجرہم علی اللہ۔

اخیر میں قارئین سے عرض یہ ہے کہ اس طرح کی کتابوں کی تصنیف کا جہاں ایک مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسائل کا علم ہو، وہیں ایک خاص مقصد یہ بھی ہے کہ ایسی کتابوں پر تنقیدی نظر ڈالی جائے؛ تا کہ مسائل منقح ومہذب ہو جائیں؛ کیونکہ جو مسائل عام کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں غلطی کا احتمال نہیں رہتا؛ البتہ جو مسائل نو وارد اور نوازل کے قبیل سے ہیں، اور جن کو مفتی اصول وجزئیات کی روشنی میں لکھتا ہے، ان میں غلطی کا احتمال بہر حال رہتا ہے، ممکن ہے کہ جس اصول یا جزئیہ کی روشنی میں جواب لکھا گیا ہے، وہ اصول یا جزئیہ اس مسئلہ پر منطبق نہ ہو رہا ہو، بہر حال ایسی کتابیں بعد والوں کو یہ دعوت دیتی ہیں کہ ان میں غور کر کے نئے مسائل کا استخراج کریں یا ان میں مذکور غلطیوں پر تنبیہ کریں، قارئین سے امید ہے کہ ہر دو نظریے سے اس کتاب میں غور فرمائیں گے۔

اللہ رب العزت اس کتاب کو قبول فرمائے، اور اس کے نفع کو جاری وساری فرمائے۔ **وماذلك على الله بعزيز.**

(مفتی) محمد احمد دہلوی

۱۴۳۵/۵/۳۰ھ

مطابق ۱/۴/۲۰۱۴ء بروز سہ شنبہ

اس کتاب کے بارے میں کچھ اہم باتیں

یہ کتاب اکابر حضرات کے فتاویٰ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے؛ اسی وجہ سے اس میں بیجا تطویل یا حد درجہ ایجاز سے گریز کیا گیا ہے، اس کتاب کے بارے میں کچھ اہم باتیں درج ذیل ہیں:

(۱) ہر مسئلہ کے ساتھ اردو فتاویٰ کا حوالہ، یعنی جس کتاب سے وہ مسئلہ لیا گیا ہے، مذکور ہے۔

(۲) اگر کوئی مسئلہ متعدد فتاویٰ کی کتابوں میں مذکور ہے، تو اس میں جو جواب سب سے جامع اور عنوان کے مطابق رہا ہے، اس کو اصل بنا کر بقیہ کتابوں کا حوالہ مع صفحہ لکھ دیا گیا ہے۔

(۳) اگر کوئی مسئلہ کسی کتاب میں متعدد جگہ آیا ہے تو ہر جگہ کا صفحہ لکھ دیا گیا ہے۔

(۴) اگر مسئلہ اردو فتاویٰ کے علاوہ سے لیا گیا ہے تو اس کا حوالہ لکھ دیا گیا ہے۔

(۵) اس کتاب میں سوال کو حذف کر کے صرف عنوان لگا کر مسئلہ کو ذکر کیا گیا ہے۔

(۶) مسئلہ ذکر کرتے وقت اگر کسی کتاب کا جواب عنوان کے عین مطابق رہا ہے، تو اس کو بعینہٖ نقل کر دیا گیا ہے۔

(۷) اگر کسی جواب میں حد درجہ اختصار سے کام لیا گیا ہے تو اس کو واضح کرنے اور مسئلہ کی شکل بنانے میں کبھی کبھی سوال کے الفاظ اور کبھی اپنی طرف سے بھی کچھ الفاظ کی زیادتی کے ساتھ مسئلہ کو مکمل طور پر واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۸) کبھی جواب عنوان کے مطابق نہیں رہتا تو عنوان میں قدرے تغیر کر کے عنوان کو جواب کے مطابق کیا گیا ہے۔

(۹) اگر جواب میں زائد بات مذکور ہے اور وہ بات مفید بھی ہے تو اس کو الگ سے عنوان لگا کر مسئلہ کی شکل میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

(۱۰) حتی الوسع کوشش یہی کی گئی ہے کہ فتاویٰ کی اصل عبارت برقرار رہے؛ تاہم عنوان کی رعایت میں کبھی الفاظ میں حذف واضافہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔

(۱۱) اگر کسی کتاب کے صرف مفہوم کو لیا گیا ہے تو وہاں ''مستفاد'' کی صراحت کر دی گئی ہے۔

(۱۲) ہر مسئلہ کے ساتھ کوشش یہی کی گئی ہے کہ عربی حوالہ بھی اس مسئلہ کے ساتھ ذکر کر دیا جائے۔

(۱۳) حوالہ ذکر کرنے میں اگر حوالہ اس کتاب کے حاشیہ میں مذکور ہے اور وہ حوالہ کافی بھی ہے تو اس پر اکتفاء کیا گیا ہے، ورنہ اس مسئلہ کی مناسبت سے دوسری کتاب کا حوالہ جو اس مسئلہ کے اعتبار سے زیادہ صریح اور واضح تھا، اسے ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۴) عربی حوالوں کو بجائے حاشیہ پر لکھنے کے، اصل مسئلہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۵) اگر کوئی مسئلہ واضح نہیں تھا تو مسئلہ مکمل ہونے کے بعد نوٹ لکھ کر اس مسئلہ کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

(۱۶) جن مسائل میں سوال کے بغیر مسئلے کی پوری وضاحت نہ ہو پاتی ہو، یا سوال سے مزید وضاحت ہو جاتی ہو، یا خود سوال اہم ہو، ایسے مسائل میں سوال وجواب دونوں کو نقل کیا گیا ہے۔

آ گاہی

اس کتاب میں جن فتاویٰ کی کتابوں سے استفادہ کثرت سے کیا گیا ہے، وہ درج ذیل کتب خانوں کی مطبوعات ہیں۔

اسمائے کتب	مطبوعات
فتاویٰ رشیدیہ	مکتبہ فقیہ الامت، دیوبند
امداد الفتاویٰ	زکریا بک ڈپو، دیوبند
امداد الاحکام	زکریا بک ڈپو، دیوبند
کفایت المفتی	دار الاشاعت، کراچی
فتاویٰ دار العلوم	مکتبہ دار العلوم دیوبند
عزیز الفتاویٰ	زکریا بک ڈپو، دیوبند
امداد المفتین	زکریا بک ڈپو، دیوبند
فتاویٰ محمودیہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	دار الاشاعت، کراچی
خیر الفتاویٰ	مکتبہ الحق، ماڈرن ڈیری، جوگیشوری
احسن الفتاویٰ	دار الاشاعت، دیوبند
فتاویٰ عثمانی	کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند
کتاب الفتاویٰ	کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند
آپ کے مسائل اور ان کا حل	دار الکتاب، دیوبند
کتاب المسائل	فرید بک ڈپو، دہلی
رحمۃ اللہ الواسعہ	مکتبہ حجاز، دیوبند

آ گاہی

اس کتاب میں جن عربی کتابوں کے حوالے متعدد بار آئے ہیں وہ درج ذیل کتب خانوں کی مطبوعات ہیں۔

اسمائے کتب	مطبوعات
المبسوط للسرخسي	مطبعة السعادة، مصر
فتح القدیر	زکریا بک ڈپو، دیوبند
درمختار مع شامی	زکریا بک ڈپو، دیوبند
البحرالرائق	زکریا بک ڈپو، دیوبند
بدائع الصنائع	زکریا بک ڈپو، دیوبند
فتاویٰ تاتارخانیہ	زکریا بک ڈپو، دیوبند
مجمع الانہر	مکتبہ فقیہ الامت، دیوبند
بنایہ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
کبیری	دارالکتاب، دیوبند
طحطاوی مع مراقی الفلاح	دارالکتاب، دیوبند
المجموع شرح المہذب	داراحیاء التراث العربی
الاستذکار	دارقتیبہ للطباعۃ والنشر، دمشق، بیروت
المغنی مع الشرح الکبیر	دارالکتب العلمیہ بیروت

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کیا ہے؟

دنیوی کاروبار، معاشی الجھنوں اور ذاتی مصروفیات میں الجھ کر انسان اپنے مقصدِ تخلیق سے غافل ہوجاتا ہے، شیطانی اثرات اس کے دل ودماغ پر اس طرح چھاجاتے ہیں کہ اسے کچھ اور سوچنے اور غور کرنے کی سُدھ ہی نہیں رہتی، رفتہ رفتہ یہ غفلت اتنی بڑھتی ہے کہ نماز کے لیے مسجد میں کچھ دیر کے لیے جانے اور روزہ زکوٰۃ وغیرہ عبادتوں کی انجام دہی سے بھی وہ ختم نہیں ہوپاتی، نماز دنیوی خیالات میں گزرتی ہے اور روزہ لایعنی باتوں کی نذر ہوجاتا ہے۔ یہ صورت حال زندہ دلانِ امت کے لیے سوہانِ روح اور عاشقانِ توحید کے لیے دردوکرب کا سامان بن جاتی ہے۔ مالک الملک کا شاہانہ جاہ وجلال، جہاں اس کے دربار میں آپڑے رہنے سے مانع ہوتا ہے، وہیں ارحم الراحمین کی رحمتِ بیکراں فکرمندوں کے لیے امید کے دیئے جلاتی ہے اور بیم ورجاء کے عالم میں غفلت کی وادیوں میں چکر لگانے والا انسان اپنے حقیقی آقا کے دربار میں زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے فروکش ہوجاتا ہے ؎

پھر جی میں ہے کہ در پے کسی کے پڑے رہیں

سرزیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

اسی جذبہ، اسی عشق، اسی امید اور منت شناسی کا نام اعتکاف ہے۔ (کتاب المسائل ۱۰۳/۲:)

اعتکاف ایک مفید اور آسان مجاہدہ ہے

شہوت اور تکبر تمام مفاسد کی جڑ ہیں، ان دونوں سے نفس کا تزکیہ ضروری ہے، شریعت نے بھی ان کی تعدیل کی ہے، حکماء (جوگیوں) نے بھی اس کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کیے ہیں، اس کے لیے اسبابِ ذلت اختیار کرتے تھے اور اس کی مدد کے واسطے خلوت (تنہائی) میں رہتے تھے، لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیتے تھے اور اس میں بھی بہت مبالغہ کرتے تھے اور مقصود ان کا صرف یہی تھا کہ نفس مہذّب ہو جائے۔

شریعت نے بھی ان دونوں خصلتوں (شہوت اور تکبّر) کی تعدیل کی ہے اور اس کے لیے حکماء سے زیادہ سہل اور نفع بخش طریقے تجویز کیے ہیں۔

منجملہ ان کے ایک مجاہدہ خلوت (تنہائی) میں رہنا تھا، جو تمام مجاہدات کے لیے معین و مددگار ہے، حکماء کے یہاں تو برسوں؛ بلکہ عمر بھر کی خلوت تھی (نہ کسی سے ملنا جلنا، نہ تعلقات قائم کرنا) ظاہر ہے کہ اس میں سخت حرج ہے اور تعلقات وتمدن کے نظام کو درہم برہم کرنا ہے۔

سبحان اللہ! شریعت نے اس میں عجیب رعایت رکھی ہے کہ صرف دس دن کی خلوت مقرر فرمائی ہے اور اس کا نام اعتکاف رکھا اور اس میں بھی یہ نہیں کیا کہ بالکل نہ کسی سے بولو نہ ملو؛ بلکہ اس میں ایسا اچھا طریقہ بتلا دیا کہ اس میں خلوت (تنہائی میں رہنے) کا جو نفع ہے، وہ بھی باقی رہے اور جو لوگ وہاں آئیں ان سے ملنے میں کچھ حرج بھی نہ ہو، وہ یہ کہ شریعت نے یہ تعلیم دی ہے کہ مسجد کے علاوہ اور کہیں اعتکاف جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ مسجد میں اپنے ہم جنس اور دیندار لوگ ہی آئیں گے اور مطلوب تو غیروں سے بچنا ہے۔

ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''خلوت از اغیار، نہ از یار'' یعنی خلوت تو غیروں سے ہوتی ہے، نہ کہ اپنوں سے، پس خلوت اور علیحدگی ان لوگوں سے ہے جو دین کے رہزن ہیں اور جن سے ملنا جلنا دین کے لیے مضر ہے، باقی جو دین میں معین اور مفید ہیں، ان کے پاس بیٹھنا تو خلوت سے بہتر ہے، ایسی خلوت پر جلوت کو ترجیح ہے۔

پھر وہ دس دن کا اعتکاف ایسے دنوں میں ہے کہ اس عشرہ میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یعنی ہزار مہینے اگر ریاضت ومجاہدہ کرے تو وہ بات نصیب نہیں ہوتی، جو اس ایک رات میں ہو جاتی ہے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب ۱۸۔۱۹)۔

اعتکاف کی تعریف

اعتکاف کے لغوی معنی ٹھہرنا اور رُکنا ہیں اور اعتکاف کے شرعی معنی ہیں، مرد کا مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا اور عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا۔ معتکف کو معتکف اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ مسجد میں عبادت کے لیے اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے۔

قال في البحر: هو لغةً: افتعال من عَكَفَ إذا دام مِنْ بَابِ'' طَلَبَ'' وَعَكْفُهُ حَبْسُهُ، وَمِنْهُ ''الهَدْيُ مَعْكُوْفاً''وَسُمِّيَ بِهٰذ االنَّوْعِ مِنَ الْعِبَادَةِ؛لِأَنَّهُ إِقَامَةٌفِيْ الْمَسْجِدِ مَعَ شَرَائط ، كَذَا فِيْ الْمُغْرِبِ. وَفِيْ الصِّحَاحِ الِاعْتكافُ: الاحتباسُ، .... وشرعاً: اللُّبْثُ في المسجد بنيَّتِه. (البحر الرائق: ۲/ ۵۲۲) وفي البدائع :يقال: فلانٌ معتكِفٌ على حرامٍ أى مقيم عليه فَسُمِّيَ من أقام على العبادةفي المسجِدِ مُعْتَكِفاً. (بدائع الصنائع: ۲/۲۸۲) ۔(فضائلِ اعمال: ۶۱۴، جواہر الفتاوی: ۲۶، حاشیہ درس ترمذی: ۲/۶۳۰)

اعتکاف کا رکن اور شرائط

اعتکاف ایک رکن اور دو شرطوں پر مشتمل ہے۔

رکن: ۔ٹھہرنا ہے۔ قال في البدائع: فَرُكْنُ الاعتكافِ هو اللُّبْثُ، والإقامةُ. (بدائع : ۲/ ۲۸۲)

شرط: (۱) مسجد میں ٹھہرنا۔ (۲) نیت کے ساتھ ٹھہرنا۔ والكَوْنُ في المسجد، والنِّيَّةُمن مسلمٍ عاقلٍ طاهرٍمن جنابةٍ، وحيضٍ، ونِفاسٍ شرطانِ. (در مختار مع شامي: ۳/ ۴۳۰)۔ (آداب الاعتکاف: ۴۶)

اعتکاف کی مشروعیت

اعتکاف قربتِ مشروعہ ہے، جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے۔ **الاعتکاف قُربةٌ مشروعةٌ بالكتابِ والسُّنّةِ، أما الكتابُ فقوله تعالىٰ: "وَلَاتُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ" فالإضافة إلى المساجدِ المُختصَّةِ بالقُرَب، وترك الوطئِ المباحِ لأجله، دليل على أنه قربة والسّنة حديث أبي هريرة وعائشة رضي اللّٰه عنهما أنّ النّبيّ ـ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ـ كان يعتكف في العشْرِ الأواخِرِ من رمضانَ مُنْذُ قَدِمَ المدينةَ إلى أن توَفَّاه اللّٰهُ تعالى. (المبسوط: ۳/۱۱۴)**

اعتکاف کا مقصد اور اس کی روح

حافظ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصد اور اس کی روح دل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے، کہ سب طرف سے ہٹ کر اسی کے ساتھ مجتمع ہوجائے، اور ساری مشغولیات کے بدلے میں اسی کی پاک ذات سے مشغول ہوجائے، اور اس کے غیر کی طرف سے منقطع ہوکر اس طرح اس میں لگ جائے کہ خیالات اور تفکرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر اور اس کی محبت سما جائے، یہاں تک کہ مخلوق کے ساتھ اُنس (محبت) کے بدلے اللہ کے ساتھ محبت پیدا ہوجائے کہ یہ اُنس قبر کی وحشت میں کام دے، جس دن اللہ کی پاک ذات کے سوا نہ کوئی مونس ہوگا، نہ دل بہلانے والا، اگر دل اس کے ساتھ مانوس ہو چکا ہوگا تو کس قدر لذت سے وقت گزرے گا۔ (فضائلِ رمضان: ۵۱، مسائلِ اعتکاف: ۱۲) اور ''احکامِ اعتکاف ؍مفتی زید صاحب'' میں ہے: اعتکاف کی غرض ایک تو شبِ قدر کی تلاش ہے، دوسری غرض جماعت کا انتظار کرنا ہے، تیسری روح اعتکاف کی یہ ہے کہ معتکف نے گویا اپنے کو مسکین وخوار بنا کر بادشاہ کے دروازے پر حاضر کر دیا ہے، اپنی محتاجی ظاہر کر رہا ہے کہ اب تو آپ کے دروازے پر

پڑا رہوں گا چاہے نکال لیجیے چاہے بخش دیجیے، یہ شان ہے فنا کی۔ اور اس کو اعتکاف کی روح اس لیے کہا کہ اعتکاف کسی اور عبادت پر موقوف نہیں، اگر دربار میں حاضری دے کر ہر وقت پڑا سوتا رہے، تب بھی اس کو اعتکاف کا پورا ثواب ملے گا، یہ دروازے پر پڑا رہنا ہی بڑی چیز ہے، یہی وہ چیز ہے کہ مردود کو مقبول بنا دیتی ہے۔ (احکامِ اعتکاف ؍مفتی زید صاحب: ۱۶)

اعتکاف کی ابتداء کس سال ہوئی؟

اصل اعتکاف تو سنتِ قدیمہ ہے، حضرت عمر ابن خطابؓ فرماتے ہیں: **نذرتُ أن أعتكف ليلةً في المسجدِ الحرام. رواه البخاري وفي المسلم: يوماً. وجمع ابن حبان بأنّ النذر كان اعتكافُ يومٍ وليلةٍ** اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنتِ ابراہیمیہ ہے جس کے کچھ آثار باقی تھے؛ لیکن اعتکافِ مسنون کی ابتداء تو بظاہر ہجرت کے بعد ہے، صوم کی فرضیت شعبان ۲ھ میں ہوئی ہے اور خیال یہ ہے کہ اعتکافِ مسنون اس کے بعد شروع ہوا، تصریح کہیں نہیں ملی؛ البتہ بدائع میں اتنی بات ہے: **ولم يترك الاعتكافَ منذُ دَخَلَ المدينةَ إلىٰ أن مات ـ صلى الله عليه وسلّم ـ. (بدائع الصنائع: ۲/۲۷۳)** اس سے یہ معلوم ضرور ہوگیا کہ یہ سنت ہمیشہ معمول بہا رہی۔ (الیواقیت الغالیہ: ۱/۱۸۷)

اعتکاف سابقہ امتوں میں بھی مشروع تھا

اعتکاف سابقہ امتوں میں بھی مشروع تھا۔ **قال تعالىٰ: ﴿وَعَهِدْنَا إِلىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَ الْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ.﴾ (البقرة: ۱۲۵)**
(ترجمہ) اور ہم نے عہد لیا ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) سے کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔ (آئینۂ رمضان: ۲۱۵) زمانۂ جاہلیت میں حضرت عمرؓ کا اعتکاف کی نذر ماننا اور آپ ﷺ کا اس کو پورا کرنے کا حکم دینا بھی اس پر دال ہے کہ اعتکاف سنتِ قدیمہ متوارثہ ہے۔

اعتکاف کے فضائل ومحاسن

صاحبِ مراقی الفلاح نے لکھا ہے اگر اعتکاف اخلاص کے ساتھ ہوتو وہ افضل ترین اعمال میں سے ہے،اس کی خصوصیات حدِّ احصاء سے خارج ہیں،اس میں قلب کو دنیا و مافیہا سے یکسو کر لینا ہے،اور نفس کو مولیٰ کے سپرد کر دینا ہے،اور آقا کی چوکھٹ پر پڑ جانا ہے،نیز اس میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے کہ آدمی سوتے، جاگتے، ہر وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے، اور اللہ کے ساتھ تقرب ہے،حدیث میں آیا ہے کہ ''جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں،اور جو میری طرف آہستہ بھی چلتا ہے، میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں'' نیز اس میں اللہ کے گھر پر پڑ جانا ہےاور کریم ہمیشہ گھر آنے والے کا اکرام کرتا ہے، نیز اللہ کے قلعے میں محفوظ ہونا ہے کہ دشمن کی رسائی وہاں تک نہیں،وغیرہ وغیرہ،بہت سے فضائل اور خواص اس اہم عبادت کے ہیں۔ **وهو من أشرف الأعمال إذا كان عن إخلاصٍ لِلّٰهِ تعالىٰ ؛ لأنه منتظِرٌ للصلاة، وهو كا لمصلّي، وهي حالة قربٍ وانقطاعٍ،وَمَحَاسِنُهُ لا تُحْصٰى. ومِنْ مَحَاسِنِهِ : أنَّ فيه تفريغَ القلبِ من أمور الدنيا بشُغْلِهِ بالإقبال على العبادة ،مُتَجَرِّداً لها ، وتسليمَ النفس إلى المَوْلىٰ ،بتفويض أمرها إلى عزيز جَنابه، والاعتمادَ على كَرَمِهٖ، والوقوفَ ببَابِهٖ، وملازمةَ عبادته، والتقربَ إليه ، لِيَقْرُبَ من رحمته ،كما أشار إليه في حديث "مَنْ تَقَرَّبَ "،وملازَمَةَالقرار في بيته، .سبحانه وتعالىٰ . واللَّائقُ بمالك المنزل، إكرامُ بهذا نَزِيْلِهٖ ، تَفَضُّلاً، ورحمةً، وإحساناًمنه،وفيه الالتجاء إليه، والتَحَصُّنُ بِحِصْنِهٖ، فلا يصل إليه عَدُوُّه بكَيْدِهٖ، وقهرِهٖ بقوة سلطان الله، وقهره ،وعَزِيْزِتَائِيْدِهٖ، ونَصْرِهٖ، ترى الرعاياَيَحْبِسُوْنَ أنفسَهم على باب سلطانهم. (مراقي الفلاح:۸ ۰ ۷)**(فضائل اعمال:۶۱۴)

اعتکاف کی حکمت اور اس کی مشروعیت

مسجد میں اعتکاف کرنا،یعنی سب سے کٹ کر اور سب سے ہٹ کر اپنے مالک کے آستانے پر جا پڑنا،جمعیّتِ خاطر کا سبب ہے،دل کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے،اس سے عبادت کے لیے یکسوئی حاصل ہوتی ہے؛اس لیے نبی کریم ﷺ نے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف پسند فرمایا ہے،آپ ﷺ اہتمام سے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے،اور آپ ﷺ نے اپنی امت کے نیکوکاروں کے لیے مسنون کیا ہے،یعنی یہ خواصِ امت کی عبادت اور مسنون ہے۔ **ولما كان الاعتكاف في المسجدِ سبباً لِجَمْعِ الْخَاطِرِ ،وصَفَاءِ القلبِ،والتفرُّغ للطَّاعةِ،والتشَبُّهِ بالملائكة،والتعُّرضِ لِوِجْدَانِ ليلةِ القدر،اختاره النَّبيّ-صلى الله عليه وسلّم-في العشْرالأواخرِوسنَّه للمُحْسِنِين من أمَّتِه.** (رحمۃ اللہ الواسعہ مع حجۃ اللہ البالغہ:۴/ ۱۶۷،۱۶۸)

مسجد میں ٹھہرے رہنا عبادت کیوں ہے؟

جب کہ انسان اپنا سیر،تماشا،چلنا پھرنا اور کام کاج چھوڑ کر مسجد میں ٹھہرا رہے اور اس ٹھہرے رہنے سے مقصود خدا تعالیٰ کی رضا مندی ہو تو اس کا عبادت ہونا ظاہر ہے۔(آئینۂ رمضان:۲۲۰)

اعتکاف کی کچھ اہم حکمتیں اور فائدے

اعتکاف میں حکمِ شرعی ہونے کی وجہ سے جس قدر فائدے اور حکمتیں ہوں کم ہیں، یہاں مختصراً چند حکمتیں اور فائدے لکھے جاتے ہیں:

(۱) اگر صرف یوں کہہ دیا جاتا کہ بالکل ایک طرف ایسی جگہ پر دس دن گزارو، جہاں

پرندے پر نہ مار سکیں تو ظاہر ہے کہ تنہائی اور یکسوئی زیادہ ملتی ؛لیکن کیا فائدہ ایسی تنہائی سے کہ انسان بجائے انسان کے ایک وحشی جانور بن جائے اور بری صحبتوں سے بچنے کے شوق میں اچھی صحبتوں سے بھی محروم ہوجائے ؛اس لیے خدائے حکیم نے اعتکاف کے لیے مسجد کو مقرر فرمایا؛ کیوں کہ بیہودہ اور غلط قسم کے لوگ تو مسجد میں آئیں گے نہیں جن کی صحبت مضر ہو، ہمیشہ نمازی پرہیز گار اور تہجد گزار لوگوں سے ہی سابقہ پڑے گا، انھیں سے میل جول بات چیت ہوگی، جن کی صحبت بے حد مفید اور کارآمد ہے۔

چنانچہ مسجدِ جامع یا جس مسجد میں زیادہ لوگ نماز ادا کرتے ہوں، اس مسجد میں اعتکاف کرنے کا ثواب بڑھا ہوا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اعتکاف کے لیے مسجدِ جماعت ہونا شرط ہے، یعنی جس میں نماز باجماعت ہوتی ہو، اور امام ومؤذن مقرر ہوں، خواہ پانچوں وقت کی نماز نہ ہوتی ہو اور امام صاحب کی ایک روایت کے مطابق پنجوقتہ نماز کا ہونا بھی ضروری ہے، (درمختار:۴۲۹/۳) ویران مسجد میں اعتکاف جائز نہیں؛ کیوں کہ آدمی اگر ویران مسجد میں اعتکاف کرے، جہاں آدمی کا دور دور نشان نہ ہو تو فائدے سے زیادہ نقصان ہوگا، نہ جماعت کی نماز ملے گی اور نہ نیک صحبتیں نصیب ہوں گی۔

(۲) اعتکاف میں انسان کو یکسوئی حاصل ہوجاتی ہے، اور دل دنیا کی فکر سے خالی ہوجاتا ہے ،انسان کی توجہ کو خدا سے ہٹانے والی چیزیں، چاہے وہ انسان کے اندر ہوں یا باہر، جب انسان تنہائی میں رہے گا تو آہستہ آہستہ سب ختم ہوجائیں گی ، اور دل پوری طرح دنیا کے خیالات سے فارغ ہوکر اللہ کی طرف متوجہ ہوجائے گا، اور اس میں عبادتوں کے انوار وبرکات حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی۔

(۳) لوگوں کے ملنے جلنے اور کاروبار کی مشغولیتوں میں جو انسان سے چھوٹے موٹے بہت سے گناہ ہوجاتے ہیں، اعتکاف میں ان سے حفاظت رہتی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ’’جو شخص مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوجاتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے، میں دوڑ کر اسے اپنا لیتا ہوں‘‘ اور اعتکاف کرنے والا تو اپنا گھر اور در چھوڑ کر صرف قریب ہی نہیں؛ بلکہ خدا کے در پر آکے پڑ

جاتا ہے، تو اب آپ اندازہ لگائیے کہ اللہ تعالیٰ کتنا قریب ہوگا اور اس پر کتنا زیادہ مہربان ہوگا۔

(۵) شریف لوگ اپنے در پر آئے ہوئے مہمان کی عزت اور خاطر تواضع کیا کرتے ہیں تو کریموں کا کریم اور داتاؤں کا داتا، اپنے گھر پر آئے ہوئے مہمان کی کیا کچھ عزت واکرام نہ کرے گا؟!

(۶) شیطان انسان کا قریبی دشمن ہے؛ لیکن انسان جب خدا کے گھر میں ہے تو گویا مضبوط قلعے میں ہے، شیطان اب اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

(۷) فرشتے ہر وقت خدا کی عبادت اور اس کی یاد میں رہتے ہیں، مومن بندہ بھی اعتکاف میں بیٹھ کر ہر وقت اعتکاف میں ہے اور فرشتوں سے مشابہت پیدا کررہا ہے اور فرشتے چونکہ اللہ کے بہت قریب ہیں؛ اس لیے یہ بندہ بھی اللہ کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کررہا ہے۔

(۸) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے، اسے نماز ہی کا ثواب ملتا ہے، اعتکاف میں یہ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔

(۹) جب تک آدمی اعتکاف میں رہتا ہے، اسے عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے، خواہ وہ خاموش بیٹھا رہے یا سوتا رہے یا اپنے اور کسی کام میں مشغول رہے۔

(۱۰) اعتکاف کرنے والا تو ہر ہر منٹ عبادت میں ہے اور شبِ قدر حاصل کرنے کا بھی اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں؛ کیوں کہ جب بھی شبِ قدر آئے گی، یہ بہر حال عبادت میں ہوگا۔ (مسائلِ اعتکاف:۱۲، تا۱۴)

اعتکاف میں خلوت وجلوت دونوں کے فوائد موجود ہیں

کثرتِ اختلاط (لوگوں سے زیادہ ملنے) کے مفاسد اور قلّتِ اختلاط (کم ملنے) کے فوائد معلوم ہیں، تو اب سنئے! شریعت نے قلّتِ اختلاط کی کیا صورت تجویز کی ہے۔شریعت نے قلتِ اختلاط کی صورت اعتکاف تجویز کی ہے اور رمضان میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے ؛ چنانچہ اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے؛ اس لیے رمضان سے اس کو بھی خاص تعلق ہے۔

تقلیلِ اختلاط کی یہ ایسی صورت ہے کہ کوئی صاحبِ ریاضت اس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا، اعتکاف میں وہ مفاسد نہیں، جو محض خلوت (گوشہ نشینی) میں ہوتے ہیں اور نہ وہ مفاسد ہیں، جو اختلاط میں ہوتے ہیں؛ کیونکہ معتکف خلوت میں بھی ہے اور جلوت میں بھی، یہ ریاضت و مجاہدہ خلوت وجلوت دونوں کو جامع ہے، ایسی ریاضت جو دونوں کو جامع ہو، صاحبِ ریاضت کے خواب میں بھی نہ آئی ہوگی۔

اہلِ اختلاط نے عُزلت (خلوت وگوشہ نشینی) میں ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ اس سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، تو یہ خرابی اعتکاف میں نہیں؛ کیونکہ معتکف کو تعلیم وتعلم سے منع نہیں کیا گیا اور چونکہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے، جہاں اہلِ علم آتے رہتے ہیں؛ اس لیے معتکف کو تعلیم وتعلم میں کوئی دقت نہیں ہوسکتی۔

ایک خرابی یہ بھی بتلائی تھی کہ عُزلت میں جماعت کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے، اعتکاف اس سے بھی منزّہ (پاک) ہے؛ کیونکہ اعتکاف کے لیے مسجد میں جماعت شرط ہے، معتکف سے زیادہ تو جماعت کا ثواب کسی کو مل ہی نہیں سکتا، وہ تو ہر نماز میں تکبیرِ اولیٰ کو پاتا ہے اور ہر وقت جماعت کے انتظار میں رہتا ہے اور انتظارِ جماعت کا ثواب بھی جماعت کے برابر ہے۔

اور ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عُزلت (گوشہ نشینی) میں بزرگوں کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے، اعتکاف اس سے بھی منزّہ ہے؛ کیونکہ یہ شخص پانچوں وقت نمازیوں سے ملتا ہے، جس میں بعض اولیاء بھی ہوتے ہیں۔

ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عُزلت میں صرف اپنے اعمال پیشِ نظر ہوتے ہیں، جس میں عُجب وکبر کا اندیشہ ہے اور اختلاط میں اپنے سے افضل اور تواضعِ اعمال پر نظر رہتی ہے، تو تواضع پیدا ہوتی ہے اعتکاف میں یہ خرابی بھی نہیں؛ کیونکہ مسجد میں بہت سے لوگ نماز کے لیے آتے ہیں، جن میں بعض بہت عبادت کرنے والے ہوتے ہیں، معتکف کی نظر ان کے اعمال پر بھی پڑتی ہے تو عُجب وکبر پیدا نہیں ہوسکتا۔

ایک خرابی یہ بھی بتلائی تھی کہ عُزلت (سب سے علیحدگی اختیار کرنے) سے شہرت ہوتی ہے، اعتکاف میں یہ بات بھی نہیں؛ کیونکہ معتکف کسی پہاڑ کی کوہ میں نہیں بیٹھتا، جس سے

شہرت ہو؛ بلکہ بستی کی مسجد میں بیٹھتا ہے، جہاں سب سے ملاقات بھی ہوتی رہتی ہے اور عرف میں گوشہ نشینی اور عُزلت گزینی نہیں شمار کیا جاتا؛ اس لیے معتکف کی شہرت بھی نہیں ہوتی، ہر سال بیسیوں لوگ اعتکاف کرتے ہیں، کوئی بھی بزرگ مشہور نہیں ہوتا۔

اہلِ اختلاط نے عُزلت میں ایک خرابی یہ بھی بیان کی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی خدمتِ خلق کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے، اعتکاف اس سے بھی بری ہے؛ کیونکہ اس میں تمام طاعات کا (جن پر معتکف قادر ہے، مگر اعتکاف کی وجہ سے نہ کر سکا) اس کو ثواب ملتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اسی طرح اعتکاف میں وہ غوائل (مفاسد اور خرابیاں) بھی نہیں، جو محض اختلاط (لوگوں سے ملنے جلنے) میں تھے، اختلاط (ملنے جلنے) میں ایک مضرت یہ تھی کہ اس میں اشرار (فاسقوں، بدمعاشوں اور شریروں) کی صحبت بھی بعض دفع ہوتی ہے اور ان کی صحبت سے دین کا نقصان ہوتا ہے، سو معتکف اس سے محفوظ ہے؛ کیونکہ ایسے لوگ مسجد میں آتے ہی نہیں، مسجد میں نمازی آتے ہیں اور نمازی اکثر نیک ہوتے ہیں اور اگر بعض برے بھی ہوں تو نماز کے وقت وہ نیک ہی بن جاتے ہیں؛ اس لیے ان کی صحبت مضر نہیں ہوتی، پھر وہ صحبت بھی طویل (بہت دیر تک) نہیں ہوتی، ایسے لوگ نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرتے ہی نہیں تو صرف نماز کے وقت میں تھوڑی دیر کی صحبت ہوتی ہے اور اس میں اشرار، شر سے خالی اور نیک کام میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایک مَفسَدہ یہ بتلایا گیا تھا کہ اختلاط، یعنی ملنے جلنے میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے، باتوں میں وقت برباد ہوتا ہے، معتکف اس سے بھی محفوظ ہے؛ کیونکہ اس کے پاس باتیں کرنے والے آتے ہی نہیں، مسجد میں نماز سے فراغت کے بعد ٹھہرتا کون ہے، جو معتکف سے باتیں کرے، دوست واحباب بھی گھر ہی پر آتے ہیں، مسجد میں کوئی نہیں آتا؛ اس لیے معتکف کو باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور کثرتِ کلام کے مفاسد سے وہ محفوظ رہتا ہے اور ذکر وفکر اور تلاوت ونماز کے لیے اس کو بہت وقت ملتا ہے۔

ایک مَفسَدہ اختلاط میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس میں نگاہ کی حفاظت نہیں ہوتی (بے پردگی

اور بدنگاہی ہوتی ہے) معتکف اس سے بھی محفوظ رہتا ہے، اس کے پاس کوئی نامحرم عورت نہیں آتی اور مسجد میں امارد (بے داڑھی والے حسین وجمیل لڑکے) بھی کم آتے ہیں اور جو آتے ہیں، وہ نماز کے بعد بھاگ جاتے ہیں، غرض معتکف سے ایسا اختلاط کسی سے نہیں ہوتا، جس سے اس کا وقت ضائع ہو یا دوستی اور دشمنی پیدا ہو۔

اور مزہ یہ ہے کہ معتکف سے نماز کے وقت سب ملنے آتے ہیں، یہ کسی سے ملنے نہیں جاتا اور ویسے بھی کسی کو اس سے ملنا ہو تو خود ہی آئے گا، یہ کہیں نہیں جاتا یہ تو خوب آزاد رہتا ہے۔

غرض اعتکاف ایسی ریاضت اور ایسا مجاہدہ ہے کہ خلوت وجلوت دونوں کے منافع اس میں موجود ہیں اور دونوں کے مفاسد سے محفوظ ہے؛ اسی لیے شریعت میں اعتکاف کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ (احکام اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷)۔

اعتکاف کے مسجد ہی میں مشروع ہونے کی حکمت

مسجدوں کو اعتکاف کے واسطے اس لیے مقرر کیا گیا کہ معتکف کو دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں، اعتکاف کی بھی اور جماعت کی بھی۔ اگر کوئی کوہ (پہاڑ) یا جنگل یا مکان کی کوٹھری اس کے واسطے تجویز کرے تو یہ جماعت کی فضیلت سے محروم رہ جاتا۔

نیز اس میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ میاں تم خود اس جماعت کی برکت کے محتاج ہو، اگر نمازی نہ ہوتے تو تم کو یہ برکت کہاں سے حاصل ہوتی، تم جماعت کی برکت سے محروم رہتے، پس اس طاعت میں ساتھ ساتھ عُجب (خود پسندی اور تکبر) کا بھی علاج ہو گیا۔

سبحان اللہ! کیا اعتدال ہے، حکماء اور جوگیوں کی تجویز کردہ خلوت میں یہ باتیں کہاں اور جب یہ معتکف اپنے کو برکات میں ان کا محتاج سمجھے گا تو اس کو تکبر نہ ہوگا، اور خلوت میں اس کی یہ نیت نہ ہوگی، جو جاہلوں کی ہوتی ہے کہ وہ اس لیے خلوت (تنہائی) میں رہتے ہیں، تاکہ وہ لوگوں کے ضرر سے بچیں؛ بلکہ وہ نیت ہوگی، جو محققین نے بیان فرمائی ہے کہ خلوت میں یہ نیت رکھے کہ لوگ میرے ضرر سے بچیں، غرض دوسروں کو حقیر سمجھنے کا جو مرض خلوت سے پیدا ہو سکتا ہے، اس کا بھی علاج ہو گیا کہ جن کو حقیر سمجھ کر الگ ہوا تھا، وہی اہلِ برکت ہیں، انھیں کی

بدولت اسے جماعت کی برکت حاصل ہوئی۔

نیز اس پر بھی اب اسے ناز نہ ہوگا کہ میرے اعتکاف کی وجہ سے اور لوگوں کو اس طرح برکت پہنچی کہ سب سبکدوش ہو گئے (اگر میں اعتکاف نہ کرتا تو سب گنہ گار ہوتے)؛ کیونکہ یہ خیال کرے گا کہ اصل میں ان لوگوں کے آنے کی وجہ سے مجھے جماعت؛ بلکہ اعتکاف کی برکت حاصل ہوئی۔ اور جماعت کے ہونے سے مجھ کو اعتکاف کی اجازت ہوئی (ورنہ جس مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو تو وہاں اعتکاف بھی درست نہیں) پس میرے اعتکاف کی وجہ سے گو سب لوگ سبکدوش ہو گئے؛ لیکن یہ سبکدوشی تو صرف اس اعتکاف کا اثر ہے اور لوگوں کی جماعت میرے اعتکاف کا سبب ہے (اگر سبب یعنی جماعت نہ ہوتی تو اعتکاف نہ ہوتا) سبب ہی مؤثر ہوتا ہے، تو مؤثر ہونے میں بھی ان کا محتاج ہوا اور اصل احتیاج تو مؤثر ہی میں ہوتی ہے، تو اصل کے اعتبار سے بھی، میں ہی ان کا محتاج ہوا، اور پورا علاج ہے عُجب وتکبر کا، سبحان اللہ! کیسی دوا ہے کہ پرہیز بھی ہے اور دوا بھی ہے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب ۲۷-۲۸)۔

نمازیوں اور دینداروں سے خلوت اور علیحدگی مقصود نہیں

خدا تعالیٰ نے ﴿فی المساجد﴾ سے اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ بے نمازیوں سے خلوت مقصود ہے اور نمازیوں سے خلوت مقصود نہیں، ان سے تو جلوت مقصود ہے، اسی واسطے حکم ہے کہ ایسی مسجد میں اعتکاف کرو، جہاں جماعت ہوتی ہو، ایسی مسجد نہ ہو جہاں آدمی کا نام ونشان نہ ہو، اُلّو بولتے ہوں۔

بہر حال ﴿فی المساجد﴾ کی قید نے صاف بتلا دیا کہ خلوت فی نفسہ مقصود نہیں ہے۔ خلوت سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے مشغولی بڑھے، جب اچھا ہم نشین، یعنی نیک آدمی کوئی ملے تو خلوت کی بہ نسبت اس کی صحبت سے حق تعالیٰ سے مشغولی زیادہ ہوتی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: ﴿الوَحْدَةُ خيرٌ من الجَليس السُّوءِ والجليسُ الصَّالحُ خيرٌ من الوَحْدَةِ.﴾ (ترجمہ: تنہائی برے ہم نشین سے بہتر ہے اور اچھا ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے)۔

سبحان اللہ! شریعت میں کیا اعتدال ہے کہ اعتکاف میں نہ ایسی خلوت ہے کہ توحش تک نوبت آ جائے، یعنی وحشت ہونے لگے اور نہ ایسی جلوت ہے کہ مقصود حاصل نہ ہو۔ (احکام اعتکاف/مفتی زید صاحب ۲۸۔۲۹)۔

اعتکاف میں آسانی

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتے ہیں؛ چنانچہ عین مجاہدہ کے وقت بہت سی آسانیاں ہیں؛ چنانچہ اعتکاف میں یہ سہولت فرمائی کہ اس کو مسجد میں مشروع فرمایا کہ ''خلوت در انجمن'' کا مضمون ہو جائے، اعتکاف سے آدمی اس بات کا عادی ہو جاتا ہے کہ سب سے الگ ایک گوشہ میں بھی بیٹھا ہے اور سب کے ساتھ شریک بھی ہے، اگر بالکل تنہائی کا حکم ہوتا تو نفس پر بہت گراں ہوتا، پھر اعتکاف میں یہ بھی حکم نہیں کہ کسی سے نہ بولو، نہ ملو، بولنے اور ملنے کی بھی اجازت ہے، یہ حضور ﷺ کی برکت ہے کہ ہم کو ایسا راستہ بتلایا، جو بہت آسان اور نفع میں سب سے بڑھ کر ہے۔

پھر صاحبو! غضب ہے کہ ہم اس کی قدر نہ کریں اور اس سے نفع نہ اٹھائیں، یہ وہ طریقہ ہے جس سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور جس پر فلاح کا وعدہ ہے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب ۲۹)۔

آیاتِ قرآنیہ اور اعتکاف

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾

''اور جب مقرر کیا ہم نے خانۂ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو، واسطے طواف کرنے والوں کے، اور اعتکاف کرنے والوں کے، اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔''

فائدہ: آیت کے ان کلمات سے چند احکام وفوائد حاصل ہوئے، اول یہ کہ بنائے بیت اللہ کا مقصد طواف، اعتکاف اور نماز ہے، دوسرے یہ کہ طواف نماز سے مقدم ہے، تیسرے یہ کہ اطرافِ عالم سے جانے والے حُجّاج کے لیے طواف بنسبت نماز کے افضل ہے۔

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾

''اور نہ ملو عورتوں سے، جب تک کہ تم اعتکاف کرو مسجدوں میں، یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی، سو ان کے نزدیک نہ جاؤ، اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے؛ تاکہ وہ بچتے رہیں۔'' (آداب الاعتکاف: ۱۷)

احادیثِ نبویہ اور اعتکاف

اعتکاف سے متعلق چند احادیث مختصر تشریح کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں:

''عن عائشةؓ أن النبيّ ـ صلى اللّٰه عليه وسلّم ـ كان يعتكف العشْرَ الأواخِرَ من رمضانَ حتى تَوَفَّاهُ اللّٰه عزّ وجلّ ثم اعتكف أزواجُه بعدُ'' (البخاري/ الاعتكاف في العشر الأواخر: ۱/ ۲۷۱، رقم: ۲۰۲۶، والصحيح لمسلم/الاعتكاف في العشر الأواخر من رمضان: ۱/ ۳۷۱، رقم: ۵/۱۱۷۲)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی، پھر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اعتکاف کرتی تھیں۔''

اس حدیث سے اعتکاف کی اہمیت معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی ہے۔

''عن عبداللّٰه بن عمر ـ رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما ـ أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يعتكف العشرَ الأواخِرَ من رمضانَ، قال نافع وقد أَرَاني

عبدُاللّٰه المكانَ الّذي كان يعتكف فيه رسولُ اللّٰه ـ صلى اللّٰهُ عليه وسلّم ـمن المسجدِ "(الصحيح لمسلم/الاعتكاف/اعتكاف العشر الأواخر من رمضان: ۱/ ۳۷۱،رقم: ۱۱۷۱/ ۲)

''حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اور حضرت نافعؒ (جنہوں نے یہ حدیث ابن عمرؓ سے روایت کی ہے) فرماتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمرؓ نے مجھے مسجد میں وہ جگہ بھی دکھائی، جہاں آپ ﷺ اعتکاف فرماتے تھے۔''

''عن نافع عن ابن عمرؓ أن النبيَّ ـصلّى اللّٰه عليه وسلّم ـ كان إذا اعتكف طُرِح له فِراشُهُ أويُوضَع له سريره وراَءَ أُسْطُوانة التَّوبة''(سنن ابن ماجه /الصيام/المعتكف يلزم مكاناًمن المسجد: ۱۲۸،رقم: ۱۷۷٤، وقال الشوكاني:رجال إسناده ثقات، نيل الأوطار: ٤/ ٢٦٦)

''حضرت نافع ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اعتکاف فرماتے تو اسطوانۂ توبہ کے پیچھے یا تو آپ ﷺ کا بستر بچھا دیا جاتا تھا یا چارپائی ڈال دی جاتی تھی۔''

اسطوانۂ توبہ مسجد کے اس ستون کا نام ہے، جسے اسطوانۂ ابولبابہ بھی کہتے ہیں، اور اس ستون پر حضرت ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہوئی تھی، اس کے پیچھے وہ جگہ ہے، جہاں اعتکاف کے وقت آپ ﷺ کا بستر بچھایا جاتا یا چارپائی ڈالی جاتی، آج کل اس جگہ پر ایک ستون ہے، جسے اسطوانۃ السریر کہتے ہیں، اور یہ نام اس ستون پر لکھا ہوا بھی ہے، یہ ستون روضۂ اقدس کی مغربی جالی سے متصل ہے۔

بہرکیف! اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اعتکاف کے لیے مسجد میں بستر بچھانا بھی جائز ہے، اور اگر کسی کو فرش پر سونے میں نیند نہ آئے تو چارپائی بھی ڈال سکتا ہے؛ لیکن اچھا یہی ہے کہ چند روز کے لیے اتنا زیادہ اہتمام نہ کیا جائے؛ بلکہ سادگی کے ساتھ فرش پر سوئے، آنحضرت ﷺ چونکہ پیغمبر تھے؛ اس لیے آپ ﷺ نے بہت سے کام اس لیے فرمائے ہیں؛ تاکہ امت کو ان کا جائز ہونا

معلوم ہوجائے؛ لہٰذا آپ ﷺ نے چارپائی ڈلوا کر اس کا جائز ہونا بھی بتادیا؛ لیکن عام مسلمانوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ فرش پر سونے کا انتظام کریں، الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص ہر سال مسجد کی کسی ایک ہی جگہ پر اعتکاف کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ ایک تو اس کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے، جیسے وہ جگہ لازمی طور پر اعتکاف کے لیے مخصوص ہوگئی ہو، اور وہیں پر اعتکاف کرنا ضروری ہو، دوسرے اس غرض کے لیے کسی ایسے شخص کو اس جگہ سے ہٹانا جائز نہیں، جو پہلے اس جگہ پر اعتکاف کا انتظام کرکے وہاں بیٹھ چکا ہو، اعتکاف چونکہ عظیم عبادت ہے؛ اس لیے اس میں کسی خاص جگہ پر قبضہ کرنے کے لیے لڑائی جھگڑا کرنا، یا کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا، یا اس کا دل دکھانا، ہرگز جائز نہیں ہے۔

''عن عائشةؓ قالت: كان رسول اللّٰه ـصلّى اللّٰه عليه وسلّم ـ يعتكف كلَّ رمضانَ، فإذا صلّى الغداةَ، دخلَ مكانَه الّذي اعتكف فيه ،قال: فاستأذَنَتْهُ عائشةُ أن تعتكفَ، فأذِن لها فضربتْ فيه قبةً فسمعت بها حفصةُ فضربتْ فيه قبةً وسمعت زينبُ فضربت قبةً أخرىٰ،فلما انصرف رسولُ اللّٰه ـصلّى اللّٰه عليه وسلّم ـمن الغداة أَبْصَرَ أَرْبَعَ قِبَابٍ ،فقال: ماهذا؟ فأُخْبِرَ خَبَرَهن فقال ماحملهنّ على هذا آلبِرَّ؟انزعوها،فلاأراها فنُزِعت ،فلم يعتكف في رمضان حتى اعتكف في آخِرِ العشرِ من شوالٍ'' (البخاري/الاعتكاف/ الاعتكاف في شوال: ۱/ ۲۷۳،رقم: ۲۰٤۱ ومسلم /متى يدخل من أراد الاعتكاف في معتكفه: ۱/ ۳۷۱،رقم:۱۱۷۳/ ٦)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرماتے تھے، پس جب فجر کی نماز پڑھتے تو اپنی اس جگہ پر تشریف لاتے، جہاں اعتکاف کرنا ہوتا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بھی آپ ﷺ سے اعتکاف کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے اجازت دے دی؛ چنانچہ انھوں نے مسجد میں ایک خیمہ لگایا، حضرت حفصہؓ نے سنا تو انھوں نے بھی ایک

خیمہ لگا لیا، حضرت زینبؓ نے سنا تو انھوں نے بھی ایک اور خیمہ لگا لیا، پس جب آپ ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ چار خیمے لگے ہوئے ہیں (ایک آپ ﷺ کا، تین ازواجِ مطہرات کے) آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ کو ازواجِ مطہرات کے بارے میں بتایا گیا (کہ یہ ان کے خیمے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ (کیا نیکی کی وجہ سے) ان خیموں کو نکال دو، اب میں انھیں نہ دیکھوں؛ چنانچہ خیمے اٹھا دیئے گئے، اور آپ ﷺ نے بھی اعتکاف نہیں فرمایا''۔

اس حدیث میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ آپ ﷺ نے شروع میں حضرت عائشہؓ کو اعتکاف کی اجازت دے دی تھی؛ لیکن جب دوسری ازواج مطہرات نے خیمے لگائے تو سب کو منع کر دیا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ حضرت عائشہؓ کا مکان مسجد سے اتنا متصل تھا کہ اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا؛ اس لیے اگر وہ اپنے مکان کے دروازے کے ساتھ ہی مسجد میں پردہ لگا کر اعتکاف فرماتیں تو ضروریات کے لیے بار بار مسجد میں مردوں کے سامنے سے نہ گذرنا پڑتا؛ بلکہ ایسا ہی ہو جاتا، جیسے اپنے گھر میں اعتکاف کر رہی ہوں۔

اس کے برخلاف دوسری ازواج مطہرات کے مکانات کچھ فاصلے پر تھے؛ اس لیے اگر وہ مسجد میں اعتکاف فرماتیں تو انھیں بار بار مسجد سے گذر کر اپنے مکان میں جانا پڑتا، اور عورت کے لیے اس طرح مسجد میں اعتکاف کرنا، آپ ﷺ نے پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ عورت کے لیے کوئی نیکی نہیں ہے؛ لیکن جب آپ ﷺ نے دوسری ازواجِ مطہرات کے خیمے اٹھوائے تو حضرت عائشہؓ کا بھی اٹھوا دیا؛ تاکہ دوسری ازواجِ مطہرات کو شکایت نہ ہو، اور پھر خود بھی اعتکاف نہیں فرمایا؛ تاکہ حضرت عائشہؓ کی دل شکنی نہ ہو اور پھر شوال میں اعتکاف کر کے اس ناغے کی تلافی فرما دی، اس طرح اس عمل سے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حق سے لے کر ازواجِ مطہرات تک، سب کے حقوق کی رعایت اس انداز سے فرمائی۔ سبحان اللہ!

بہرکیف! اس حدیث سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے، ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ اعتکاف کے لیے پردہ وغیرہ لگا کر کوئی جگہ گھیر لینا جائز ہے، اگلی حدیث جو آرہی ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے لیے ایک تُرکی خیمہ لگایا گیا، البتہ یہ جگہ گھیرنا اس وقت جائز

ہے، جب دوسرے مصلیوں یا معتکفین کو اس سے تکلیف نہ ہو، ورنہ کوئی جگہ گھیرے بغیر اعتکاف کرنا چاہیے؛ چنانچہ بعض علماء نے ازواجِ مطہرات کے خیمے اٹھوانے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ خیموں کی کثرت سے مسجد کے تنگ پڑنے کا اندیشہ بھی ہو۔

دوسری بات حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کرنا چاہیے، اور اگر وہ ایسا کرے تو شوہر کو اعتکاف ختم کرانے کا بھی حق ہے، نیز اگر شوہر اجازت دے چکا ہو، پھر مصلحت اعتکاف نہ کرنے میں معلوم ہو تو سابقہ اجازت سے رجوع کرنا بھی جائز ہے؛ لیکن یہ واضح رہے کہ اس طرح اعتکاف شروع کرنے کے بعد توڑنے سے اس دن کے اعتکاف کی قضاء واجب ہوگی، جس دن کا اعتکاف توڑا ہے، ہاں اگر اعتکاف شروع نہ کیا ہو تو پھر قضاء واجب نہیں، اور حدیثِ مذکور میں بظاہر یہی ہے کہ ازواجِ مطہرات نے ابھی اعتکاف شروع نہیں کیا تھا۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خواتین کو مسجد میں اعتکاف نہیں کرنا چاہیے؛ لیکن اگر کوئی عورت جس کا مکان مسجد سے بالکل متصل ہو، اس طرح پردے کے ساتھ مسجد میں اعتکاف کرے کہ اسے مسجد میں باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہو اور آس پاس بھی مرد نہ ہوں تو اپنے شوہر کے ساتھ اعتکاف کر سکتی ہے؛ لیکن افضل بہرصورت یہی ہے کہ گھر میں اعتکاف کرے۔

''عن أبي سعيد الخدريؓ أنَّ رسولَ اللّٰه ـ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ـ اعتكف العشرَ الأوّلَ من رمضانَ، ثم اعتكف العشرَ الأوسطَ في قبّةٍ تُركِيَّةٍ ثم أطْلَعَ رأسَه فقال: إني اعتكفْتُ العشرَ الأولَ، ألتَمِسُ هذه اللَّيلَةَ، ثم اعتكَفْتُ العشرَ الأوسطَ، ثم أُتِيْتُ فقيل لي: إنها في العشرِ الأواخِرِ فمن كان اعتكف معي، فلْيَعْتَكِفِ العشرَ الأواخرَ، فقد أُرِيْتُ هذه الليلةَ ثم أُنْسِيْتُها وقد رأيتُني أسْجُدُ في ماءٍ وطينٍ من صَبيحها، فالتمسوها في العشرِ الأواخرِ، والتمسوها في كلِّ وِترٍ، قال: فَمَطَرَتِ السَّماءُ تلك اللَّيلَةَ، وكان المسجد على عريشٍ فوَكَفَ المسجد فبَصُرَتْ عيناي رسولَ اللّٰه ـ صلى اللّٰه عليه

وسلّم ـ وعلٰی جبهتِه أثرُ الماءِ والطِّینِ من صَبیحَةِ إحدی وعشرین" (متفق علیه واللفظ لمسلم فقیل لي: إنها في العشر الأواخر والباقي للبخاري. المسلم/الصیام/فضل لیلة القدر: ۱/۳۶۹، ۳۷۰ رقم: ۱۱۶۷، البخاري/الاعتکاف في العشر الأواخر ۱/۲۷۱ رقم: ۲۰۲۷، مشکوٰة المصابیح: ۱/۱۸۲)

"حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ترکی خیمے کے اندر رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف فرمایا، پھر بیچ کے عشرہ کا، پھر سر باہر نکالا اور فرمایا: میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شبِ قدر تلاش کرنے کے لیے کیا، پھر اسی مقصد سے دوسرے عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام آیا کہ شبِ قدر آخری عشرہ میں ہے؛ لہٰذا جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے، وہ آخری عشرہ کا اعتکاف کرے؛ اس لیے کہ مجھے شبِ قدر پہلے دکھادی گئی تھی، پھر اسے بھلا دیا گیا، اور میں نے یہ دیکھا ہے کہ میں شبِ قدر کی صبح کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کررہا ہوں؛ لہٰذا اب تم شبِ قدر کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ: اسی شب بارش ہوئی، اور مسجد چھپر کی تھی، ٹپکنے لگی؛ چنانچہ اکیس رمضان کی صبح کو میری آنکھوں نے آنحضرت ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر پانی اور کیچڑ کا نشان تھا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں اعتکاف کا اصلی فائدہ شبِ قدر کی فضیلت کا حصول ہے؛ چنانچہ جب تک آپ ﷺ کو یہ نہیں بتایا گیا کہ شبِ قدر آخری عشرہ میں آئے گی، تو آپ ﷺ نے آخری عشرہ کا مزید اعتکاف خود بھی فرمایا اور دوسرے حضرات کو بھی اس کی ترغیب دی۔

اس سال آنحضرت ﷺ کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ شبِ قدر، وہ رات ہوگی، جس کی صبح کو آپ ﷺ پانی اور کیچڑ میں سجدہ کریں گے، یعنی بارش کی وجہ سے زمین بھیگی ہوئی ہوگی؛ چنانچہ اکیسویں شب میں بارش ہوئی، اور صبح کی نماز میں آپ ﷺ نے اسی گیلی زمین پر سجدہ فرمایا، اس طرح متعین ہوگیا کہ شبِ قدر اس سال اکیسویں شب میں آئی تھی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ

آئندہ بھی ہمیشہ اکیسویں شب میں ہی شبِ قدر ہوگی؛ بلکہ راجح قول یہی ہے کہ شبِ قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں بدل بدل کر آتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدہ کرتے وقت پیشانی کو مٹی یا کیچڑ سے بچانے کا بہت زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں، تھوڑی بہت مٹی یا کیچڑ اگر پیشانی کو لگ جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور حدیث میں اصل غور طلب بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اگرچہ گناہوں سے پاک تھے اور آپ ﷺ کے درجات انتہائی بلند تھے، اس کے باوجود شبِ قدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اس طرح تکلیف اٹھائی کہ پورا مہینہ اعتکاف میں گذار دیا، ہم لوگ تو اس فضیلت کے کہیں زیادہ محتاج ہیں؛ اس لیے ہمیں اس کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

"عن ابن عباسؓ أنّ رسولَ اللّٰه ـ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ـ قال في المعتکف: هو یعکِف الذنوبَ ویُجرَی له من الحسناتِ کعامل الحسناتِ کلِّها" (سنن ابن ماجة/ الصیام/ ثواب الاعتکاف: ۱۲۸، رقم: ۱۷۸۱)

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اعتکاف کرنے والا گناہوں سے محفوظ ہوجاتا ہے، اس کی تمام نیکیاں اسی طرح لکھی جاتی رہتی ہیں، جیسے وہ ان کو خود کرتا رہا ہو"۔

مطلب یہ ہے کہ اعتکاف کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ جتنے دن انسان اعتکاف میں رہے گا، گناہوں سے محفوظ رہے گا، اور جو گناہ وہ باہر رہ کر کرتا ہے، اب اس سے رک جائے گا؛ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ باہر رہ کر جو نیکیاں وہ کرتا تھا، اعتکاف کی حالت میں اگرچہ وہ ان کو انجام نہ دے سکا ہو؛ لیکن وہ اس کے نامۂ اعمال میں بدستور لکھی جاتی رہتی ہیں اور اسے ان کا ثواب بھی دیا جاتا ہے، مثلاً: کوئی شخص مریضوں کی عیادت یا تیمارداری کرتا تھا، یا غریبوں کی امداد کیا کرتا تھا، یا کسی عالم یا کسی بزرگ کی مجلس میں جایا کرتا تھا، یا تعلیم وتبلیغ کے لیے کہیں جاتا تھا اور اعتکاف کی وجہ سے یہ کام نہیں کرسکا تو وہ ان نیکیوں کے ثواب سے محروم نہیں ہوگا؛ بلکہ

اس کو بدستوران نیکیوں کا ایسا ہی ثواب ملتا رہے گا، جیسے خود ان کو انجام دیتا رہا ہو۔

اور احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب میں ہے:

''اس حدیثِ پاک میں (الحسنات) میں، ''الف لام'' استغراق کا ہوسکتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ معتکف اپنے ایامِ اعتکاف میں گویا ہر نیکی کر رہا ہے، اس کو سب نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب نماز کا انتظار کرنا، نماز کے حکم میں ہے اور اعتکاف کرنے والا نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو وہ نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہوا، اور نماز امّ العبادات ہے، یعنی سب سے بڑی اور تمام عبادتوں کی جامع ہے تو اس کا ادا کرنے والا گویا تمام عبادتیں کر رہا ہے، پس اعتکاف کرنے والا اعتکاف کی حالت میں سب عبادتیں حاصل کر رہا ہے'' (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۲۰)

''عن عائشةؓ قالت: كان رسولُ اللّٰه ـ صلَّى اللّٰه عليه وسلَّمَ ـ إذا اعْتكَفَ أدنىٰ إليَّ رأسَه وهو في المسجِدِ فأرجِّله وكان لايدخلُ البيتَ إلا لحاجةٍ إذا كان معتكفاً. (صحيح البخاري/الاعتكاف/لا يدخل البيت إلا لحاجة ۱/۲۷۲ رقم: ۲۰۲۹)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ اعتکاف میں ہوتے تو مسجد میں بیٹھ کر اپنا سرِ مبارک میری طرف جھکا دیتے، اور میں آپ ﷺ کے سرِ اقدس میں کنگھی کر دیتی تھی، اور آپ ﷺ گھر میں قضائے حاجت کے سوا کسی اور کام کے لیے تشریف نہ لاتے تھے''۔

آنحضرت ﷺ خود تو مسجد میں ہوتے اور حضرت عائشہؓ اپنے گھر ہوتیں، آپ ﷺ سر کو ذرا مسجد سے باہر نکال کر حضرت عائشہؓ سے کنگھی کرا لیتے تھے، اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اس طرح سر بھی دھلوا لیتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سر دھلواتے وقت آپ ﷺ کے اور حضرت عائشہؓ کے درمیان، صرف دروازے کی چوکھٹ حائل ہوتی تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۳/۹۴، رقم:۹۷۰۹) اور ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ کی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ سر دھونے یا کنگھی کرتے وقت حضرت عائشہؓ حیض کی حالت میں بھی ہوتی تھیں، اس طرح اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں:

(۱) معتکف کے لیے کنگھی کرنا، اور سر دھونا جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ خود مسجد میں رہے اور پانی مسجد سے باہر گرے۔

(۲) دوسرے شخص سے بھی یہ کام کرائے جاسکتے ہیں اور ایسے شخص سے بھی جو مسجد سے باہر ہو، عورت سے بھی یہ کام کرایا جاسکتا ہے؛ خواہ وہ حائضہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) معتکف کے بدن کا کچھ حصہ اگر مسجد سے باہر نکل جائے تو اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا؛ بشرطیکہ جسم کا صرف اتنا حصہ باہر ہو کہ دیکھنے والا پورے آدمی کو مسجد سے باہر نکلا ہوا نہ دیکھے۔

(۴) قضائے حاجت کے لیے معتکف اپنے گھر میں جاسکتا ہے۔

''عن عائشةؓ قالتْ كان رسولُ اللّٰه ـ صلَّى اللّٰه عليه وسلَّم ـ يَمُرُّ بالمريضِ وهو معتكفٌ فيمرُّ كماهو ولايُعَرِّجُ يَسأل عنه'' (سنن أبي داؤد/الصيام/المعتكف يعود المريض: ۱/۳۳۵، رقم: ۲۴۷۲)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اعتکاف کی حالت میں کسی مریض کے پاس سے گذرتے تو ٹھہرتے اور راستے سے ہٹے بغیر، گذرتے ہوئے اس کا حال پوچھ لیتے تھے''۔

مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے مسجد سے باہر تشریف لاتے آپ ﷺ کا گذر کسی بیمار کے پاس سے ہوتا تو اس کی عیادت کے لیے اپنے راستے سے نہ ہٹتے اور نہ ہی مریض کے پاس ٹھہرتے؛ بلکہ چلتے چلتے اس کی مزاج پرسی فرما لیتے تھے۔ (مرقاة:۴/۳۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ معتکف جب کسی شرعی عذر سے مسجد سے باہر نکلے تو اسے ضرورت سے زیادہ ایک لمحہ بھی باہر نہ ٹھہرنا چاہئے، ہاں راستے میں چلتے چلتے، کسی سے کوئی بات کر لے، یا بیمار پرسی کر لے تو جائز ہے؛ لیکن اس غرض کے لیے رکنا، یا راستہ بدلنا جائز نہیں؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ بھی اسی پر عمل فرماتی تھیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ اعتکاف کے دوران ضرورت کی وجہ سے گھر میں جاتیں، وہاں کوئی مریض ہوتا تو اس کی مزاج پرسی چلتے چلتے کر لیتی تھیں؛ اس کے لیے ٹھہرتی نہ تھیں۔ (جامع الأصول:۱/۳۴۱، بحوالہ مؤطا امام مالک)

''عن صَفِيَّةَؓ ـ زوجِ النَّبيِّ صلَّى اللّٰه عليه وسلَّمَ ـ أنها جاءتْ رسولَ اللّٰه

ـصلى الله عليه وسلَّمَ ـتزورُه في اعتكافه في المسجدِ في العشرِ الأواخرِ من رمضانَ فتَحَدَّثَتْ عنده ساعةً،ثم قامتْ تنقلبُ، فقام النَّبيُّ ﷺ معها يَقْلِبُها؛حتى إذا بلغتْ بابَ المسجدِ عند باب أمِّ سلمة،مَرّ رجلان من الأنصارِ فسلّماعلى النَّبيِّ ـصلّى الله عليه وسلّم ـ فقال لهما النَّبيُّ ـصلّى الله عليه وسلّم ـ:علىٰ رِسْلِكُما،إنَّها صفيَّةُ بنتُ حُيَيّي فقالا: سُبحان الله يارسول اللّٰه! وكبرُ عليهما فقال النَّبيّ ـصلى الله عليه وسلم ـ: إن الشَّيطان يبلغ من الإنسانَ مبلغَ الدَّمِ وإنِّي خشيتُ أن يَقْذِفَ في قلوبكما شيئًا"(البخاري /الاعتكاف/هل يخرج المعتكفُ لحوائجه إلى باب المسجدِ: ۱/۲۷۲ رقم: ۲۰۳۵ والصحيح لمسلم/السلام/بيان ما يستحب لمن رؤي خالياًبامرأةٍ ۲/۲۱۶ ،رقم: ۲۱۷۵)

''ام المؤمنین حضرت صفیہؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس اعتکاف کی حالت میں مسجد میں آئیں ، یہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی بات ہے،اور کچھ دیر آپ ﷺ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں، پھر واپس گھر جانے کے لیے کھڑی ہوئیں،تو آپ ﷺ بھی انھیں پہونچانے کے لیے کھڑے ہوگئے، یہاں تک کہ جب وہ مسجد کے دروازہ پر حضرت ام سلمہؓ کے دروازے کے قریب پہونچے تو دو انصاری صحابی پاس سے گذرے اور انھوں نے آنحضرت ﷺ کوسلام کیا،آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ذرا ٹھہرو! یہ عورت صفیہ بنتِ حیی ہیں کوئی اور نہیں۔انہوں نے (تعجب سے)سبحان اللہ کہا اور یہ بات انہیں شاق گذری،(کہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں یہ خیال کیوں فرمایا کہ ان کے دل میں کوئی بدگمانی آئی ہوگی)اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان سے اتنا قریب ہے، جتنا انسان کا خون اس سے قریب ہوتا ہے اور مجھے خطرہ ہوا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے''۔

یہ حدیث بہت سے عظیم فائدوں پر مشتمل ہے:

(۱)اول تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ حالتِ اعتکاف میں کوئی ملنے والا آجائے تو اس سے بات چیت کرنے میں کوئی حرج نہیں؛البتہ یہ خیال رہنا چاہیے کہ اعتکاف کی حالت میں فضول

بات چیت سے پرہیز لازم ہے۔

(۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف سے ملنے کے لیے گھر کی کوئی عورت مسجد میں آئے تو اس کی بھی اجازت ہے؛لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اول تو پردے کا اہتمام ہو، دوسرے ایسے وقت میں آئے جب مردوں کا سامنا ہونے کا امکان کم سے کم ہو، بے پردہ، بے حیائی سے بے محابا مسجد میں آنے کا کوئی جواز حدیث سے نہیں ملتا۔

(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص ملنے کے لیے آئے تو اسے دروازہ تک پہنچانے کے لیے اس کے ساتھ جانا جائز ہے؛لیکن مسجد سے باہر نہ نکلے۔

(۴) یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف اعتکاف کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بات کرسکتا ہے؛لیکن جو میاں بیوی کے مخصوص کام ہیں، وہ کرنا جائز نہیں،جیسا کہ مسائلِ اعتکاف میں اس کی تفصیل آرہی ہے،اور حضرت عائشہؓ کی اگلی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

(۵) آنحضرت ﷺ کے پاس سے چونکہ حضرت صفیہؓ نکل کر گئی تھیں،اور پردے میں ہونے کی وجہ سے اجنبیوں کے لیے ان کی جان پہچان مشکل تھی؛اس لیے آپ ﷺ نے انصاری صحابہ کو بتادیا کہ یہ نکل کر جانے والی حضرت صفیہؓ ہیں۔

ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کے بارے میں کسی بدگمانی کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے ؛لیکن اپنے عمل سے یہ تعلیم دی کہ کوئی شخص خواہ کتنے بڑے مرتبہ کا ہو،اسے تہمت کے مقامات سے پرہیز کرنا چاہیے،اور ہر اس موقع پر بات واضح کردینی چاہیے، جہاں اس کے بارے میں کسی بدگمانی کا شائبہ ہوسکتا ہو۔

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنی طرف سے بدگمانی دور کرنے کے لیے کوئی بات کرے تو یہ نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ مستحسن ہے،حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خاص طور سے علماء کرام اور مقتداؤں کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے؛اس لیے کہ عوام کے دل میں ان کی طرف سے بداعتقادی یا بدگمانی پیدا ہوگئی تو وہ ان سے دینی فائدہ حاصل نہیں کرسکیں گے۔

(۶)اس حدیث سے ازواجِ مطہرات کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا حسنِ سلوک بھی واضح

ہوتا ہے کہ اعتکاف جیسی حالت میں بھی آپ ﷺ ان کی دل داری کے لیے، دروازہ تک انھیں پہنچانے کے لیے تشریف لے گئے۔

"عن عائشةؓ قالت: السنةُ على المُعْتَكِفِ أن لايعود مريضاً ولايشهَدَ جَنَازَةً ولايَمَسَّ امرأةً ولايباشرَها ولايخرجَ لحاجةٍ إلالِمَالَابُدَّ مِنه" (رواه أبوداؤد/الصيام/المعتكف يعود المريض: ۱/۳۳۵، رقم: ۲۴۷۳)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ معتکف کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ نہ کسی کی بیمار پرسی کے لیے جائے، نہ کسی جنازے میں شامل ہو، نہ کسی عورت کو چھوئے، نہ اس کے ساتھ ملاپ کرے، ناگزیر ضروریات کے سوا کسی بھی ضرورت کے لیے باہر نہ نکلے"۔

اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے ان بہت سے کاموں کی تفصیل بیان فرمادی ہے، جو اعتکاف کی حالت میں ممنوع ہوتے ہیں۔

"عن ابن عمرؓ أنّ عمر سأل رسولَ اللّٰه -صلى الله عليه وسلّم- وهو بالجِعِرَّانة بعد أن رجع من الطائف، فقال: يا رسول الله! إني نذرتُ في الجاهلية أن أعتكف يوماً في المسجد الحرام فكيف ترى؟ قال: اذهبْ فاعتكِفْ يوماً، قال: وكان رسول الله -صلى الله عليه وسلّم- قد أعطاه جاريةً من الخُمس فلما أعتَقَ رسولُ الله -صلى الله عليه وسلّم- سَبَايا الناسِ سمع عمر ابن خطابؓ أصواتَهم يقولون: أَعْتَقَنا رسولُ الله -صلى الله عليه وسلّم- فقال ماهذا؟ قالوا: أعتق رسول اللّٰه -صلى الله عليه وسلّم- سبايا الناسِ، فقال عمر: يا عبد الله اذهب إلى تلك الجارية فَخَلِّ سَبِيْلَها". (رواه البخاري/الاعتكاف/الاعتكاف ليلاً ۱/۲۷۲، رقم: ۲۰۳۲ ومسلم: الأيمان والنذور/نذر الكافر ومايفعل فيه إذاأسلم ۲/۵۰ رقم: ۱۶۵۶، جامع الأُصول: ۱/۳۴۶)

"حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپسی پر "جعرانہ" کے مقام پر تشریف فرما تھے تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! میں نے جاہلیت میں نذر مانی

تھی کہ مسجدِ حرام میں ایک دن کا اعتکاف کروں گا، اب آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور ایک دن کا اعتکاف کرو، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مالِ غنیمت میں سے ایک کنیز عطا فرمائی تھی، جب آنحضرت ﷺ نے (غزوہ حنین میں) کنیز بنائی ہوئی عورتوں اور غلاموں کو آزاد کیا تو حضرت عمرؓ نے (اعتکاف کے دوران) ان کی آوازیں سنیں کہ ہمیں آنحضرت ﷺ نے آزاد کردیا ہے، حضرت عمرؓ نے (لوگوں سے) پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے قیدیوں کو آزاد کردیا ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عبداللہ! اس کنیز کے پاس جاؤ اور اسے بھی آزاد کردو"۔

عام اصول یہ ہے کہ کفر کی حالت میں کسی نے کوئی منت مانی ہو تو اسلام لانے کے بعد اسے پورا کرنا واجب نہیں ہوتا؛ لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا؛ کیونکہ وہ ایک کارِ خیر تھا اور اگرچہ وہ واجب نہ تھا؛ لیکن موجبِ ثواب ضرور تھا؛ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کفر کی حالت میں کی ہوئی نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اسلام کی حالت میں کوئی شخص اعتکاف کی نذر کرلے تو اس کا پورا کرنا اور زیادہ ضروری ہوگا؛ چنانچہ اس حدیث سے نذر کے اعتکاف کی اصل نکلتی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن کے اعتکاف کی نذر بھی درست ہے۔

"جعرّانہ" مکہ مکرمہ سے کچھ فاصلے پر طائف کے راستے میں ایک جگہ ہے، آنحضرت ﷺ نے طائف کے غزوہ سے واپسی پر یہاں سے، راتوں رات مکہ مکرمہ تشریف لے جاکر عمرہ کیا تھا، مسجدِ حرام چونکہ یہاں سے قریب تھی؛ اس لیے حضرت عمرؓ نے یہ مسئلہ پوچھا اور پھر جاکر اعتکاف کیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف کے لیے مسجد سے باہر کے حالات لوگوں سے معلوم کرنا جائز ہے؛ کیونکہ حضرت عمرؓ نے آزاد شدہ قیدیوں کا شور سن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ماجرا پوچھا تھا (**البخاري/كتاب الجهاد/باب ماكان يعطي المؤلَّفة قلوبهم: ۱/۴۴۵، رقم: ۳۱۴۴**) سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد شدہ قیدی مکہ کی گلیوں میں خوشی سے دوڑتے پھر رہے تھے، اس پر حضرت عمرؓ نے ان کا حال معلوم فرمایا۔

نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں غلام آزاد کرنا یا اسی قسم کے دوسرے معاملات، مثلاً: نکاح وطلاق وغیرہ جائز ہیں۔(احکامِ اعتکاف:١٠تا ٢٨)

اعتکاف کی اہمیت اور فضیلت کے متعلق چند احادیث

من اعتكف يوماً ابتغاءَ وَجهِ الله ـ عزَّ وجلَّ ـ جعل الله بينه وبين النار ثلاثَ خَنَادِقَ أبْعَدَ ما بين الخافِقَين. (شعب الإيمان للبيهقيّ: ٣/ ٤٢٥ رقم: ٣٩٦٥).

"جو شخص اللہ کی خوشنودی کے لیے، ایک دن کا اعتکاف کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقوں کو آڑ بنادیں گے، جن کی مسافت آسمان وزمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہوگی"۔

نیز ایک حدیث میں حضرت حسین بن علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من اعتكف عشراً في رمضان كان كحَجَّتينِ وعُمرتين"(شعب الإيمان للبيهقي: ٣/ ٤٢٥ رقم: ٣٩٦٦)

"جو شخص رمضان میں دس روز کا اعتکاف کرے تو اس کا یہ عمل دو حج اور دو عمرہ جیسا ہوگا"

اور طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

اعتكافُ عشرٍ في رمضانَ كحجَّتَين وعُمرتين. (المعجم الكبير للطبراني: ٣/ ١٢٨، ٢٨٨٨)

"رمضان کے دس روزوں کا اعتکاف دو حج اور دو عمروں جیسا ہے۔"

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"إن للمسجدِ أوتاداً، الملائكةُ جلساؤُهم إن غابوا يفقِدوهم، وإن مرِضوا عادوهم، وإن كانوا في حاجةٍ أعانُوهم"(المستدرك للحاكم: ٢/ ٣٩٨ رقم: ٣٥٠٧، وصحَّحَهُ الإمام أحمد: ٢/ ٤١٨، رقم: ٩٤٢٤)

"کچھ لوگ مسجدوں کے لیے میخ بن جاتے ہیں (وہ ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں) ایسے لوگوں کے ہم نشین فرشتے ہوتے ہیں، اگر یہ لوگ کبھی مسجد سے غائب ہوجائیں تو فرشتے انہیں تلاش کرتے ہیں اور اگر یہ بیمار ہوجائیں تو ان کی عیادت کرتے ہیں، اور اگر ان کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو یہ فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں"۔

اعتکاف کرنے سے اس حدیث کی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے، جو بہت بڑی فضیلت ہے۔(احکامِ اعتکاف:٨تا١٠)

حدیث"المعتكف هو يعكِفُ الذنوب كلها.....": پر اشکال اور اس کا جواب

شریعت میں اعتکاف کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے؛ چنانچہ حدیث شریف میں ہے: المعتكفُ هو يعكِفُ الذنوبَ و يُجرى له من الحَسَناتِ كعامِلِ الحَسَناتِ كلِّها. (رواه ابن ماجه/الصيام/باب في ثواب الاعتكاف: ١٢٧ رقم: ١٧٨١).

یعنی معتکف تمام گناہوں سے الگ رہتا ہے اور تمام طاعات کا ثواب اس کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اس میں بظاہر ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اعتکاف نہ کرے اور ویسے ہی گھر کو بند کر کے خلوت اختیار کرے (تنہا رہے) تو وہ بھی تو گناہوں سے بچ سکتا ہے، پھر اعتکاف ہی کی اس میں کیا خصوصیت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے کی دو قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم جدا ہے، سو ایک چھوڑنا تو اصل کے اعتبار سے ہے، یعنی گناہ معدوم ہے، اس طرح کہ چھوڑنے کا ارادہ نہ کیا ہو؛ بلکہ گناہ کا موقع ہی نہ ہو؛ اس لیے چھوٹا ہوا ہو۔

اور ایک گناہ چھوڑنا اس طرح ہوتا ہے کہ اپنے ارادے سے چھوڑنا ہو، یعنی چھوڑنے میں ارادہ بھی شامل ہو، سو پہلی قسم ہو تو اس میں کوئی ثواب نہیں؛ اس لیے کہ ثواب تو اس وقت ہوتا

ہے، جب کہ چھوڑنے کا ارادہ بھی ہو اور دوسری قسم میں ثواب ہوتا ہے، یعنی کسی گناہ کی طرف التفات ہوا اور اس سے اپنے کو روک لیا، اس پر ثواب ملتا ہے، یہ تو عام قاعدہ ہے۔

لیکن اعتکاف میں یہ خصوصیت ہے کہ معتکف کو تمام تروک (تمام قسم کے گناہوں کے چھوڑنے) پر ثواب ملتا ہے، گو اس کے ذہن میں بھی نہ ہو، اور ان کے چھوڑنے کا ارادہ بھی نہ کیا ہو، بس اعتکاف کی یہ خصوصیت ہے، جو مطلق اعتکاف میں نہیں، جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جن نیکیوں پر یہ قادر تھا اور اعتکاف کی وجہ سے نہیں کرسکتا، گو اس نے اس کی نیت بھی نہ کی ہو، ان سب کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے، اور اس عموم کی دلیل ''الحسنات کلھا'' کا عموم ہے، پس جب معتکف کے لیے تمام نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے تو اس سے پہلے جملہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہوں سے بچنے کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے، گو اس نے ان سے بچنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۲۱،۲۲،۲۳)

معتکف کے لیے اس قدر ثواب کیوں ہے؟

اس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ اعتکاف میں عبدیت زیادہ ہے کہ اور لوگ تو کھانے، کمانے اور سیر وتفریح (بیوی بچوں اور دوست واحباب) میں مشغول ہیں اور معتکف ان کے دروازہ پر پڑا ہے اور زبانِ حال سے یوں کہہ رہا ہے ؎

خُسرو غریب است و گدا افتادہ در کوئے شما
شاید کہ از بہرِ خدا سوئے غریباں بنگری

ترجمہ: ''خسرو پردیسی بھی ہے اور فقیر بھی (محض اس امید پر) آپ کی گلی میں آکر پڑ گیا، کہ شاید خدا کے واسطے آپ غریبوں کی طرف نگاہِ کرم فرمالیں''

اگر معتکفین اس شعر کے مضمون کو مستحضر رکھیں تو اعتکاف میں ان کو ایک خاص کیفیت حاصل ہوگی؛ بلکہ کبھی کبھی اس شعر کو پڑھ لیا کریں تو اور اچھا ہے؛ ورنہ مضمون ہی کو ذہن میں تازہ کرلیا کریں۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۲۳)

آنحضرت ﷺ کا اہتمامِ اعتکاف

آنحضرت ﷺ کو اعتکاف کا خاص ذوق تھا، آپ ﷺ ہر سال رمضان کے مہینے میں اعتکاف کا نہایت اہتمام فرماتے تھے، آپ ﷺ نے رمضان کے پورے مہینے کا اعتکاف بھی فرمایا ہے، اور بیس روز کا بھی اور دس روز کا تو ہر سال آپ ﷺ کیا ہی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک خاص وجہ سے آپ ﷺ رمضان شریف میں اعتکاف نہ فرما سکے تو پھر شوال میں دس دن روزہ رکھ کر اعتکاف فرمایا، اور ایک سال رمضان میں آپ ﷺ سفر کی وجہ سے اعتکاف نہیں فرما سکے، تو اگلے سال رمضان میں دس دن کے بجائے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

جب شبِ قدر کے بارے میں یہ متعین نہیں ہوا تھا کہ وہ عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے، اس وقت آنحضرت ﷺ سے پورے رمضان کا اعتکاف فرمانا ثابت ہے، اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یکم رمضان سے ۲۰/رمضان تک اعتکاف کرنے کے بعد فرمایا کہ: ''میں نے شبِ قدر کی تلاش کے لیے رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا، پھر مجھے بتایا گیا کہ شبِ قدر آخری عشرہ میں ہے، لہٰذا تم میں سے جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے، وہ کرلے''۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا معمول یہ ہو گیا کہ ہر رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔

اعتکاف کی اہمیت وفضیلت کے لیے یہ بات ہی کیا کم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پابندی فرمائی، اور اسے کبھی بالکلیہ ترک نہیں فرمایا۔ (احکامِ اعتکاف: ۷،۸)

رسول اللہ ﷺ کے اعتکاف فرمانے کا طریقہ

نبی کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، جہاں رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو آپ ﷺ کے لیے مسجدِ نبوی میں ایک جگہ مخصوص کر دی جاتی اور وہاں آپ ﷺ کے لیے پردہ چٹائی وغیرہ ڈال دیا جاتا، یا کوئی چھوٹا سا خیمہ نصب کر دیا جاتا، اور فجر کی نماز پڑھ کر آپ ﷺ وہاں چلے جاتے تھے، اور عید کا چاند دیکھ کر وہاں سے

باہر تشریف لاتے تھے ، اس درمیان میں آپ ﷺ وہیں کھانا پینا فرماتے اور وہیں سوتے ،آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے جس کو آپ کی زیارت مقصود ہوتی، وہیں چلی جاتیں اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی آتیں ،بغیر کسی شدید ضرورت کے آپ ﷺ وہاں سے باہر تشریف نہ لاتے ،ایک مرتبہ آپ ﷺ کو سر صاف کرانا مقصود تھا اور امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایامِ معمولہ (حیض) سے تھیں تو آپ ﷺ نے سرِ مبارک کھڑکی سے باہر کر دیا اور امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کنگھا کر کے صاف کیا۔عن عائشة ـ رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: إن النبيّ ـصلّى الله عليه وسلّم ـ يعتكف في العشر الأواخر من رمضان فكنتُ أضربُ له خِباءً .(البخاري /الاعتكاف/اعتكاف النساء ۱/۲۷۲ ،رقم:۲۰۳۳)وفي حديث : عن عائشة ـرضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت :كان النبيّ ـصلى الله عليه وسلّم ـ يُصْغِي إليّ رأسَه وهو مُجَاوِرٌ في المسجدِ، فأُرَجِّلُهُ وأنا حائضٌ. (البخاري/ الاعتكاف/الحائض ترجل رأس المعتكف ۱/ ۲۷۱، رقم:۲۰۲۸)وفي الفتح: لأنّ النّبى ـصلّى اللّٰه عليه وسلّمَ ـلم يكن له مأوى إلا المسجد،أى لحاجته الأصليّة من الأكلِ ونحوِه.(فتح القدير: ۲/ ۴۰۲). (مسائلِ اعتکاف:۱۷)

کسی سال اعتکاف چھوٹ جانے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کی عادتِ شریفہ

"عن أنس ؓ قال :كان رسول اللّٰه ـصلى الله عليه وسلّمَ ـإذا كان مقيماً يعتكفُ العشرَ الأواخِرِ من رمضانَ، فإذا سافَرَ اعتكف من العام المُقْبِلِ عشرين." (ابن حبان: ۵/ ۲۶۸ ،رقم: ۳۶۵۴ و ۳۶۵۶)

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقیم ہوتے تو رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف ضرور فرماتے ،اور جب سفر کرتے تو آئندہ سال بیس یوم کا اعتکاف فرماتے"۔

فائدہ: یعنی آپ ﷺ اعتکاف کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ سفر کی وجہ سے اگر کبھی اعتکاف کا اہتمام نہ کر پاتے تو آئندہ اس کی تلافی کرتے ۔خیال رہے کہ اگر کوئی عذر کی وجہ سے اعتکاف نہ کر سکے تو باعثِ فضیلت ہے ،کہ آئندہ اس کی تلافی میں بیس دن اعتکاف کرے۔(آداب الاعتکاف:۳۷)(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف کتنی مرتبہ چھوٹا؟
درسِ ترمذی میں مذکور تعداد پر اشکال اور اس کا جواب

بسم الله الرحمن الرحيم

محترم المقام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

از ڈیوز بری (برطانیہ) مرغوب احمد لاجپوری ،بحمداللہ خیریت سے ہونگے اور بارگاہِ ایزدی میں جناب والا کی خیر وعافیت کا طالب ہوں۔

عرض تحریر ایں کہ آپ کے ترمذی کے درس میں ہے:

"آنحضرت ﷺ سے دومرتبہ رمضان میں اعتکاف چھوٹا ہے" الخ (درسِ ترمذی :۲/۶۴۳)

(۱) واضح رہے کہ سفر کی وجہ سے صرف فتحِ مکہ کے سال آپ ﷺ اعتکاف نہ فرما سکے تھے،جیسا کہ ابنِ ماجہ اور ابوداؤد کی روایت سے ظاہر ہے۔ عن أبيّ بن كعب ـرضي الله عنه ـ قال:إن النبي صلى الله عليه وسلم كان يعتكف العشرَ الأواخرَ من رمضان فسافر عاماً،فلما كان من العامِ المُقْبِلِ اعتكف عشرين يوماً. ولفظ أبي داؤد فلم يعتكف عاماً.(ابن ماجه:الصيام/ماجاء في الاعتكاف ۱/ ۱۲۷رقم: ۱۷۷۰ و أبو داؤد/الصوم/ الاعتكاف ۱/ ۳۳۴،رقم:۲۴۶۳)

قال السِّنْدِي في بيان سفره ـصلى الله عليه وسلّم ـأنه عامَ الفتحِ ،وفي هذا دلالة على أنه ـ صلّى الله عليه وسلّم ـ يَقْضِي الاعتكافَ الفائتَ ،فإما لأنه كان واجباً عليه مخصوصاً فَيَقْضِيْه، أو لتأَكُّدِ سُنِّيَّتِه. (بذل المجہود ۳/ ۳۹۴ ط:اشرفیہ دیوبند)

استحباباً قضاء کا حکم صرف اعتکاف کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ جو بھی نفلِ مؤقت فوت ہو اس کی قضاء مندوب ہے۔قلتُ: في المنهاج ولو فات النفلُ المُؤَقَّتُ نُدِبَ قَضَاؤه.(المُسَوّیٰ: ۱۷۲)

مجھے کتبِ سیرت کے مطالعہ کے دوران تین مرتبہ آپ ﷺ کا اعتکاف نہ فرمانا سمجھ میں آیا: ایک غزوۂ بدر کے وقت، دوسرے فتحِ مکہ کے وقت، اور تیسرا جو واقعہ آپ نے نقل فرمایا ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ:

(۱).....غزوۂ بدر سترہ رمضان المبارک کو پیش آیا اور فتح کے بعد آپ ﷺ نے بدر میں تین روز قیام فرمایا، پھر مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے، درمیان میں مقامِ صفراء میں پہنچ کر مالِ غنیمت تقسیم فرمایا اور قیدیوں میں نضر بن حارث کے قتل کا حکم دیا، صفراء سے چل کر مقامِ عرق الظبیہ میں عقبہ بن مُعیط کے قتل کا حکم فرمایا، اس طرح منزل بمنزل ٹھہرتے ہوئے، آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے۔ (سیرۃ المصطفی ﷺ: ۲/۱۰۵، ۱۰۸)

اس تفصیل کے بعد یہ تو صاف سمجھ میں آرہا ہے کہ نبی کریم ﷺ بیس کی شام؛ بلکہ اکیس کی صبح تک بھی مدینہ منورہ تشریف نہ لاسکیں ہوں گے؛ اس لیے اس سال اعتکاف نہ فرمایا ہوگا۔

(۲).....فتح مکہ کے لیے آپ ﷺ دس رمضان المبارک ۸ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، مع اختلاف الروایات، اور بیس رمضان المبارک کو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے اور اسی روز مکہ فتح ہوا، پھر رمضان المبارک کے بقیہ ایام؛ بلکہ شوال کے کچھ روز آپ ﷺ مکہ معظّمہ ہی میں مقیم رہے۔ (اصح السیر: ص۳۲۰)

اور مکہ معظّمہ میں آپ ﷺ کا اعتکاف فرمانا نظر سے نہیں گزرا؛ اس لیے غالباً گمان یہی ہے کہ اس سال بھی آپ ﷺ نے اعتکاف نہیں فرمایا۔

(۳).....تیسرا واقعہ جو آپ نے بھی "درسِ ترمذی" میں نقل فرمایا ہے کہ: ازواجِ مطہرات نے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں خیمے لگالیے تو آپ ﷺ نے سب خیمے اٹھوادیئے اور خود بھی اعتکاف کا ارادہ ترک فرمایا اور شوال میں قضاء فرمائی۔

الغرض مدینہ منورہ کے نو سالہ قیامِ رمضان میں تین مرتبہ آپ ﷺ کا اعتکاف نہ فرمانا سمجھ میں آتا ہے۔ یہ ایک ادنی طالبِ علم کا سوال ہے، حضرت کی ذات گرامی کا شمار عصرِ حاضر کے جبالِ علم میں ہے، امید کہ تحقیق فرما کر تشفی فرمائیں گے۔ فقط طالبِ دعا۔

مرغوب احمد لاجپوری

مکتوب: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

مکرمی: آپ کا گرامی نامہ باعث مسرت وافتخار ہوا، میں نے مصروفیات کی وجہ سے تحقیق کے لیے ایک ساتھی کو لگایا تھا، انہوں نے جو جواب لکھا ہے، وہ بظاہر درست ہے۔ آنجناب کی یادفرمائی کے لیے تہ دل سے ممنون ہوں، والسلام۔ محمد تقی عفی عنہ

۱۴۲۴/۲/۲۸ھ

....

الجواب حامداً ومصلیاً

آنحضرت ﷺ کا رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا معمول تھا؛ البتہ سفر وغیرہ کی وجہ سے آپ ﷺ سے اعتکاف چھوٹا بھی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے "زادالمعاد" میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ سے ایک مرتبہ اعتکاف چھوٹا ہے، جب کہ دیگر کتبِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے دو مرتبہ اعتکاف چھوٹا ہے، ایک تو فتح مکہ کے سال اور دوسرے اس سال جب آپ ﷺ نے بعض ازواجِ مطہرات کو اپنے ساتھ اعتکاف کی اجازت دی اور سب نے مسجد میں اعتکاف کے لیے خیمے لگوادیے، پھر آنحضرت ﷺ نے سارے خیمے اٹھوادیے اور اس سال خود بھی اعتکاف نہیں فرمایا اور شوال میں اس کی قضاء فرمائی۔ ان دو مواقع کے علاوہ کسی تیسرے موقعہ پر اعتکاف کا چھوڑنا، باوجود بسیار تلاش کے کہیں منقول نہیں ملا، جب کہ ۲ھ میں غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ کا اعتکاف نہ فرمانا بھی ظاہر ہے، جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے؛ لیکن محدثین کرام اور شراحِ حدیث نے اسے ذکر نہیں فرمایا۔

احقر کے خیال میں اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ رمضان ۲ھ سے چند ہی روز قبل روزوں کی فرضیت ہوئی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے تو آپ ﷺ نے اعتکاف نہیں فرمایا ہوگا اور روزوں کی فرضیت کے بعد پہلے رمضان میں آپ ﷺ غزوۂ بدر میں مصروف رہے، اس سال کے بعد سے آپ ﷺ نے اعتکاف پر مواظبت فرمائی ہوگی، اس مواظبت کے دوران دو مرتبہ آپ ﷺ نے اعتکاف نہیں فرمایا، جس کا محدثین نے تذکرہ فرمایا اور غزوۂ بدر سے پہلے

چونکہ اعتکاف شروع ہی نہیں کیا تھا؛ اس لیے اس سال ترکِ اعتکاف کو محدثین نے شمار نہیں کیا ہے۔

نوٹ:۔اس بات کی کہیں تشریح نہیں دیکھی اور نہ ہی یہ معلوم ہوسکا کہ سب سے پہلے کس سال آپ ﷺ نے اعتکاف فرمایا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم.

في صحيح البخاري: عن أبي هريرةؓ كان النبيّ ﷺ يعتكف في كل رمضانَ عشرةَ أيام، فلما كان العامُ الذي قُبِض فيه، اعتكف عشرين يوماً. (البخاري/الاعتكاف/الاعتكاف في العشر الأوسط من رمضان، ١/٢٧٤ رقم: ٢٠٤٤)

يقول الحافظ في فتح الباري: وأقوى من ذلك أنه إنّما اعتكف في ذلك العام العشرين؛ لأنه كان العامُ الذي قبله مسافراً، ويَعْدِل لذلك ما أخرجه النسائي واللفظ له وأبو داؤد وصححه ابنُ حِبَّانَ وغيرُهُ، من حديث أبي ابن كعبؓ أن النَّبيّ ﷺ كان يعتكف العشر الأواخِرَ من رمضانَ فسافر عاماً فلم يعتكفْ فلما كان العامُ المُقْبِلُ، اعتكف عشرين ويحتمل تعَدُّدُ هذه القصةبتعَدُّدِالسببِ. (فتح الباري: ٤/٢٨٥)

يقول السندي في حاشية السنن لابن ماجه تحت حديث أبي بن كعب (رقم: ١٧٧٠): قوله:" فسافر عاماً" الظّاهر أنه عامَ الفتح وقد علم أنه سنة بلا سفرٍ أيضاً فقضى. (السنن لابن ماجه: ٣٥٨)

يقول ابن القيمؒ في زادالمعاد (١/٣٦٨): وفي شعبان هذه السنه (الثانية) نزلت فريضةرمضان.....وفي هذه السنه وقعتْ غزوة بدر الكبرى .....قال ابن اسحاق: كانت وقعةُ بدر يومَ الجمعة صَبِيْحَةَ السابعَ عشرَ، والله سبحانه أعلم.

خلیل احمد اعظمی عفی عنہ

۱۴۲۴/۲/۲۷

....

(مرغوب الفتاویٰ: ۳/ ۴۷۸، ۴۸۲)

معتکف کی مثال

امیر المومنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارکؒ نے حضرت عثمان بن عطاءؒ سے انہوں نے اپنے والد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ معتکف کی مثال اس کی طرح ہے، جس نے اپنے آپ کو آقائے رحیم وشفیق کے سامنے ڈال دیا اور کہا بقسم اس وقت تک در نہ چھوڑوں گا، جب تک کہ آپ ہم پر رحم وکرم کا معاملہ نہ فرمائیں گے۔

''طحطاوی علی المراقی'' میں امام اعظمؒ کے استاذِ محترم، حضرت عطاءؒ کا قول معتکف کی مثال میں منقول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ معتکف کی مثال اس سائل اور حاجت مند کی طرح ہے جو کسی سخی کے دروازے پر ڈیرا ڈالے ہوئے ہو اور اپنی زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہو کہ مولائے کریم سخی داتا تیرے در سے ہٹنا اور جانا نہیں؛ تاوقتیکہ ہمیں معافی نہ مل جائے اور ہماری ضرورت پوری نہ ہوجائے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کریم وسخی داتا کس طرح سے محروم خالی ہاتھ واپس کرسکتا ہے؟! قال في المَرَاقِي: وقال الأستاذ العارف بالله تعالىٰ الإمام المجتهد عطاء بن أبي رَبَاحٍ .....مَثَلُ المعتكف مَثَلُ رجل يختلف أي يَتَرَدَّدُ ويَقِفُ على باب ملك أو وزيرٍ عظيم، أو إمام عظيم لحاجة، يقدرعلى قضائها عادة، فالمعتكف يقول لسان حاله، إن لم ينطق بذلك لسان قاله: لاأبرح قائما بباب مولايَ سائلاًمنه جميعَ مَآرِبِيْ، وكَشْفِ مانَزَلَ بِي من الكُرَبِ، وصار مُصَاحِبِيْ وتَجَنَّبَنِيْ لذلك أعَزُّ إخواني؛ بل عينُ قَرَائِبِيْ حتّى يَغْفِرَ لِيْ. (طحطاوي على مراقي الفلاح: ٧٠٩). (آداب الاعتکاف: ۴۳)

اعتکاف کے تعلق سے لوگوں کی تین قسمیں

اعتکاف کے تعلق سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: کے لوگ وہ ہیں، جو اعتکاف کے فوائد کا از خود ادراک کرکے علی وجہ البصیرت اعتکاف کرتے ہیں اور اس کے ثمرات لوٹتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آجاتی ہے کہ ان کا دنیا کے جھمیلوں میں پھنسنا سخت مضر ہے، ان کے دل ودماغ میں ہر

وقت جو دنیوی تصورات پھرتے رہتے ہیں، وہ ان کے لیے سخت مضرّت رساں ہیں، اور یہ بات بھی ان کی سمجھ میں اچھی طرح آ جاتی ہے کہ ان کے لیے نفع بخش چیز یہ ہے کہ وہ دنیوی جھمیلوں کو چھوڑ کر کسی مسجد میں گوشہ نشیں ہو جائیں اور ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہیں، مگر حالات اس کی اجازت نہیں دیتے اور ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز پوری طرح حاصل نہ ہو سکتی ہو، اس کو بالکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہیے؛ بلکہ جس قدر حاصل کرنا ممکن ہو، اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے؛ چنانچہ یہ شخص اپنی مشغولیت کے اوقات میں سے کچھ لمحات فارغ کر لیتا ہے اور جس قدر اس کے مقدر میں ہوتا ہے، اعتکاف کرتا ہے اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

دوسری قسم: ان لوگوں کی ہے، جن کو اعتکاف کی اہمیت اور اس کے فوائد مخبرِ صادق (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) سے معلوم ہوتے ہیں، اور ان کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ فوائد برحق ہیں؛ چنانچہ وہ بہ امید فوائد اعتکاف کرتے ہیں، اور کامیاب ہوتے ہیں۔

تیسری قسم: عام لوگوں کی ہے، جس سے زبردستی مجبور کر کے اعتکاف کرایا جاتا ہے، وہ کشاں کشاں اعتکاف کی طرف لائے جاتے ہیں، یہ لوگ بھی محروم نہیں رہتے، اگر دنیا میں ان کو اعتکاف کے فوائد حاصل نہیں بھی ہوتے تو وہ آخرت میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۱/۷۵۷)

اعتکاف کے دو درجے، کامل اور ناقص

اعتکاف کے دو درجے ہیں: ایک درجہ تو کمال کا ہے، وہ یہ ہے کہ رمضان کی بیس تاریخ کو مغرب سے پہلے اعتکاف میں بیٹھے اور عید کا چاند دیکھ کر باہر نکلے۔ اور دوسرا درجہ اس سے کم ہے اور وہ یہ ہے کہ دس دن سے کم اعتکاف ہو؛ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اگر کامل درجہ حاصل نہ ہو تو ناقص درجہ کے حاصل کرنے سے فضیلت حاصل نہیں ہوتی، اگر اس قدر نہ ہوگی تو کچھ تو ضرور ہی ہو جائے گی۔

صاحبو! اگر دس دن ممکن نہ ہو سکے تو نو دن سہی، اس قدر بھی نہ ہو سکے تو سات دن سہی، تین دن، دو دن سہی، غرض جس قدر بھی ہو سکے اور جتنے دن بھی ہو سکے چھوڑنا نہ چاہیے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۲۱)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا معمول تھا کہ وہ کبھی پورے اخیر عشرہ کا اور کبھی تین روز کا اعتکاف فرماتے تھے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۳۶)۔ واضح رہے کہ دس دن سے کم اعتکاف کرنے کی صورت میں سنت کی ادائیگی نہ ہوگی؛ بلکہ یہ نفل اعتکاف ہوگا۔

عام معاشرے میں اعتکاف سے بے رغبتی

ان تمام فوائد کے باوجود غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آج ہمارا عام معاشرہ اس عبادت سے محروم ہوتا جا رہا ہے، رمضان المبارک میں جماعت کی نمازوں، اور تراویح وغیرہ کا تو ماشاء اللہ کچھ اہتمام ہو بھی جاتا ہے؛ لیکن سنت اعتکاف کی ادائیگی کی طرف رجحان کم دکھائی دیتا ہے، اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم عید کی تیاریوں میں اتنا وقت لگانا چاہتے ہیں کہ کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے، اور یہ سمجھتے ہیں کی اعتکاف کی وجہ سے سارے ارمان پورے نہ ہو سکیں گے، تجارت پیشہ لوگ تو اعتکاف کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے؛ اس لیے کہ یہی ان کی سال بھر کی کمائی کا وقت ہے، تو دنیا کی کمائی سے محرومی کا اتنا خیال ہے؛ مگر اس رمضان کے سیزن میں رحمتِ خداوندی کے حصول میں جو کمی رہ جاتی ہے، اس کا کوئی احساس نہیں؟ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب لوگ ایک ساتھ اعتکاف کرلیں؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہر گھرانے والے اس طرح کا نظام بنائیں کہ ان کے گھر کا ایک فرد اعتکاف کیا کرے، اگر تین بھائی ہیں تو ایک اعتکاف کرے اور بقیہ بھائی اس کی خبر گیری کریں، اگر دوکان پر کئی لوگ بیٹھنے والے ہیں تو ایک آدمی کو ہر سال اعتکاف کے لیے متعین کردیں، ان شاء اللہ اس طریقے سے اس عبادت کی قدر پیدا ہوگی اور اس کے اثرات پورے گھرانے میں محسوس کیے جائیں گے، خاص کر نوجوانوں کو اس عبادت کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، اعتکاف ان کے لیے ماہِ مبارک میں بے شمار گناہوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ بنے گا، اور ان کو دینی تربیت کا موقع میسر آئے گا، عشرۂ اخیرہ سے پہلے مساجد میں اعتکاف کے لیے باقاعدہ تشکیل ہونی چاہیے؛ تاکہ اس عظیم عبادت کی طرف عمومی رجحان ہو اور مسجدیں اعتکاف کرنے والوں سے معمور ہو جائیں، اللہ رب العزت ہمیں خصوصی توفیق مرحمت فرمائے، آمین! (کتاب المسائل: ۲/۱۰۴، ۱۰۵)

لوگوں کے ترکِ اعتکاف پر امام زہری ؒ کا اظہار تعجب

امام زہری رحمہ اللہ لوگوں کے اعتکاف نہ کرنے پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے تھے:

''لوگوں پر تعجب ہے کہ انھوں نے کیوں کر اعتکاف کو ترک کر دیا؛ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات کسی چیز کو کرتے اور ترک کر دیتے ؛لیکن اعتکاف تا وقتِ وفات ترک نہیں فرمایا'' **قال الزُّهرِيّ ؒ :عَجَبًا للنّاس!!كيف تركوا الاعتكافَ ورسول اللّٰه ـ صلى اللّٰه عليه وسلَّم ـ كان يفعل الشيء ويتركه وماترك الاعتكافَ حتى قُبِضَ.(المبسوط للسرخسي: ۳/ ۱۱٤)**

اعتکاف کا اہتمام نہ کرنے کے اثرات

اعتکاف جملہ محلے والوں پر سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے،اگر تمام محلے والوں میں سے ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے بیٹھ جائے تو جملہ محلے والوں کا ذمہ فارغ ہوجائے گا؛لیکن اگر پورے محلے میں سے کوئی ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے نہ بیٹھے تو تمام محلے والے گنہ گار ہوں گے۔**قال في مَعَارِفِ السنن :وسنَّةٌ مؤكَّدةٌ على الكفايةِ في العشرِ الأخِيْرِ من رمضانَ،فلو أدّاهُ واحدٌ من أهلِ المسجدِ ،كفى الكلَّ وإلا أثِمُوْا.(معارف السنن: ۵/ ۵۱۳،۵۱٤)**.(فتاوی حقانیہ:۴/۱۹۷)

اعتکاف سے روکنا

سوال: کوئی جاہل معتکف صاحب کو ممانعت کرے اور کہے کہ اس مسجد سے چلے جاؤ، یہاں اعتکاف کی ضرورت نہیں تو ایسے نامعقول کے لیے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً مصلیاً:

اس سے وجہ دریافت کر کے اس کا شبہ رفع کر دیا جائے ،اگر وہ محض عناداً کہتا ہو تو اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں،اس کا شرعی حکم آپ نے خود ہی لکھ دیا کہ جاہل نامعقول

ہے۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۲۵)(۱)

غیر اللہ کے لیے اعتکاف ومجاورت کی حرمت

اعتکاف ایسی عبادت ہے، جو محض اللہ کے لیے مسجد میں مخصوص ہے، غیر اللہ کے لیے اور مسجد کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر مثلاً مزار پر حرام ہے۔جس طرح طواف ،رکوع اور سجود غیر اللہ کے لیے حرام ہے،اسی طرح اگر کسی نے غیر اللہ کے لیے اعتکاف کیا اور اس کی نذر مانی تو بھی حرام ہے۔اسی طرح قبروں پر کسی بزرگ کے مزار پر اعتکاف کرنا اور اس نیت سے ایک دو دن یا ہفتہ بھر قیام کرنا حرام ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مسجدِ حرام کے اعمال میں اعتکاف کو بھی ذکر کیا ہے۔﴿**أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ**﴾ (الآية:البقرة : ۱۲۵)

اسی طرح قبروں کی مجاورت بھی درست نہیں ۔احکام القرآن میں علامہ جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے مجاورت کا مفہوم بھی اسی میں شامل کیا ہے۔ (۱/۹۴)علامہ قرطبیؒ نے ''**الجامع لأحكام القرآن**'' میں'' **العاكفون**'' کے معنیٰ'' **المجاورون**''نقل کیا ہے؛لہٰذا اعتکاف کے ساتھ مجاورت بھی اللہ کے ساتھ مسجد میں خاص ہوگی ،بعض جاہل صوفیاء جو مزاروں پر اعتکاف کی طرح قیام کرتے ہیں،اس کے ناجائز ہونے میں شبہ نہیں ؛چنانچہ ''بدائع الصنائع'' میں ہے۔**ولأنه عبادة؛لمافيه من إظهارِ العُبُوْدِيَّةِ لِلّٰه تعالىٰ بمُلَازَمَةِ الأمَاكِنِ المنسُوبةِ إليه.(بدائع الصنائع: ۲/ ۲۷۳)**

---

(۱)قال تعالیٰ:﴿**وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَاللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُه**﴾ الآية(البقرة: ۱۱٤).اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس آیت میں خاص بیت المقدس کا نام لینے کے بجائے ،مساجد اللہ فرما کر تمام مساجد پر اس کے حکم کو عام کر دیا گیا۔اور آیت کا مضمون یہ ہوگیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی مسجد میں لوگوں کو اللہ کا ذکر کرنے سے روکے یا کوئی ایسا کام کرے،جس سے مسجد ویران ہوجائے تو وہ بہت بڑا ظالم ہے۔........دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں،وہ سب ناجائز وحرام ہیں''۔(معارف القرآن:۱/۲۴۲)۔

اس تفسیر سے اعتکاف سے روکنے والے کا جاہل اور نامعقول ہونا واضح ہوگیا۔

اسی طرح بحر العلوم کے ''رسائل الارکان'' میں ہے: قال قومٌ من الصُّوفِيَّةِ: لايُشترطُ المسجدُ للاعتكاف؛ لأنَّ الاعتكافَ اعتزالٌ لعبادةِ اللّٰهِ تعالٰى ولا تَخْصِيْصَ له بالمسجدِ ونحن نقول: الاعتزالُ أمرحسنٌ، فمن اعتزل لعبادةِ اللّٰهِ تعالٰى ولو في الصحراء أوبالبيْتِ يكون مُثاباً ونحن لا نَمْنَعُ ذلك؛ لكن كلامُنافي الاعتكاف الَّذي هوعبادةٌ في ذاتِه ما هو؟ فنقولُ: هذه العبادةُ المقَرَّرَةُ في الشَّرعِ المسمَّاةُ بالاعتكاف لايكون إلّا في مسجدِ جماعةٍ. (رسائل الأركان: ۲۲۹). (آداب الاعتکاف: ۴۷، ۴۸)

اعتکاف کا سبب اور اس کا حکم

اعتکاف اگر واجب ہے تو اس کا سبب نذر ہے، اور اگر اعتکاف نفل ہے تو اس کا سبب، وہ نشاط ہے جو ثواب کی طرف لے جانے والا ہے۔ اگر اعتکاف واجب ہے تو سقوطِ واجب، اور اگر اعتکاف نفل ہے تو حصولِ ثواب اعتکاف کا حکم ہے۔ ففي المرَاقي: وسببه النذرُفي المنذور، والنشاطُ الداعِيْ إلٰى طلب الثواب في النَفْل. وحُكمه سقوط الواجب، ونَيْلُ الثواب إن كان واجباً، وإلافا لثَّاني. (مراقي الفلاح: ۷۰۰)

اعتکاف کی قسمیں

حنفیہ کے نزدیک اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اعتکافِ واجب: وہ اعتکاف ہے، جو نذر کرنے یعنی منت ماننے سے واجب ہوگیا ہو (واضح رہے کہ کسی عبادت کے انجام دینے کا دل دل میں ارادہ کر لینے سے نذر نہیں ہوتی؛ بلکہ نذر کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا ضروری ہے، صرف دل کا ارادہ کافی نہیں، نیز زبان سے صرف ارادہ کا اظہار کافی نہیں؛ بلکہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا جملہ استعمال کرے، جس کا مفہوم یہ نکلتا ہو کہ میں نے اعتکاف کو اپنے اوپر لازم کرلیا) اسی طرح مسنون کو جب فاسد کردیا جائے تو اس کی قضاء واجب ہوجاتی ہے۔ قال في الخَانِيَّةِ: يجِب بالنَّذرِ، والتعليقِ بالشَّرطِ، والشروعِ فيه

اعتباراً بسائرالعبادات. (الخانية على الهندية: ۱/۲۲۱)

(۲) اعتکافِ مسنون: وہ اعتکاف ہے جو صرف رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اکیسویں شب سے عید کا چاند دیکھنے تک کیا جاتا ہے؛ چونکہ نبی کریم ﷺ ان دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے؛ اس لیے اس کو اعتکافِ مسنون کہتے ہیں۔ یہ سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی ایک بستی یا محلے میں کوئی ایک شخص بھی کرلے تو تمام اہلِ محلّہ سے سنت ادا ہوجائے گی؛ لیکن اگر پورے محلے میں سے کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا تو تمام محلّہ والوں پر ترکِ سنت کا گناہ ہوگا۔ وسنَّةٌمؤكدةٌعلى الكفاية في العَشْرِالأخيرمن رمضانَ، فلوأدَّاه واحدٌ من أهل المسجدِ، كَفَى الكلَّ وإلا أثِمُوْا. (معارف السنن: ۵/۵۱۳، ۵۱۴)۔

(۳) اعتکافِ نفل: وہ اعتکاف ہے جو کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے؛ اس کے لیے نہ کوئی وقت ہے، نہ ایام کی مقدار ہے، جتنے دن کا جی چاہے کرلے؛ حتی کہ اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی نیت کرلے، تب بھی جائز ہے؛ البتہ کمی میں اختلاف ہے، اعتکافِ نفل کا کم سے کم زمانہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دن ہے، امام مالکؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دن کا اکثر حصہ ہے، جبکہ امام محمدؒ اور شافعیؒ کے نزدیک ایک ساعت ہے، امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے، اور یہی راجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ وأقله نفلاًساعةً من ليلٍ أونهارٍعند محمد ـ رحمه اللّٰه تعالٰى ـ وهو ظاهرُ الرِّوايةِعن الإمام؛ لِبناءِ النَفْلِ على المُسَامَحَةِ، وبه يُفْتٰى. (درمختار: ۳/۴۳۳) وفي البحر: وأقلُّه نفلاًساعة؛ لقول محمدفي الأصل: إذادخل المسجد بنيَّة الاعتكافِ فهو مُعْتَكِفٌ ما أقام تاركٌ له إذاخرج فكان ظاهرَ الرِّواية. (البحر الرائق: ۲/۵۲۵) چنانچہ جتنا وقت بھی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہر جائے اعتکاف ہوجائے گا؛ اس لیے ہر شخص کے لیے مناسب ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے اتنے نماز میں مشغول رہے، اعتکاف کا ثواب بھی ملتا رہے۔ فينبغي لكل جالسٍ في المسجدِلانتظارِ الصَّلاةِأو لشُغْلٍ آخرَ من آخرةٍ أوْدنياأن ينويَ الاعتكافَ، فيُحْسَبُ له ويُثَابُ عليه ما لم يخرج من

المسجد، فإذاخرج ثم دخل جَدَّدَ نِيَّةً أخرىٰ.(حاشية مسلم للنووي: ۱/ ۳۷۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ فضائل رمضان میں لکھتے ہیں:

’’میں نے اپنے والد صاحب نوراللہ مرقدہ کو ہمیشہ اس کا اہتمام کرتے دیکھا کہ جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو دایاں پاؤں اندر داخل کرتے ہی اعتکاف کی نیت فرماتے تھے، اور بسا اوقات خدام کی تعلیم کی غرض سے آواز سے بھی نیت فرماتے تھے‘‘

(فضائل اعمال:۶۱۳،حاشیہ درس ترمذی:۶۳۰/۲،۶۳۱، جواہر الفتاویٰ:۲۶،۴۵،فتاویٰ محمودیہ:۲۱۹/۱۰،آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۱۴/۳)

واجب اور مسنون اعتکاف کے صحیح ہونے کے تفصیلی شرائط

واجب اور مسنون اعتکاف اسی وقت صحیح اور معتبر ہوگا، جب کہ اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں:

(۱)مسلمان ہونا۔(لہذا کافر کا اعتکاف معتبر نہیں)

(۲)عاقل وبالغ ہونا۔(لہٰذا پاگل اور بچہ کا اعتکاف معتبر نہیں) پاگل نیت نہیں کر سکتا اورنابالغ اگر عقلمند ہے تو اس کا اعتکاف معتبر ضرور ہے، مگر اس کا اعتکاف نفل ہوگا۔

(۳)نیت ہونا۔(لہٰذا بلا نیت مسجد میں ٹھہرنا،اعتکاف نہیں کہلائے گا)

(۴)مرد کا ایسی مسجد میں اعتکاف کرنا، جس میں نماز باجماعت کے لیے امام اور مؤذن باقاعدہ موجود ہوں۔(لہٰذا ویران مسجد میں تنہا اعتکاف معتبر نہ ہوگا)۔

(نوٹ)اعتکاف کے لیے اذان اور نماز باجماعت کا ہونا شرط ہے یا نہیں؟اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

(۵)معتکف کا روزہ دار ہونا۔(لہٰذا بغیر روزہ کے واجب اور مسنون اعتکاف معتبر نہ سمجھا جائے گا)

(۶)معتکف کا جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا(لہٰذا حدثِ اکبر کے ساتھ مسجد میں اعتکاف کرنا، ہرگز درست نہ ہوگا)أما شروطه فمنها: النِيَّةُ........،ومنها:

مسجدُ الجماعة، فيصحُّ في كل مسجدٍ لهُ أذانٌ وإقامةٌ هو الصحيح......ومنها:الصومُ، وهوشرط الواجب منه، والإسلامُ، والعقلُ، والطهارةُ عن الجنابة والحيض والنفاس.(الهندية :۱/ ۲۱۱، مراقي الفلاح :۳۸۱ .۳۸۲،البحر الرائق: ۲/ ۵۲۲، تبيين الحقائق: ۲/ ۲۲۲)هو لُبْثُ ذَكَرٍ ولو مُمَيِّزاً في مسجدِ جماعةٍ،هو ماله إمامٌ ومؤذنٌ أُدِّيَتْ فيه الخَمْسُ أوْلاَ.(در مختار: ۳/ ۴۲۸، ۴۲۹)۔(کتاب المسائل:۱۰۶۔۱۰۷)

اعتکاف ختم (مکمل) کب ہوتا ہے؟

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں،ان کے مکمل ہونے کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔اعتکاف نفل کی ادنی مقدار چونکہ ایک ساعت ہے،لہٰذا جب تک مسجد میں رہے گا، اعتکاف کی حالت میں ہوگا اور جب مسجد سے باہر آجائے گا تو اس کا اعتکاف ختم (مکمل) ہو جائے گا۔

۲۔مسنون اعتکاف شوال یعنی عیدالفطر کا چاند نظر آتے ہی ختم (مکمل) ہوجائے گا اور اگر بلا ضرورت مسجد سے باہر نکل آیا،ضرورت سے زائد مسجد سے باہر رہا تو اس صورت میں بھی اس کا اعتکاف ختم (فاسد) ہوجائے گا اور اس صورت میں بھی اس پر ایک دن کی قضاء لازم ہوگی۔

۳۔اور واجب یعنی نذر کا اعتکاف ایّامِ نذر مکمل ہونے پر ختم یعنی مکمل ہوجائے گا اور اگر ان ایام سے قبل مسجد سے باہر بلاضرورت نکلا یا ضرورت سے زائد باہر رہا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔(آئینۂ رمضان:۲۲۴)

کوڑھی، اندھا، بےنمازی، بےروزہ دار، حاملہ وغیرہ کا اعتکاف کرنا

اعتکاف میں ہر مسلمان بیٹھ سکتا ہے؛البتہ واجب اور عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے؛اس لیے بے روزہ دار اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا،اسی طرح جس سے تلویثِ

مسجد کا اندیشہ ہو، یا جس سے لوگوں کو گھن آتی ہو، اسے بھی مسجد میں اعتکاف نہیں کرنا چاہیے، مخنث بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے؛ لیکن اس کو چاہیے کہ پردہ میں اس طرح بیٹھے کہ اختلاط کی نوبت نہ آئے، عورت کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے، اس کو چاہیے کہ وہ مسجدِ بیت (گھر میں وہ جگہ، جس کو اس نے نماز کے لیے خاص کر رکھا ہے) میں اعتکاف کرے، حاملہ کو اگر یقین ہو کہ دس دن میں ولادت نہ ہوگی تو وہ اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہے۔

خنثیٰ مشکل کا اعتکاف ''مسجدِ بیت'' میں

خنثیٰ مشکل کا اعتکاف اس کے گھر میں درست ہے یا نہیں؟ بظاہر حکم یہ ہے کہ اس کا اعتکاف گھر کی مسجد میں صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ خنثیٰ میں مذکر ہونے کا احتمال ہے؛ اس لیے کہ اس کے مؤنث ہونے کے اعتبار سے اس کا اعتکاف مسجد میں کراہت کے ساتھ درست ہے اور اس کے مذکر ہونے کے اعتبار سے گھر میں اس کا اعتکاف کسی طرح درست نہیں ہے۔ وهل يصحُّ مِنَ الخُنْثٰى في بيتِه؟ لَمْ أَرَهُ، والظَّاهِرُ لا، لِاحتمالِ ذُكُوْرِيّتِه. (درمختار) وفي الشامي: لأنّه على تقدير أُنُوْثَتِهِ، يصحُّ في المسجدمع الكراهةِ، وعلىٰ تقديرِ ذُكُوْرَتِهِ لا يصحُّ فِيْ البَيْتِ بِوَجْهٍ. (شامي: ۳/ ۴۲۹)۔ (آئینۂ رمضان: ۲۸۴)

کس عمر کے لوگوں کو اعتکاف کرنا چاہیے؟

سوال: عام تأثر یہ ہے کہ اعتکاف میں صرف بوڑھے اور عمر رسیدہ افراد کو ہی بیٹھنا چاہیے، اس خیال میں کہاں تک صداقت ہے؟

جواب: یہ خیال بالکل غلط ہے، اعتکاف میں جوان اور بوڑھے سب بیٹھ سکتے ہیں؛ لہٰذا سبھی کو بیٹھنا چاہیے، بالعموم بوڑھے چونکہ فارغ رہتے ہیں؛ اس لیے زیادہ تر وہ اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ منها: الإسلامُ والعقلُ..... وأما البلوغُ فليس بشرطٍ؛ لصحةِ الاعتكافِ فيصحُّ من الصَّبِيِّ العاقلِ ولاتُشْتَرَطُ الذُّكورةُ والحُرِّيَّةُ، فيصحُّ من المرأةِ والعبدِ بإذنِ المولىٰ والزوجِ إن كان لها زوجٌ. (الهندية: ۱/ ۲۱۱)

مدرّس اعتکاف کرسکتا ہے یا نہیں؟

بچوں کو علمِ دین سکھانا بہت ہی ضروری ہے؛ اس لیے اعتکاف کرنے سے بچوں کی تعلیم کا نقصان ہوتا ہو تو ایسے شخص کے لیے اعتکاف نہ کرنا بہتر ہے؛ اس لیے کہ حالتِ اعتکاف میں تعلیم دینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں۔ (فتاوی دینیہ: ۸۵)

جس شخص کے بدن سے بدبو آتی ہو، اس کا اعتکاف کرنا

سوال: (۱) ایک شخص کو پیدائشی ناک کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے بدبو آتی رہتی ہے، علاج ومعالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو ایسے شخص کا اعتکاف میں بیٹھنا کیسا ہے؟

(۲) اور ایسا شخص نمازِ پنجگانہ کے لیے مسجد میں جائے یا نہیں؟ دوسرے مصلی اس چیز کو برداشت کرنے پر خوش ہوں؛ بلکہ اس کی عدم حاضری سے ان کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر بھی احترامِ مسجد کے خیال سے اس کو مسجد میں جانا چاہیے یا نہیں؟ بيّنوا توجروا۔

الجواب: حدیث میں ہے کہ جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ ایذاء پاتے ہیں۔ (بخاری شریف رقم: ۸۵۳ وغیرہ) یہ حدیث معلل ہے بایذاء انسان وملائکہ؛ اس لیے جس کے جسم کے کسی حصہ کی بو سے لوگوں کو ناگواری اور اذیت ہوتی ہو تو اسے مسجد میں نہیں آنا چاہیے، اور اعتکاف میں نہیں بیٹھنا چاہیے، وسیلۂ احمدیہ شرح طریقۂ محمدیہ میں ہے:

قال الفقهاءُ: وكلُّ من وُجِدَ فيه رائحةٌ كريهةٌ، يَتَأَذّٰى به الإنسانُ، يَلزمُ إخراجُه. (یعنی فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کے بدن میں ایسی ناگوار بو پائی جائے، جس کی وجہ سے آدمیوں کو اذیت ہو تو اسے نکال دینا چاہیے) (از: اسلام کا نظام مساجد: ۲۱۹)۔

بدبو اور ناگواری تکلیف دہ حد تک پہنچی ہوئی ہو؛ لیکن احباب اسے برداشت کر لیتے ہوں یا عادی بن گئے ہوں؛ تاہم اسے مسجد میں آنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ مسجد جائے حضوریٔ ملائکہ ہے، ان کو اور دوسرے لوگوں کو اذیت ہوگی۔ قال في الشامي: وأيضاً هنا

علّتان: أذى المسلمينَ، وأذى الملائكةِ، فبالنَّظر إلى الأُولٰى يُعْذَرُفي ترك الجماعة، وحضورِ المسجد، وبالنَّظرِ إلى الثّانية يُعْذَرُ في تركِ حضورِ المسجدِ و لو كان وحدَه. (شامي: ۲/ ۴۳۵، ۴۳۶)؛ البتہ اگر بدبو خفیف ہو، تکلیف دہ اور ناگواری کی حد تک نہ ہو تو نمازِ پنجگانہ کے لیے دافعِ بدبو (عطر وغیرہ) لگا کر جائے۔ فقط والله أعلم بالصواب. (فتاوی رحیمیہ: ۷/ ۲۸۴)

خروج ریح کے مریض کا اعتکاف

جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے، اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے، قال رسول الله صلى الله عليه وسلَّمَ: من أكل من هذه الشجرة المُنْتِنَةِ فلا يَقْرُبَنَّ مسجدَنَا؛ فإنَّ الملائكة تَتَأذّٰى ممَّا يتأذى منه الإنسُ. (البخاري/الأذان/ماجاء في الثوم: ۱/ ۱۱۸ رقم: ۸۵۴، المسلم: المساجد/نهْيُ من أكَلَ ثُوماً أو بَصلا: ۱/ ۲۰۹ رقم: ۵۶۴/ ۷۲، كما في المشكوة: ۱/ ۶۸) جس کا یہ حال ہو کہ اس کو ریاح سے نجات نہ ہو تو اس کو احترامِ مسجد کے پیشِ نظر اعتکاف سے احتیاط برتنی چاہیے، خاص کر جب کوئی دوسرا اعتکاف کرنے والا موجود ہو؛ کیونکہ اس میں مسجد کی بے احترامی ہے، اور اس سے اجتناب زیادہ اہم ہے۔ (کتاب الفتاوی: ۳/ ۴۵۷)

قرآن شریف مکمل نہ کرنے والے کا اعتکاف کرنا

سوال: ایک شخص جس نے قرآن شریف مکمل نہیں کیا، یعنی چند پارے پڑھ کر چھوڑ دیے مجبوری کے تحت، کیا وہ شخص اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے؟

جواب: ضرور بیٹھ سکتا ہے، اس کو قرآن مجید بھی ضرور مکمل کرنا چاہیے، اعتکاف میں اس کا بھی موقع ملے گا۔ ومنها: الإسلام والعقل .....وأما البلوغ فليس بشرط لصحةِ الاعتكاف، فيصحُّ من الصّبيِّ العاقلِ ولاتشترطُ الذُّكورةُ والحريةُ فيصحُّ من المرأةِ والعبدِ بإذنِ المولٰى والزوج إن كان لها زوج. (الهندية: ۱/ ۲۱۱). (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۳۱۶)

مشرک کے لیے اعتکاف میں بیٹھنے کا حکم

اعتکاف عبادت ہے جو بغیر اسلام کے ادا نہیں ہوتی؛ لہٰذا غیر مسلم اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا۔ (اس کا بیٹھنا لغو ہے) والنيَّةُ من مسلمٍ عاقلٍ طاهرٍ (در مختار) وفي الشامي: لأنَّ النيَّةَ لا تصحُّ بدون الإسْلامِ. (در مختار مع شامي: ۳/ ۴۳۰)

رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا حکم

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ وسنةُ كفايةٍ مؤكدةٍ في العَشْرِ الأخِيْرِ من رمضانَ ......(مراقي الفلاح: ۷۰۰)۔ (کتاب المسائل: ۲/ ۱۰۵، فتاوی دارالعلوم: ۶/ ۵۰۷، عزیز الفتاوی: ۳۹۴، امداد الاحکام: ۳/ ۱۴۶، فتاوی محمودیہ: ۱/ ۲۶۷)

سنتِ مؤکَّدہ: وہ ہے جس کو نبی ﷺ یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہمیشہ کیا ہو، اور بغیر کسی عذر کے ترک نہ کیا ہو؛ لیکن نہ کرنے والے پر کسی قسم کی زجر وتنبیہ نہ کی ہو، اس کا حکم بھی عمل کے اعتبار سے واجب کا ہے۔

علی الکفایہ کا مفہوم: محلّہ یا بستی کے کسی شخص نے ادا کر دیا تو سب کی جانب سے واجب ساقط ہو گیا، ہر شخص پر فرضِ عین کی طرح علیحدہ علیحدہ واجب نہیں۔ (آداب الاعتکاف: ۴۹)(۱)

(۱) بعض حضرات نے کفایہ اور عین میں فرق اس طور پر کیا ہے کہ جس امر کا مقصود، مامور بہ کو پورا کرنا ہو، وہ کفایہ ہے اور جس امر سے مقصود مامور و مامور بہ دونوں ہوں وہ عین ہے۔ قوله فرضُ كفايةٍ عَرَّفَهُ في شرح التحرير بالمُتَحَتِّمِ، المَقْصُوْدُ حصولُه من غير نظرٍ بالذَّات إلى فاعِلِهِ ....وفرضُ العَيْنِ؛ لأنه مَنْظُوْرٌ بالذات إلى فاعله. (شامي: ۱/ ۱۲۶)

اعتکاف کے مسنون ہونے کی دلیل

﴿وَ لَاتُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِيْ الْمَسَاجِدْ﴾(الآية: ١٨٧)

ترجمہ: (تم اپنی بیوی سے مباشرت مت کرو، جس وقت تم مسجد میں معتکف ہو) اس آیت سے اعتکاف کا سنّت ہونا معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ اصل یہی ہے کہ جو چیزیں فرض اور واجب نہیں ہیں، ان کے صرف آداب قرآن میں مذکور ہیں۔

اس آیت میں اعتکاف کے آداب تو بتلائے، مگر اس کے فرض اور واجب ہونے سے سکوت فرمایا، اس میں اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اعتکاف واجب نہیں؛ ورنہ اور ماموارات اور واجبات کی طرح اس کے لیے بھی وجوب کا صیغہ استعمال فرماتے، مگر اس کے آداب واحکام کے ذکر فرمانے سے اس کا مہتم بالشّان ہونا بھی قرآن میں مذکور ہے، اور حضور ﷺ نے اعتکاف فرمایا، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، آپ ﷺ کا فعل سنّت ہونے کو بتلاتا ہے، اور واجب نہ ہونا قرآنی سیاق سے معلوم ہو چکا، پس اعتکاف کا سنّت ہونا، اس طرح قرآن سے ثابت ہو چکا؛ اس لیے محققین کا مذہب ہے کہ اعتکاف سنّت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۱۷)

''اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے'' کا مطلب

محققین کے نزدیک اعتکاف سنّت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اگر ایک کرلے تو سب کے سر سے بوجھ اتر جائے گا، ایک کرلے تو اس کی برکت دوسروں کو بھی پہنچ جائیگی اور وہ بھی محروم نہ رہیں گے، جیسے بہت سے لوگوں کی برکت سے ایک کو نوازا جاتا ہے، ویسے ہی ایک کی برکت سے بہت سے لوگ بھی نوازے جاتے ہیں، معتکف تو ایک ہے اور اس کی برکت پورے گاؤں والوں کو پہنچ رہی ہے، یہی مطلب ہے سنّتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہونے کا، اور اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ ایک پر سب کا بوجھ لد جائے گا؛ بلکہ ایک کی برکت سے سب کا بوجھ اتر جائے گا۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۱۸)

کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزہ ضروری ہے؟

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف جو مسنون ہے، اس کے لیے روزہ شرط ہے؛ اس لیے کہ سنت اعتکاف رمضان کے اخیر عشرہ سے متعلق ہے، اگر کسی نے بغیر روزے کے اعتکاف کیا تو یہ اعتکاف مسنون نہ ہوگا؛ البتہ اگر ایک دن روزہ نہ رکھا تو صرف ایک دن کے اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی۔ ومُقْتَضٰى ذلكَ، أنَّ الصَّومَ شرطٌ أيضاً في الاعتكافِ المسنونِ؛ لأنه مُقَدَّرٌ بالعَشْرِ الأخِيْرِ، حتّٰى لوِاعْتَكَفَ بلا صومٍ لمرضٍ أوسفرٍ ينبغي أن لا يصِحَّ عنه ؛بل يكونُ نفلاً، فلاتحصلُ به إقامةُسنةِ الكفايةِ ويُؤَيِّدُه قولُ الكنزِ: سُنَّ لُبْثٌ في مسجدٍ بصومٍ ونيةٍ فإنَّه لايمكن حملُه عَلٰى المنذورِ؛ لتصريحِهٖ بِالسُّنِّيَّةِ ولا على التَطَوُّعِ؛ لقوله بعدَه"وأقله نفلاًساعةً"فتعَيَّنَ حملُه على المسنونِ سنةً مؤكدةً، فيَدُلُّ على اشتراطِ الصومِ فيه. (شامي: ٣/ ٤٣١). (فتاوی محمودیہ:۲۲۰/۱۰، فتاوی رحیمیہ:۲۷۶/۷، خیر الفتاوی: ۱۳۸/۴، کتاب الفتاوی:۴۵۴/۳، فتاوی عثمانی:۱۹۴/۲)۔ اعتکافِ مسنون میں تو روزہ ہوتا ہی ہے، اس کے واسطے شرط کرنے کی ضرورت نہیں۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۳۹) غالباً علامہ شامیؒ کے قول " لأنه مقدَّرٌ بالعشرِ الأخيرِ" کا مطلب یہی ہے۔

روزہ کے فاسد ہونے سے اعتکاف کا حکم

اعتکافِ مسنون اور واجب دونوں کے لیے روزہ رکھنا چونکہ شرط ہے؛ اس لیے اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اعتکاف بھی باقی نہیں رہتا؛ البتہ اگر بلا صوم اعتکاف میں بیٹھا رہا تو نفلی اعتکاف شمار ہوگا۔ ومُقْتَضٰى ذلك، أنَّ الصَّومَ شرطٌ أيضاً في الاعتكاف المسنون ؛لأنَّه مقدَّرٌ بالعشر الأخير؛ حتى لَوِاعْتَكَفَ بلا صومٍ لمرضٍ أو سفرٍ ينبغي أنْ لا يصحَّ عنه؛ بل يكون نَفْلاً.(شامي: ٣/ ٤٣١). (فتاوی حقانیہ:۱۹۶/۴، فتاوی عثمانی:۹۴/۲)

معتکف کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا

اعتکافِ مسنون میں روزہ شرط ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص روزہ نہ رکھے تو اعتکاف مسنون ادا نہ ہوگا. ومُقْتَضٰى ذلك أن الصَّومَ شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنَّه مقدَّر بالعشر الأخير؛ حتى لَو اعْتَكَفَ بلا صومٍ لمرضٍ أو سفرٍ ينبغي أنْ لا يصحَّ عنه؛ بل يكون نَفْلاً. (شامي: ۳/ ۴۳۱) ۔البتہ اگر کوئی شخص نماز ترک کرے تو ترکِ فرض کی وجہ سے سخت گنہ گار ہوگا؛ لیکن اس کا اعتکاف ادا ہو جائے گا۔ قرَأَ القرآنَ ولم يعمَلْ بِمُوْجَبِه، يُثابُ على قراءته، وإن كان يأثَمُ بتَرْكِ الْعَمَلِ، فالثوابُ من جِهَةٍ والإثمُ من أُخْرىٰ. (شامي: ۹/ ۵۷۰) ۔(مستفاد فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۲۸۳)

اعتکاف کی حالت میں عمداً روزہ توڑ دینا

اگر بحالتِ اعتکاف قصداً کھا پی کر روزہ توڑ دیا، تو روزے کے ساتھ اس کا اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا اور اگر بھول کر کھایا، پیا تو نہ روزہ ٹوٹا اور نہ اعتکاف۔ ولَو أكَلَ أوْ شَرِبَ في النهار عامِداً، فسد صومُه وفسد اعتكافُه لفساد الصوم، ولو أكَلَ ناسياً، لايفْسُدُ اعتكافُه؛ لأنَّه لايفْسُدُ صومُه. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۸۶، و مثله في الدُّرِّ المختار: ۳/ ۴۴۳). (کتاب المسائل: ۲/ ۱۱۹)

اعتکاف اور صوم میں قصداً اور سہواً کا فرق

جو اعمال مفسداتِ صوم میں سے ہیں، ان میں قصداً اور سہواً کرنے کے حکم میں فرق ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور جو اعمال خاص طور پر مفسداتِ اعتکاف میں سے ہیں، مثلاً: جماع وغیرہ، ان میں قصداً اور سہواً دونوں کا حکم یکساں ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر روزہ دار معتکف نے دن کے وقت میں سہواً جماع کیا تو روزہ تو نہ ٹوٹے گا؛ لیکن اعتکاف ضرور ٹوٹ جائے گا۔ والأصل أنَّ ما كان من محظُورات الاعتكاف وهُوَ مَا مُنِعَ عنهُ

لأجَلِه، لا لأجَلِ الصَّوم لايَخْتَلِفُ فيه الْعَمَدُ، والسَّهْوُ، والنَّهارُ، واللَّيْلُ كالجِماعِ والخُرُوْجِ، وما كان من محظوراتِ الصَّومِ وَهُوَ مَامُنِعَ عنه لأجَلِ الصَّومِ يَخْتَلِفُ فيه الْعَمَدُ، والسَّهْوُ، والنَّهارُ، واللَّيْلُ كالأكْلِ، والشُّربِ. كذا في البدائع. (الهندية: ۱/ ۲۱۳)

مسنون اعتکاف کی نیت

مسنون اعتکاف کی اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ "میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا مسنون اعتکاف کرتا ہوں". قال في البزَّازيَّة: والنِّيَّةُ المَشْرُوْعَةُ انبعاثُ القلب علىٰ شأنِ أن يكونَ لِلّٰه تعالىٰ. (البزَّازيَّة على الهندية: ۴/ ۱۰۵)۔(آداب الاعتکاف: ۵۶)۔واضح رہے کہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے. فمنها: النِّيَّةُ؛ حتّٰى لو اعْتَكَفَ بلا نِيَّةٍ لايجوزُ بالإجماعِ. (الهندية: ۱/ ۲۱۱) وفي الأشباه: وأما الاعتكاف فَهِيَ (أي النِّيَّةُ) شرطُ صحَّتِهِ واجباً كان أو سنَّةً أو نفلاً. (الأشباه والنظائر: ۱/ ۸۱)

اعتکافِ مسنون کی مدت

اعتکافِ مسنون میں داخل ہونے کا وقت، بیسواں روزہ پورا ہونے کے بعد، دن غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے ہے، اور رمضان کی ۲۹، یا ۳۰ تاریخ کو جس وقت عید کا چاند نظر آ جائے، اس وقت تک ہے، اگر سورج غروب ہونے سے پہلے عید کا چاند نظر آ گیا تو غروبِ آفتاب تک اعتکاف میں بیٹھنا ضروری ہے۔ والمشهور عند مشائخِنا أن يَدخُلَ المعتكفُ بعد العصر قبل غروب الشمس من اليوم العشرين من شهر رمضانَ؛ لِيَدْخُلَ اللَّيْلَةَ الحاديةَ و العشرينَ في الاعتكاف. (رسائل الأركان: ۱۲۰) وقال الشافعي: إذا أراد أن يعتكفَ العشرَ الأواخِرَ دَخَلَ قبل الغروب، فإذا أهلَّ هلالُ شوَّالٍ، فقد أتَمَّ العَشْرَ وهو قولُ أبِيْ حنيفةَ وأصحابِه. (الاستذكار: ۱۰/ ۲۹۷). (جواہر الفتاویٰ: ۳۱، مسائل اعتکاف: ۲۰)

نوٹ: اعتکافِ مسنون کرنے والے پر لازم ہے کہ بیسویں روزے کے دن غروبِ آفتاب سے پہلے، متعلقہ سامان لیکر مسجد میں پہنچ جائے؛ تاکہ غروبِ آفتاب اس کے مسجد میں ہوتے ہوئے ہوجائے، اگر سامان کی تیاری میں دیر لگے تو خود غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں پہنچ جائے، سامان بعد میں دوسرے کے ذریعہ لایا جائے۔(جواہر الفتاوی:۳۱)

غروبِ آفتاب کے بعد مسجد میں آنا

غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے اعتکاف کی جگہ میں آجانا چاہیے؛ کیونکہ عینِ غروب کے وقت مہینہ ختم ہونے پر اعتکاف ختم ہوجائے گا، پس اگر کوئی ۲۰/تاریخ کو بعد غروب بنیتِ اعتکاف مسجد میں آیا تو جس قدر دیر کر کے آیا ہے، اتنا وقت ایک عشرہ میں سے کم ہوجائے گا، اور عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے؛ لہذا اس صورت میں عشرۂ اخیرہ کا پورا اعتکاف نہ ہوا، اور وہ سنت پوری ادا نہ ہوئی۔ وكلُّ من يُريدُ أن يَتِمَّ له اعتكافُ العشرِ، لَزِمَهُ أنْ يدخُلَ المسجدَ مُعْتكِفاً قُبَيْلَ غروبِ الشَّمسِ من العِشرينَ وإلا لم يَتِمَّ له العشرُ؛ فإنَّ اللَّيالِيَ الماضِيَةَ لاحِقَةٌ بالأيَّامِ التَّالِيَةِ. (معارف السنن: ۵/۵۱۷) وَهُوَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدةٌ كفايةٌ في العشرِ الأواخرِ من رمضانَ على سبيلِ الاستيعابِ. (الإنصاف في حكم الاعتكاف: ۱۹) (فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۶۶، فتاوی دارالعلوم:۶/۵۰۶)

اور آداب الاعتکاف میں ہے:

> ’’عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں مغرب کے بعد داخل ہوا یا غروب آفتاب کے کچھ دیر بعد نیت کی تو یہ مسنون اعتکاف نہ ہوگا؛ بلکہ مستحب ہوجائے گا۔(آداب الاعتکاف:۵۵)

اکیسویں شب میں اعتکاف میں بیٹھے تو کیا حکم ہے؟

سوال: جو شخص اکیسویں شب کو سحری کھا کر صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہو، اس کا اعتکاف صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سنت یہ ہے کہ بیسویں تاریخ کو غروب سے پہلے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے؛ لیکن اگر اس کے بعد کسی وقت میں بھی نیت کر کے مسجد میں داخل ہوجائے، تب بھی صحیح ہے؛ لیکن عشرۂ کاملہ کی فضیلت اس صورت میں حاصل نہ ہوگی، نبی کریم ﷺ نے عشرۂ کاملہ کا اعتکاف کیا ہے، جو کہ بیسویں تاریخ کی شام ہی سے پورا ہوسکتا ہے۔ غرض کہ صورتِ مسئولہ میں یہ اعتکاف صحیح ہوگیا؛ لیکن یہ اعتکاف مسنون نہیں؛ بلکہ اعتکاف نفل ہوگا۔(فتاوی دارالعلوم :۶/۵۰۷، مسائل اعتکاف:۲۰)

ایک روایت سے فجر کی نماز کے بعد اعتکاف میں بیٹھنے پر استدلال اور اس کا جواب

ترمذی شریف وغیرہ میں مذکور حدیث: عن عائِشةَ رضي الله عنها قالت: كان رسول لله -صلى الله عليه وسلَّم- إذا أراد أن يعتكِفَ صلَّى الفَجْرَ، ثُمَّ دَخَلَ فِيْ مُعْتَكَفِه (الترمذي/الصوم ماجاء في الاعتكاف: ۱/۱٦٤ رقم: ۷۹۱ وأبو داؤد/الصيام/الاعتكاف: ۱/۳۳٤ رقم: ۲٤٦٤)

’’یعنی آنحضرت ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے اور پھر اپنے معتَکف میں داخل ہوتے‘‘ اس حدیث سے استدلال کر کے امام اوزاعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کی ابتداء اکیس تاریخ کی فجر سے ہوتی ہے، امام زفرؒ کا قول بھی یہی ہے، امام احمدؒ اور امام لیثؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، شافعیہ میں سے ابن المنذرؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے؛ لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اعتکاف کی ابتداء اکسویں شب سے ہوتی ہے؛ لہذا معتکف کو غروبِ شمس سے پہلے آجانا چاہیے، امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ جمہور کا استدلال اس باب میں حضرت عائشہؓ کی پہلی حدیث سے ہے ،يعني أن النَّبِيَّ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ- كان يعتكف العشرَ الأواخرَ من رمضانَ؛ حتى قبضه الله. (أبو داؤد/الصيام/الاعتكاف: ۱/۳۳٤ رقم: ۲٤٦۲) اور عشرۂ اخیرہ اسی وقت

پورا ہوتا ہے، جبکہ انیسویں شب کو بھی اعتکاف میں داخل کیا جائے ؛ورنہ تیس کے چاند کی صورت میں،صرف نو راتیں اور انتیس کے چاند کی صورت میں،صرف آٹھ راتیں رہ جائیں گی۔ جہاں تک حدیث:"إذا أراد أن يعتكف صلَّى الفجرَ، ثم دخل في معتكفِه". (الترمذي/الصوم ماجاء في الاعتكاف: ١/ ١٦٤رقم: ٧٩١وأبو داؤد/الصيام/الاعتكاف: ١/ ٣٣٤رقم: ٢٤٦٤) کا تعلق ہے،سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں داخل تو اکیسویں شب سے پہلے ہی ہوجاتے تھے؛لیکن آرام کرنے کے بجائے پوری رات نماز میں کھڑے کھڑے گزار دیتے تھے؛اسی لیے معتکَف میں تشریف لے جانا،اکیس تاریخ کی فجر سے ہوتا تھا۔دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ حدیث میں ”فجر“ سے مراد بیسویں تاریخ کی فجر ہے،اور مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ صبح ہی سے معتکَف کے انتظام کے سلسلہ میں چلے جاتے تھے۔وذهبت الأئمةُ الأربعةُ والنخعيُ، إلى أن يدخلَ قُبَيْلَ الغروبِ إذا أرادَ اعتكافَ عشرٍ أو شهرٍ. و أَوَّلُوْا لحديثَ علٰى أنَّهُ دخل من أوَّل اللَّيلِ؛ ولكن إنما تخلّٰى بنفسه في المكان الذي أعَدَّ لنفسه بعد صلاة الصبح ،....و إمّا أن يقا ل: إنه ليس في الحديث تصريح بأنه أيُّ صبحٍ؟ فيحتملُ أن يكون صبيحَ عشرين بادَرَرسولُ اللّٰه ﷺ إلى الاعتكاف قبل وقته.(إعلاء السنن: ٩/ ١٨٤). (درسِ ترمذی:۲/ ۶۳۲،۶۳۳)

معتبر ذرائع سے معلوم ہوجائے کہ ۲۹ کو چاند ہوگیا تھا تو اعتکاف اسی حساب سے شروع کریں

سوال : مظفر نگر کی رویتِ ہلال سے روزہ سہ شنبہ کا ہوا،کیا اسی حساب سے اعتکاف شروع کیا جائے؟

جواب : پیر کے پہلے روزے،یعنی اتوار کی رویت کی خبریں،اب اتنی جگہ سے آئی ہیں کہ ان سے ظنِ غالب ہوگیا ہے کہ اتوار کی رؤیت درست ہے اور پیر کا پہلا روزہ صحیح ہوا؛اس لیے اگرچہ یہاں سہ شنبہ کا پہلا روزہ صحیح ہوا ہے اور ابھی تک اتوار کی رؤیت کا حکم عام

نہیں دیا گیا،مگر اعتکاف شروع کرنے میں احتیاط یہ ہے کہ اتوار کی رؤیت کے حساب سے شروع کیا جائے ۔(اعتکاف ۲۰/ تاریخ کی شام سے شروع ہوتا ہے تو پیر کو پہلے روزہ کے حساب سے ۲۰/ تاریخ سے اعتکاف کیا جائے،اگرچہ مقامی روزہ کے اعتبار سے انیسویں تاریخ بن جائے)(کفایت المفتی:۴/ ۲۴۴،۲۴۵)

کیا اعتکافِ مسنون دس روز سے کم ہوسکتا ہے؟

اعتکافِ مسنون دس روز سے کم نہیں ہے،اگر کوئی شخص دس روز سے کم اعتکاف کرے تو اعتکافِ مسنون ادا نہ ہوگا؛ کیونکہ اعتکافِ مسنون عشرۂ اخیرہ کی قید کے ساتھ سنت ہے اور جب یہ قید نہیں ہوئی تو سنت نہ ہوگا اور نہ جزءِ سنت ہوگا،صرف نفل ہوگا؛لہٰذا اعتکافِ مسنون میں پورے عشرہ کی نیت کرنا،پھر اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔المقامُ السَّادسُ: هل السُّنةُ استيعابُ الْعشرِ الأواخرِ من رمضانَ بالاعتكافِ أم الاعتكافُ في جزءٍ منه؟ الظَّاهرُ :الأوّل ؛لأنَّ النَّبيَّ-صلَّى اللّٰه عليه وسلَّمَ-فَعَلَ كذلك دائماً، ثم رأيتُ في حاشية الهداية للجونفوري، قال: الظَّاهِرُ أنَّ السَّنَّةَ هو استيعابُ العشر الأواخر من رمضانَ بالاعتكافِ، لا الاعتكافُ في العشرِ ولو في جزءٍ منه،روى به الإمامُ شهابُ الملَّةِ والدِّين-نوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهُ-إذ المُواظَبةُ من النَّبيِّ -صلى اللّٰه عليه وسلَّمَ-كانت على سبيلِ الاستيعابِ، فيكون سنَّةً مع وصف الاستيعابِ إلى قوله وهو سنةُ كفايةٍ في العشرِ الأواخرِ من رمضانَ على سبِيْلِ الاستيعابِ.(الإنصاف في حكم الاعتكاف:١٨، ١٩). (فتاوی دار العلوم:۶/ ۶۱۱،امداد الفتاوی:۲/ ۱۵۴)

اور احکام الاعتکاف میں ہے:

”رمضان شریف کے آخری عشرہ میں دس دن سے کم کی نیت سے اگر اعتکاف کیا تو وہ بھی نفل اعتکاف ہوگا“۔(احکامِ اعتکاف:۵۵بحوالہ آداب الاعتکاف:۵۵)

”کامل عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے“ پر ایک علمی بحث

سوال: زید کہتا ہے کہ اعتکاف رمضان المبارک کے کامل عشرہ کا سنتِ مؤکدہ ہے، اس سے کم مدت میں سنت ادا نہ ہوگی، حوالہ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے رسالہ ”الإنصاف في حكم الاعتكاف“ کا دیتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ کامل دس روز نہیں ہیں؛ بلکہ اقلِّ عشرہ سے بھی سنت ادا ہوجائے گی، اپنے قول کے ثبوت میں ”خلاصۃ الفتاوی“ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:. (قال القاضي الإمامُ: الاعتكافُ في المسجدِ الجامعِ أفضلُ إذا كان يُصَلّٰى فيه الصلوٰةُ الخَمْسُ با لْجَماعةِ،أما إذا لَمْ يكُنْ فالاعتكافُ فِيْ مَسْجِدِهٖ أفضلُ؛ كيلا يحتاجَ إلى الخروجِ عن مُعْتَكَفِهٖ،فإن أراد أن يعتكِفَ أقلَّ من سبْعَةِ أيَّامٍ يَعْتَكِفُ فِيْ مَسْجِدِ حَيِّهٖ وإن أراد أن يعتكفَ في الجامعِ الخ(خلاصة الفتاوىٰ: ٢٦٧) نیز بحرالعلوم کے ”رسائل الارکان“ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مذکور سنتِ مؤکدہ نہیں؛ بلکہ مندوبِ محض ہے، جس پر ان کی یہ عبارت شاہد ہے: واعلم أنَّهُ لاشكَّ في مُوَاظَبَةِ رسولِ اللّٰهِ ـصلّٰى اللّٰه عليه وسلّم ـعلى اعتكافِ العشرِ الأواخرِ من شهرِ رمضانَ؛لكن قد ثَبَتَ من الصحابة العِظامِ تركُ الاعتكافِ ،ومنهم: الخلفاءُ الرَّاشدونَ،فللاعتكاف نوعُ اختصاصٍ به ـصَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّم ـوهوأنه يَلْقٰى جبرئيلَ،فَيُدارِسُهُ القرآنَ، وَمُدارَسَةُ القرآنِ مع جبرئيلَ كانت مُخْتَصَّةً به ـصلَّى اللّٰه عليه وسلَّم ـفلهذا كان للاعتكاف اختصاصاً به ـصلَّى اللّٰه عليه وسلَّمَ ـفَتَارِكُ الِاعْتِكافِ مِن الأمَّةِلايَلْحَقُهُمَاالإساءةُ،ولذاكان رسولُ اللّٰه لايُؤَكِّدُفي الاعتكافِ تاكيدَهٗ في غيرِهٖ من السُّنَنِ ولايعيب واحداًمن الصحابة على ترك الاعتكاف،فالاعتكافُ إمَّاسُنَّةٌ مُخْتَصَّةٌبه ـصلَّى اللّٰه عليه وسلَّمَ ـغيرُ مُؤَكَّدةٍ على الأمَّةِ؛بل بَقِيَ فِيْ حَقِّهِمْ مثلُ السُّنَنِ الْغَيْرِالمُؤَكَّدَةِ،أوكان واجباًعليه ـصلّٰى اللّٰهُ وسلَّمَ ـمُخْتَصًّا،فَفِعْلُهٗ لِامْتثالِ الوُجُوبِ،فلايكون على الأمَّةِسنَّةً؛بل

مندوباًمحضاًوهذا غيرُ بعيدٍ الخ (رسائل الأركان: ٢٣٢) حضور والا کے نزدیک اقوال مذکورہ میں سے کون سا راجح ہے؟

الجواب: صحیح یہی ہے کہ تمام عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے، مگر علی الکفایہ جیسا کہ مراقی الفلاح، عالمگیریہ، شامی وغیرہ میں ہے، اور خلاصۃ الفتاوی کی عبارتِ مندرجۂ سوال سے عمرو کا مقصود کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا، اس عبارت کو مقصودِ عمرو سے کوئی تعلق نہیں، اس عبارت کا محض یہ منشاء ہے کہ اگر سات یوم سے کم کا اعتکاف کرے (اور ان ایام میں جمعہ نہ واقع ہوتا ہو، کما ہوالظاہر) تب تو مسجدِ محلّہ میں اعتکاف افضل ہے، اور اگر سات روز یا اس سے زائد کا اعتکاف کرنا ہو (یا سات روز سے کم کا اعتکاف ہو، مگر ان ایام میں جمعہ واقع ہوتا ہو) تو جامع مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے؛ کیونکہ اس صورت میں مسجدِ محلّہ سے جمعہ کے لیے جانا پڑے گا، اور معتکَف سے نکلنا خلافِ اولیٰ ہے، اس عبارت میں اس کا ذکر بالکل نہیں کہ کتنے دن کا اعتکاف سنت ہے، اس سے یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ سات روز سے کم کا اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہوجائے گی، اور ”رسائل الارکان“ کی تقریر کا جواب شامیؒ نے عنایہ سے نقل کیا ہے کہ مواظبت بلا تاکید سے بھی سنت ثابت ہوجاتی ہے، اور اگر مواظبت مع الانکار علی التارک ہو، تب تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے، (۳۰۸/۳) اور جب سنتِ کفایہ کہا جائے تو یہ اعتراض بالکل بھی عائد نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ نہ ایسا ہوا کہ کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا ہو، نہ تاکید کی نوبت آئی ہو۔ واللہ أعلم بالصواب۔ احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ۔ للہ درالمجیب فقد أوتي من الفقہ أوفر نصیب ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۱۴۵/۳، ۱۴۷)

اعتکافِ مسنون میں ایک روز کا استثناء

اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھتے وقت، یہ نیت کرلے کہ وہ ایک روز یا ایک شب کے لیے باہر جائے گا تو اس طرح اعتکاف کرنے سے اعتکاف ادا نہ ہوگا۔ وهو سنَّةٌمُؤَكَّدةٌ كِفايةٌ في العشرِالأواخرِمن رمضانَ على سبيل الاستيعابِ.(الإنصاف في حكم الاعتكاف: ١٩)۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۲۴)

پانچ پانچ روز کے اعتکاف کی نیت

اعتکاف کی اس طرح نیت کرنا کہ پہلے پانچ روز کا اعتکاف کرتا ہوں، پھر اگر ہمت ہوئی تو پورے عشرۂ کا اعتکاف کرلوں گا، اس طرح نیت کرنے سے اعتکاف مسنون کا ثواب نہ ہوگا(جواہر الفتاوی:۳۲)؛ کیونکہ اس صورت میں علی سبیل الاستیعاب عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی نیت نہیں رہی؛ جبکہ سنت کی ادائیگی کے لیے مکمل عشرہ کی نیت کرنا اور پھر اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

دو آدمیوں کے پانچ، پانچ دن کے اعتکاف سے ادائے سنت

اگر کسی جگہ دو آدمی پانچ، پانچ دن کا اعتکاف کریں تو اس طرح سنت ادا نہ ہوگی، سنت کی ادائیگی کے لیے ایک شخص کا مکمل عشرہ کا اعتکاف کرنا لازم ہے. وهو سنَّةٌ مُؤَكَّدةٌ كِفَايةٌ في العشرِ الأواخِرِ من رمضانَ على سبيلِ الاستيعابِ.(الإنصاف في حكم الاعتكاف: ۱۹)۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۷۹)

مسنون اعتکاف کی ذمہ داری

ہر محلے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے سے یہ تحقیق کریں کہ ہماری مسجد میں کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھ رہا ہے یا نہیں، اگر کوئی آدمی نہ بیٹھ رہا ہو تو فکر کرکے کسی کو بٹھائیں۔(احکامِ اعتکاف:۵۵)(۱)

---

(۱) کیونکہ کفایہ کا حکم اصلاً تمام محلے والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے؛ لیکن اگر کوئی بھی کرلے تو تمام محلے والوں کی طرف سے کفایت کرجائے گا، اگر ایک بھی نہیں بیٹھا تو تمام محلے والے گنہگار رہوں گے؛ اس لیے یہ تمام محلے والوں کی ذمہ داری ہوئی کہ وہ تحقیق کریں کہ کوئی اعتکاف میں بیٹھا ہے یا نہیں. قال في التنوير: إن قام به البعضُ، سَقَطَ عن الكُلِّ وإلا أثِمُوْا بِتَرْكِهِ ،أيْ أثِمَ الْكُلُّ مِنَ الْمُكَلَّفِيْنَ.(تنوير مع شامي: ۲۰۰/۶) نیز محلے والوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ اعتکاف میں بیٹھنے والا شخص مسائل سے واقف بھی ہو، ورنہ بالعموم اعتکاف میں بیٹھنے والے، مسائل سے عدمِ واقفیت کی بنا پر اعتکاف کو فاسد کردیتے ہیں اور اس طرح سنت علی الکفایہ کی ادائیگی نہیں ہو پاتی۔

ہر آبادی میں اعتکاف

ہر آبادی میں کم از کم کسی ایک شخص کا اعتکاف کرنا سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اگر کسی ایک شخص نے بھی اعتکاف نہیں کیا تو پوری آبادی والے تارکِ سنت ہوں گے۔ وقيل: سنَّةٌ على الكفايةِ؛حتى لو تَرَكَ فِيْ بلدةٍ لأساؤوا.(جامع الرموز: ۳۷۶/۱)

ایسے محلے کی مسجد میں اعتکاف کا حکم، جہاں چند گھر ہوں

اگر اس مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور پنجوقتہ نماز باجماعت اس میں ادا کی جاتی ہو، اس مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے، اگر ان لوگوں میں سے کسی ایک نے بھی اعتکاف نہ کیا تو سب گنہ گار ہوں گے۔(نجم الفتاوی:۳/۳۱۱)

کیا پورے شہر میں ایک آدمی کا اعتکاف کرلینا کافی ہے یا شہر کے ہر محلے میں اعتکاف ضروری ہے؟

اعتکاف مسنون سنت علی الکفایۃ ہے، اور سنت علی الکفایۃ ہونے میں فقہائے کرام کے دو قسم کے اقوال ملتے ہیں، بعض کے نزدیک پورے شہر والوں پر سنت علی الکفایۃ ہے؛ لہٰذا اگر شہر میں کوئی بھی شخص بیٹھ گیا تو یہ سنت ادا ہوجائے گی، ورنہ سب کے سب گنہ گار ہوں گے، اس قول کو علامہ قہستانیؒ نے ''جامع الرموز'' میں، اسی طرح دیگر فقہائے کرام نے اختیار کیا ہے؛ جبکہ اس کے برخلاف علامہ شامیؒ اور متأخرین میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ شہر کے ہر محلے کی مسجد پر سنت علی الکفایۃ ہے؛ لہٰذا اگر کسی بھی محلے کی مسجد میں یہ سنت ادا کی گئی تو یہ سنت ادا ہو جائے گی، ورنہ محلے والے سب کے سب گنہ گار ہوں گے، اور عبادات میں چونکہ احتیاط والی جہت کو ترجیح ہوتی ہے؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ علامہ شامیؒ والی رائے کو اختیار کیا جائے، اور ہر محلے کی کسی ایک مسجد پر سنت علی الکفایۃ کا اطلاق کیا جائے۔ قال في الشاميَّة:(قوله :''أي سنَّةٌ على الكفايةِ'' نظيرُها: إقامةُ التَّراويحِ بالجماعةِ،فإذا قام بها البعضُ،سَقَطَ

الطَّلَبُ عنِ الباقِيْنَ،فَلَمْ يَأْثَمُوْا بالْمُوَاظَبَةِ على التَّركِ بلا عُذْرٍ،ولو كان سنَّةَ عينٍ،لأثِمُوْا بتَرْكِ السُّنَّةِالْمُؤَكَّدَةِ.(شامي:۳/۴۳۰)وفي التراويح: وهل المرادُ أنَّها سنةُ كِفَايَةٍ لأهل كلِّ مسجدٍ من البلدةِ أو مسجدٍ واحدٍ منها أوْ من المحلَّةِ ؟ظاهرُ كلامِ الشَّارحِ الاوَّلُ،واسْتَظْهَرَ: الثانِيْ، ويَظْهَرُ لِيْ الثَّالِثُ؛لقولِ الْمُنْيَةِ:حتى لو ترك أهلُ محلَّةٍ كلُّهم الجَماعَةَ، فَقَدْ تَرَكُوْا السُّنَّةَ وأَساؤوا.(شامي: ۲/۴۹۵).(نجم الفتاوی:۳/۳۱۰)

کیا اعتکاف شہر کے ہر محلے کی ہر ہر مسجد میں ضروری ہے؟

اعتکاف سنتِ کفایہ ہے،یعنی ایک یا چند اشخاص اعتکاف کرلیں تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے،اور اگر کسی نے بھی اعتکاف نہیں کیا تو سبھی تارکِ سنت کہلائیں گے؛البتہ یہ سوال اہم ہے کہ ایک ہی محلے میں کئی مسجدیں ہوں تو کیا سنتِ اعتکاف کی ادائیگی کے لیے، ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے، یا محلے کی ایک مسجد میں اعتکاف کرلینا کافی ہے؟اس سلسلے میں اعتکاف کی نسبت سے کوئی صراحت نہیں ملتی ؛البتہ جیسے اعتکاف سنتِ کفایہ ہے، اسی طرح مسجد میں تراویح کی نماز بھی سنتِ کفایہ ہے،اور تراویح کے بارے میں فقہاء نے اس سوال کو اُٹھایا ہے کہ پورے شہر میں ایک مسجد میں جماعت تراویح سنت کی ادائیگی کے لیے کافی ہے یا ہر محلے میں ایک مسجد میں تراویح کافی ہے؟ یا محلے کی ہر مسجد میں تراویح ضروری ہے؟ فقہاء کے یہاں اس سلسلے میں تینوں اقوال موجود ہیں، علامہ طحطاویؒ نے شہر کی ایک مسجد میں کافی قرار دیا ہے،علامہ حصکفیؒ نے ہر مسجد کے لیے ضروری قرار دیا ہے،اور خاتم الفقہاء علامہ شامیؒ نے محلے کی ایک مسجد میں تراویح کی ادائیگی کو کافی سمجھا ہے،اور اس سلسلے میں فقہاء کی بعض روایات سے اپنے نقطۂ نظر کی تائید وتوثیق بھی نقل کی ہے۔علامہ شامیؒ ہی کا قول زیادہ درست اور مبنی بر اعتدال معلوم ہوتا ہے ؛ پس جو حکم تراویح کا ہے، وہی حکم اعتکاف کا بھی ہونا چاہیے،یعنی اگر ایک محلے میں کئی مسجدیں ہوں،تو بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو؛ لیکن اگر اس محلے کی ایک مسجد میں بھی اعتکاف کرلیا جائے تو پورے محلے کے لوگ،ترکِ سنت کے گناہ سے انشاء

اللہ بری ہوجائیں گے ۔ قال في الشاميَّةِ(قوله أي سنَّةٌ على الكفايةِ،نظيرُها: إقامةُ التَّراويحِ بالجماعةِ، فإذا قام بها البعضُ، سَقَطَ الطَّلَبُ عنِ الباقِيْنَ فَلَمْ يَأْثَمُوْا بالْمُوَاظَبَةِ على التَّركِ بلا عُذْرٍ، ولو كان سنَّةَ عينٍ،لأثِمُوْا بتَرْكِ السُّنَّةِالْمُؤَكَّدَةِ.(شامي:۳/۴۳۰)وفي التراويح: وهل المرادُ أنَّها سنةُ كِفَايَةٍ لأهل كلِّ مسجدٍ من البلدةِ أو مسجدٍ واحدٍ منها أوْ من المحلَّةِ؟ظاهرُ كلامِ الشَّارحِ الاوَّلُ، واسْتَظْهَرَ: الثانِي،ويَظْهَرُ لِيْ الثَّالِثُ؛لقولِ الْمُنْيَةِ:حتى لو ترك أهلُ محلَّةٍ كلُّهم الجَمَاعَةَ،فَقَدْ تَرَكُوْا السُّنَّةَ وأساؤوا. (شامي: ۲/۴۹۵).(احسن الفتاوی:۴/۵۰۹، کتاب الفتاوی:۳/۴۵۳،۴۵۴) (۱)

اگر بستی کی مختلف آبادیاں جداگانہ معلوم ہوں تو اعتکاف کا حکم

اگر بستی کی مختلف آبادیاں جداگانہ معلوم ہوتی ہوں تو ہرایک آبادی کے لیے اعتکاف کرنا ضروری ہوگا،ایک آبادی کا اعتکاف دوسری کے لیے کافی نہ ہوگا۔الاعتكافُ سنَّةٌ مؤكَّدةٌ مطلقاً،وقيل سنَّةٌ علَى الكفايةِ؛حتى لوتركَ في بلدةٍ لَأسَاؤُوْا.(جامع الرموز : ۱/۳۷۶).(مستفاد فتاوی محمودیہ:۱/۲۲۶)

اگر ایک آبادی کا آدمی دوسری آبادی میں اعتکاف کرے تو کس آبادی کی سنت ادا ہوگی؟

اگر ایک آبادی کا آدمی دوسری آبادی میں اعتکاف کرے تو فقہاء کی عبارات سے معلوم

---

(۱)اس مسئلے میں علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ کی رائے یہ ہے کی اس کی حیثیت، مثل نمازِ جنازہ کی ہے،یعنی اگر پورے شہر میں کوئی ایک شخص بیٹھ جائے تو پورے شہر والوں کی طرف سے کفایت کرجائے گا، ہر محلے اور ہر محلے کی ہر ہر مسجد میں اعتکاف،سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ کی ادائیگی کے لیے لازم نہیں۔المقام الرابع: الاعتكاف على تقديرِ كونه سنَّةَ كفايةٍ كما هو الحق،هل سنَّةُ كفايَةٍ على أهلِ البلدةِ، كصلاةِ الجنازة ،أم سنَّةُ كفايةٍ علىٰ أهْلِ كلِّ محلَّةٍ كصلاةِ التراويحِ بالجماعة؟فظاهرُ عباراتِهم يَقْتَضِي الأوَّلَ، فَفِي مَجْمَعِ الأَنْهُرِ شرح مُلْتَقَى الْأَبْحُرِ عند ذِكرِ الأقوالِ وقيل: سنَّةٌ علَى الْكِفَايَةِ،حتى لوتَرَكَ أَهْلُ بلدةٍ بأَسْرِهِمْ يَلْحَقُهُمُ الِإسَاءَةُ،وإِلَّافلا، كالتَّأْذِيْنِ.(الإنصاف في حكم الإعتكاف: ۱۶)

ہوتا ہے کہ اس گاؤں کے لوگوں سے سنت کی ادائیگی ہوگی، جس میں معتکف نے اعتکاف کیا؛ اس لیے کہ اعتکاف علی الاشہر سنت کفایہ ہے، جس کا تعلق ہر بستی کے لوگوں کے ساتھ ہے، پس جیسے کہ ترک سے وہی لوگ مسئ ہوں گے، اسی طرح اداء سے وہی لوگ بری بھی ہونگے ۔وقیل: سنَّةٌ علَى الْكِفَايَةِ ؛حتى لوتَرَكَ أَهْلُ بلدةٍ بأسْرِهِمْ يَلْحَقُهُمُ الإِسَاءَ ةُ .(مجمع الأنهر : ١/٣٧٦) ظاہر ہے کہ اس عبارت میں اساءت کا تعلق، اہلِ بلد کے ترکِ اعتکاف کے ساتھ قرار نہیں دیا گیا؛ بلکہ متروك في البلدة ہوجانے سے اہلِ بلد کو مسئ قرار دیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اگر اجنبی آدمی بھی معتکف ہوجائے تو اس صورت میں بھی اعتکاف کا متروك في البلدة ہونا صادق نہیں آتا، جس سے یہ لازم آتا ہے کہ اہلِ بلد سے سنت ادا ہوجائے گی ۔ (فتاوی دارالعلوم:۶/۵۱۱، ۵۱۲)

اور حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ، ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”جس محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرے گا، اس مسجد سے متعلق سنت اعتکاف ادا ہوجائے گی، مگر اہلِ محلّہ کو چاہیے کہ خود ہی اعتکاف کریں، دوسرے محلے سے بلاکر خود محروم نہ ہوں“ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۳۰)

اور جواہر الفتاوی میں ہے:

”بوجہ مجبوری یا بلاکسی مجبوری کے محلے کی مسجد میں اعتکاف کرنے کے لیے، اگر کوئی تیار نہ ہو تو دوسرے محلے کے آدمی کے اعتکاف کرلینے سے سنتِ کفایہ ادا ہوجائے گی؛ کیونکہ معتکف کا اہلِ محلّہ سے ہونا شرط نہیں ہے؛ البتہ بہتر ہے۔ (جواہر الفتاوی:۳۳۳)(۱)

(۱) کیونکہ جس محلے میں مسجد ہے، اس محلے والوں پر اس مسجد کی آبادی کی ذمہ داری ہے؛ اس لیے محلے کے کسی آدمی کا معتکف ہونا بہتر ہے؛ البتہ اگر کوئی دوسرے محلے کا آدمی اعتکاف کرلے تو چونکہ مسجد کے حق کی ادائیگی ہوگئی؛ اس لیے محلے والے نہ بیٹھنے کی وجہ سے گنہ گار نہ ہوں گے ۔إذالمقصودُ مِن الاعتكافِ وهو أداءُ حقوقِ المساجِدِ، وذلكَ يَحْصُلُ بِفِعْلِ الْبعضِ، كما أنَّ المقصودَ من صلا ة الجنازةِ،أداءُ حقِّ المسلمِ وذلك يَحْصُلُ بفعل البعضِ.(الإنصاف في حكم الاعتكاف: ١٩)

بڑے قصبے میں اعتکاف کرنے کی وجہ سے چھوٹی بستی والوں کے ذمہ سے سقوطِ اعتکاف

اگر کسی جگہ بڑے قصبے کی مسجد میں اعتکاف کیا جائے تو اس سے متصل، چھوٹی بستی والوں کے ذمہ سے یہ سنتِ کفایہ ادا نہ ہوگی۔ (فتاوی دارالعلوم:۶/۵۰۱)؛ اس لیے کہ اعتکاف ہر شہر اور ہر گاؤں والوں پر مستقلاً سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، ایک شہر یا گاؤں والوں کا اعتکاف اپنے متصل گاؤں یا شہر والوں کے لیے کافی نہ ہوگا۔

اجتماعی اعتکاف

عام حالات میں ایسی مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے، جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو؛ تاکہ جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر نہ جانا پڑے، اور یہ مسجدِ محلّہ اور اپنے شہر میں ہو تو بہتر ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص کسی مصلحت سے دوسرے محلے کی مسجد میں یا کسی دوسرے شہر میں جا کر اعتکاف کرلے تو اس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ جیسا کہ آج کل مشائخ اپنے متعلقین اور متوسلین کے ساتھ اعتکاف کرتے ہیں تو اس میں اعتکاف کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت بھی مقصود ہوتی ہے، اور یہ اجتماعی اعتکاف تربیت گاہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے، بشرطیکہ یہ عمل محض رسمی نہ ہو؛ بلکہ دینی فائدے کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جائے؛ جیسا کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے شبِ قدر کی تلاش میں، صحابہؓ کے ساتھ مسجدِ نبوی میں اجتماعی اعتکاف فرمایا تھا۔ في حديث أبي سعيد الخدريؓ، قال ﷺ:مَن كان اعْتَكَفَ مَعِيْ،فلْيَعْتَكِفِ العشرَ الأواخرَ الخ.(البخاري: /الاعتكاف/الاعتكاف في العشر الأواخر والاعتكاف في المساجد كلها .١/٢٧١ رقم٢٠٢٧، والمسلم: ١/٣٧٠رقم:١١٦٧/٢١٥)۔ (ملفوظاتِ فقیہ الامت۳/۴۶، مسائلِ اعتکاف۵۶، کتاب المسائل:۲/۱۲۲)

زنجیری اعتکاف

سوال: اعتکافِ سنت اکیس رمضان سے شوال کے چاند تک، ایک ہی شخص کے بیٹھنے کے بجائے، کئی احباب یکے بعد دیگرے زنجیری طور پر بیٹھیں، تو کیا محلے والوں پر سے اعتکاف کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی؟

جواب: اعتکافِ سنت یہ ہے کہ ایک ہی شخص بیس رمضان کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے، اور ہلالِ عید طلوع ہونے تک اعتکاف کی حالت میں رہے، مختلف دنوں میں مختلف لوگ بیٹھیں تو یہ اعتکاف نفل ہوگا، اس سے اعتکافِ سنت ادا نہیں ہوگا، اور اہلِ محلّہ پر اس کی ذمہ داری باقی رہے گی۔ (کتاب الفتاوی:۳/۴۵۱،۴۵۲)

ایک مسجد میں جتنے لوگ چاہیں، اعتکاف کر سکتے ہیں

ایک مسجد میں جتنے لوگ چاہیں بیٹھیں، اگر سارے محلے والے بھی بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت کا اعتکاف فرمانا ثابت ہے۔ قال علیہ السلام: من کان اعْتَکَفَ مَعِيْ فَلْيَعْتَكِفِ العشرَ الأواخرَ. (البخاري/الاعتكاف/الاعتكاف في العشر الأواخر ۱/۲۷۱ رقم:۲۰۲۷)

معتکفین کا حسبِ ضرورت سامان رکھنا

عن أبي سعيد الخدري قال: اعتكفنا مع رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ في العشر الأوسط من رمضان، فلما كان صبيحة عشرين، ذهبنا ننقُل متاعَنا فقال لنا: من كان منكم اعتكفَ فلْيَرْجِعْ إلى مُعْتَكَفِهِ، فإنّي أُرِيْتُ هذه اللَّيلَةَ فنُسيتُها وأُرِيْتُنِيْ أسجُدُ في ماءٍ وطينٍ. (البخاري/ الاعتكاف /من خرج من اعتكافه عند الصبح: ۱/۲۷۳ رقم: ۲۰۴۰ وابن خزيمة في صحيحه ۳/۳۵۱ رقم ۲۲۳۸ واللفظ له)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے عشرۂ اوسط کا اعتکاف کیا، جب بیس کی صبح ہوئی تو ہم لوگ اپنا سامان منتقل کرنے لگے (یعنی مسجد سے گھر لانے لگے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے ساتھ اعتکاف کیا، وہ اپنے اعتکاف گاہ میں لوٹ آئے، مجھے شبِ قدر دکھلا دی گئی تھی، پھر بھلا دی گئی، مجھے دکھلایا گیا ہے کہ میں کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔''

فائدہ: اس حدیثِ پاک سے دو اہم امور معلوم ہوئے:

(۱) اپنے ساتھ سامان کا رکھنا، مثلاً: بستر، کپڑے، برتن، تیل، صابن وغیرہ خلافِ سنت نہیں۔ (۲) اعتکاف کا مقصد شبِ قدر کا پانا، اور اس کے حصول کی کوشش ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے دوبارہ اعتکاف کیا اور کرایا۔ (آدابِ اعتکاف:۳۶)

معتکف کو مسجد میں سامان لانے کے سلسلے میں کس حد تک اجازت ہے

معتکف کو اپنا ضروری سامان مسجد میں رکھنا درست ہے؛ مگر زیادہ بکھیڑا لانا مناسب نہیں، اس سے تو وہ بھی گھر بن جائے گا، پھر جس طرح گھر میں عبادت و بیداری دشوار تھی، وہی بات مسجد میں بھی ہوگئی، سب کا حاصل یہ ہوا کہ مسجد میں تو گھر کے فتنے سے چھڑا کر لائے تھے اور یہاں تم نے اتنا بکھیڑا اکھٹا کیا کہ وہ بھی گھر کی طرح ہوگئی، مسجد میں معتکف کو اتنا بکھیڑا نہ لے جانا چاہیے، بعض آدمی ہوتے بھی ہیں بکھیڑیئے گو گناہ تو نہیں، مگر خلافِ ادب تو ضرور ہے۔

مسجد میں آئے ہو گھر چھوڑ کے، اگر تم نے اسے بھی گھر بنا لیا تو مسجد میں آنے کا کیا فائدہ ہوا۔ بعض لوگ کیا کرتے ہیں کہ مسجد میں اعتکاف کے لیے آتے ہیں تو تنہا نہیں آتے، ایک پاندان بھی ساتھ ہے، اگالدان بھی ہے، ایک چائے کا سماوار بھی ہے، تمباکو کا تھیلا بھی ہے، جو نہیں کھاتے وہ بے چارے بدبو سے پریشان ہوتے ہیں، غرض اپنے پیچھے بہت سی علتیں لگا

لیتے ہیں اور سب کو گھر کی طرح مسجد میں بھی جمع کرتے ہیں، اور اگر کوئی دلیر ہیں تو وہ حقہ بھی لاتے ہیں، خود تو مسجد کے اندر بیٹھے ہیں، حقہ باہر رکھا ہے اور گڑ گڑ کر رہے ہیں، بعض لوگ سگریٹ پیتے ہیں اور دھواں باہر چھوڑتے جاتے ہیں۔ بہر حال اسی طرح آتے ہیں کہ خود ہی معتکف نہیں ہوتے، ایک آپ کا سمادار، پاندان بھی آپ کے پاس معتکف ہوتا ہے۔

حضرات! اگر اس کنبے کو اعتکاف کرانا ہے تو پھر گھر ہی پر اعتکاف کرلیا کیجیے۔

بعض لوگ مسجد کے اندر بڑا ذخیرہ جمع کرلیتے ہیں، میں نے ایک صاحب کو لکھنؤ میں دیکھا کہ مسجد میں چھینکے باندھ رکھے ہیں، اپنا تمام ضروری وغیر ضروری سامان وہیں رکھا ہے، پھر خود تو رہتے ہی تھے، ان کی بیوی بھی وہیں رہتی تھیں، ایک زنانہ حصہ کا دروازہ مسجد کی طرف لگا ہوا تھا، جب تک نمازی رہتے تھے، وہ اس کے اندر رہتی تھیں اور جب نمازی چلے جاتے تھے تو شاہ صاحب مسجد کا دروازہ بند کرکے انھیں بھی اپنے پاس بلالیتے تھے۔ بھائی یہ اللہ کا گھر ہے اللہ والوں کا گھر نہیں ہے، اللہ کی چیزوں کو تم سے کس نے کہا کہ استعمال کرنے لگو، مگر لوگوں کا مزاج بن گیا ہے کہ مسجد کی چیزوں کو لیتے اور استعمال کرتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔

مسجد میں اتنا سامان رکھنا کہ بالکل گھر معلوم ہونے لگے، ایسا نہیں کرنا چاہیے، بس اتنا مختصر سامان رکھو کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، مسجد کا ادب کم از کم اتنا تو ضروری ہے، جتنا صاحب کلکٹر (اور جج) کے اجلاس کا کرتے ہیں، جب صاحب کلکٹر کے اجلاس پر بکھیڑا لے جانے کی اجازت نہیں، تو یہاں کیوں نہیں ایسا سمجھا جاتا؛ بلکہ یہاں تو تمھیں ضروری چیزوں کے لانے کی بھی اجازت ہے، سونے کی اجازت ہے، دنیا کی باتوں کی بھی اجازت ہے؛ بشرطیکہ باتوں کے قصد سے نہ آیا ہو اور اتفاقاً کوئی معاملہ پیش آگیا تو اس کے متعلق گفتگو کرنا جائز ہے، اسی طرح مسجد میں کھانا بھی جائز ہے، کیا ٹھکانا ہے وسعت کا، خدا کے احکام کو دیکھو، کس قدر سہل ہیں، پھر بھی اگر ان سے کوئی تجاوز کرے تو پھر ایسے اعتکاف سے کیا فائدہ؟

غرض مسجد میں بالکل آزاد ہو کے آنا چاہیے، ایک بستر، ایک چادر؛ بلکہ آج کل تو گرمی ہے، صرف ایک چادر کافی ہے، ایک چھوٹا سا تکیہ، کھانا پانی بلّی سے بچانے کے لیے، ایک چھوٹا سا بکس یا ایک چھینکا، غرض نہایت مختصر سامان کے ساتھ مسجد میں آنا چاہیے؛ بلکہ اپنے گھر

میں بھی نہایت مختصر سامان سے رہنا چاہیے اور مسجد تو پھر خانۂ خدا ہے، اس میں زیادہ بکھیڑا لانا مناسب نہیں۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۳۰، ۳۱، ۳۲)

اعتکاف کے لیے خیمہ وغیرہ بنانے کا ثبوت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین، اس مسئلے میں کہ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لیے مسجد کے ایک کونے میں پردہ کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟ یعنی پردے کا ہونا مسنون ہے یا بدعت؟ برائے کرم بحوالۂ کتب مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب: معتکف کے لیے مسجد کے کونے میں چادر وغیرہ کا حجرہ بنالینا مستحب ہے، اور اس میں ستر وغیرہ کی حفاظت ہے، اس کے علاوہ اور بھی مصلحتیں ہیں، حضور اکرم ﷺ کے لیے چٹائی کا حجرہ بنانا ثابت ہے، بدعت نہیں ہے، معتکف ان باتوں کا خیال رکھے کہ ضرورت سے زیادہ جگہ نہ روکے، نمازیوں کی ایذاء کا سبب نہ بنے، صفوں کی درستگی میں مخل نہ ہو۔ مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ میں ہے: **عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كان رسول الله -صلى الله عليه وسلَّمَ- إذا أراد أن يعتكفَ صلَّى الفجرَ، ثمَّ دخل في مُعْتَكَفِه. (رواه أبو داؤد/الصيام/الاعتكاف ۱/۳۳۴ رقم: ۲۴۶۴ وابن ماجه/ الصيام/ماجاء فيمن يبتدىء الاعتكاف وقضاؤ الاعتكاف: ۱۲۶ رقم: ۱۷۷۱) (قوله صلى الفجر ثم دخل في معتكفه بصيغة المفعول، أي مكان اعتكافه. إلى قوله وتأوَّلوا الحديثَ بأنه -صلى الله عليه وسلَّمَ- دَخَل المُعْتَكَفَ وانقطع وتخلّى بنفسه، فإنه كان في المسجديَتَخَلّى عن الناس في موضع يَسْتَتِرُ به عن أعْيُنِ النَّاس، كما وردأنه اتَّخَذَ في المسجدِ حجرةً من حصيرٍ، اه (مرقاةشرح مشكوٰة: ۴/۳۲۹ باب الاعتكاف الفصل الثاني، هكذا في التعليق الصبيح شرح مشكوٰةالمصابيح: ۲/۴۱۵)** مظاہرِ حق میں ہے: جب آپ صبح کی نماز پڑھتے تو اس حجرے میں اعتکاف کے لیے جو بوریے سے بنایا جاتا تھا، داخل ہوتے تھے؛ تاکہ لوگوں سے الگ رہیں۔ (مظاہرِ حق: ۲/۲۰۰) مجالس الابرار میں ہے۔ **أصله مافي الصحيحين؛**

أنہ علیہ السلام اعتکف العشرَ الأوّلَ من رمضانَ، ثم اعتکف العشرَ الأوسطَ في قُبّۃٍ تُرکیّۃٍ، ثم أطلَعَ رأسَہ، یعنی آنحضرت ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا، پھر درمیانی عشرہ میں ترکی خیمے میں اعتکاف فرمایا، پھر سر باہر نکال کر فرمایا۔ (مجالس الابرار:۲۰۳ مجلس نمبر:۳۱) معلوم ہوا کہ چادر وغیرہ سے حجرہ بنانا، حضور ﷺ سے ثابت ہے؛ لہٰذا اسے بدعت نہیں کہہ سکتے۔ فقط واللہ أعلم بالصواب. (فتاوی رحیمیہ:۱۰/۲۷۹،۲۸۰) اوراحکامِ اعتکاف میں ہے:

"مسجد خود بھی ساتر ہے، پھر مسجد میں ایک اور پردہ کرلینا سنت ہے؛ چنانچہ حضور ﷺ جب معتکف ہوتے تھے تو مسجد میں چٹائی سے پردہ کرلیتے تھے، اور اب بھی معتکفین کی عادت ہے، چادر وغیرہ سے پردہ کرلیتے ہیں" (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۳۳)

اورنجم الفتاویٰ میں ہے:

"خیمہ لگانے میں حکمت یہ ہے کہ اعتکاف میں اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دنیا کے مشاغل سے فارغ کرکے اپنے نفس کو مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنے مولیٰ کے حوالے کردے، اور خیمہ وغیرہ لگانے میں، یہ صورت بطریقِ احسن حاصل ہوتی ہے" (نجم الفتاوی:۳/۳۲۷)

معتکف کو مسجد میں خلوت گاہ بنانے یا پردہ ڈالنے کا اہتمام کرنا

مخاطبین میں بعض ایسے لوگ بھی ہوسکتے ہیں، جو یہ سن کر کہ دس روز تک مسجد میں رہیں، نفس کو خوب مزہ آئے گا، خوب باتیں گھڑیں گے، حضور ﷺ نے اس کا اس طرح بندوبست فرمایا کہ مسجد میں ایک چٹائی کا حجرہ بنایا اوراسی میں رہے، اس سے یہ بتلایا کہ مسجد میں رہو تو اس طرح رہو۔

صوفیاء نے یہاں سے خلوت کے لیے ایسا حجرہ اختیار کیا ہے کہ اس میں سوائے چٹائی کے اور کچھ نہ ہوتا تھا، الغرض حضور ﷺ نے مسجد میں چٹائی کا حجرہ بناکر تعلیم فرمایا کہ مسجد میں اس طرح رہنا چاہیے، اور یہی ماخذ ہے اس عادت کا کہ اعتکاف میں پردہ وغیرہ باندھ لیتے ہیں۔

لیکن اس میں بھی شاید کوئی غلو کرتا؛ اس لیے کہ یہ ایک امتیازی شان ہے کہ حجرہ میں خود بیٹھے ہیں اور باہر مریدین ومعتقدین جمع ہیں کہ شاہ صاحب نکلیں گے تو زیارت کریں گے، اور باتیں کریں گے؛ اس لیے حضور ﷺ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ نماز کے وقت کہ اجتماع کا وقت بھی وہی ہے، خود بخود رونق افروز ہوگئے؛ اسی بناء پر اہلِ اعتکاف کا طریقہ ہے کہ نماز کے وقت پردہ وغیرہ سب اٹھادیتے ہیں؛ تاکہ کوئی امتیاز کی شان پیدا ہوکر عُجب (وتکبر) نہ ہو، واللہ اگر ساری دنیا کے عقلاء چاہتے کہ ان مصالح کی رعایت کریں تو ہرگز نہ کرسکتے تھے، یہ نورِ وحی ہے کہ جو ایسے دقیق دقیق مصالح کی رعایت فرمائی کہ قید بھی ہے، آسانی بھی ہے، خلوت بھی محفوظ، اجتماع بھی محفوظ۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۳۳)۔

کیا معتکَف بنانا ضروری ہے؟

معتکف کے لیے پردے والا معتکَف بنانا ضروری نہیں ہے، پردہ معتکف کی سہولت اور تنہائی ویکسوئی کے لیے بنایا جاتا ہے۔ (فتاوی دینیہ:۸۶،۸۷)

معتکف کا حجرہ بنانا اوراس کو سنوارنا کیسا ہے؟

سوال: ایک شخص کا اعتکاف کے واسطے جامع مسجد کے محراب کو خاص کرلینا اور محراب کے اندر بانس یا لکڑی سے گھیراؤ دے کر بطور حجرہ بناکر رنگ برنگ کاغذات سے سنوارنا کیسا ہے؟

جواب: حامداً ومصلیاً، الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعتکاف کے لیے مسجد میں گھیراؤ کرلینا یا حجرہ بنالینا جائز ہے؛ بشرطیکہ حجرہ بنالینے سے مسجد میں تنگی پیدا ہوکر مصلیوں کے لیے باعثِ تکلیف نہ ہوجائے؛ ورنہ ناجائز ہے۔ قال النووي: قولہ إنہ أمَرَ بِخِبائِہ..... فیہ دلیلٌ علی جواز اتّخاذِ المُعتَکِفِ لنفسہ موضعاً من المسجدِ، ینفرِدُ فیہ مدّۃَ اعتکافِہ ما لَمْ یُضیِّقْ علی غیرالناسِ، وإذا اتَّخذَہٗ یکون في آخرِ المسجدِ، ورحابِہ؛ لئلّا یُضیِّقَ علیٰ غیرِہ؛ ولیکون أخلٰی لَہٗ وأکمَلَ فِيْ

انفرادہ. (فتح الملهم: ۳/ ۳٤٦) اور حجرہ کو رنگ برنگ کاغذات سے سنوارنا، مستحسن نہ ہونے کے علاوہ مصلیوں کی نظروں میں زیب وزینت کا سامان پیدا کرکے طبیعت کو دوسری طرف مشغول کرنے کا باعث ہوگا؛ لہٰذا یہ زیب وزینت کے تکلفات ناجائز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ۔ أعلم وعلمه أتمُّ وأحكم. (مرغوب الفتاوی:۳/۴۱۲)

صفوں کے درمیان بندھی ہوئی چادروں کو بوقتِ جماعت کھول دینا

سوال: معتکف حضرات درمیان کی صفوں میں چادریں باندھیں اور جماعت کے وقت میں مصلّی اس جگہ کھڑے نہ ہوسکتے ہوں اور اس کے پیچھے کی صفوں میں مصلیوں کو کھڑے رہنا پڑتا ہو تو اس طرح جگہ روکنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً! جماعت کے وقت اعتکاف والی جگہ کی ضرورت ہو تو پردہ کھول کر جگہ دینا ضروری ہے، پردہ نہ کھولے گا تو گنہگار ہوگا۔ لأنَّ المسجدَ محرَّرٌ عن حقوقِ العبادِ، وفيهِ شُغْلُهُ بِهَا. (الهداية: ١/ ٢٣٠)

مسجد کی چادر سے اعتکاف کے لیے خیمہ بنانا

اعتکاف کے لیے خیمہ بنانا مستحب ہے، اگر اسی کام کے لیے ہی چادریں رکھی ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، مسجد کے پیسوں سے خریدی ہوئی ہو تو اس کو خیمہ کے لیے کام میں لانا درست نہیں، اپنی ذاتی چادر استعمال کرنا چاہیے۔ (فتاوی رحیمیہ:۷/۲۷۹)

اجرت دے کر اعتکاف کرانا

تساہل اور بے پرواہی دین کی وجہ سے یہ سنت متروک ہوتی جارہی ہے، اور لوگوں کے دلوں سے اس کی اہمیت نکلتی جارہی ہے؛ چنانچہ بعض جگہوں پر یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی فارغ یا ضعیف شخص کو کچھ نفع کی امید دے کر اعتکاف کراتے ہیں، ازروئے شرع اجرت لے کر اعتکاف میں بیٹھنا، یا بٹھانا جائز نہیں، گناہ ہے؛ کیونکہ اعتکاف عبادت ہے، اس پر اجرت لینا یا دینا دونوں حرام ہیں، اور اگر دینے والے رقمِ مسجد کے فنڈ سے دیں تو اتنی رقم کے وہ ضامن

ہوں گے، اور اپنی طرف سے ان کو اتنی رقم مسجد کے فنڈ میں جمع کرنی ہوگی۔ الأصل أن كلَّ طاعةٍ يَخْتَصُّ بها المسلمُ، لا يجوز الاستيجارُ عليها عندنا. (شامي: ٩/ ٧٦) ۔ (آداب الاعتکاف:۱۲۲، جواہر الفتاوی:۳۲۳، آئینۂ رمضان:۲۱۹)

معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کا اعتکاف کرنا سنت ہے، چند ایام اعتکاف کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی، موت واقع ہونے کی صورت میں معتکف نے اعتکاف پورا نہیں کیا؛ کیونکہ اس کا اعتکاف عشرہ تک نہ رہا، اگر اس کے علاوہ کوئی اور شخص اعتکاف میں نہ بیٹھا ہو تو پوری بستی پر ذمہ داری باقی رہے گی۔ (فتاوی حقانیہ:۴/۱۹۸)؛ البتہ چونکہ بستی والوں نے ایک کو اعتکاف کے لیے بٹھا دیا تھا اور موت کا وقوع شاذ ونادر ہے، نیز موت ہوجانے کی صورت میں یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا شخص اسی وقت سے بناء کرلے، اس لیے امید ہے کہ ایسی صورت میں بستی والے گنہگار نہ ہوں گے۔

دورانِ اعتکاف انتقال کی صورت میں مکمل اعتکاف کا ثواب

اگر کسی شخص کی دوران اعتکاف وفات ہوجائے، جس کی وجہ سے وہ تکمیل نہ کرسکے تو چونکہ اس کی نیت پورے عشرہ کے اعتکاف کی تھی؛ اس لیے ان شاء اللہ اسے اس کا پورا اجر ملے گا۔ قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ﴾ (النساء: ١٠٠) وعن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ فيما يروي عن ربّه قال: قال: مَن هَمَّ بِحَسَنَةٍ فلم يعملْها، كتبَها اللّٰه لَهُ عنده حَسَنَةً كاملةً، فإن هو هَمَّ بها فعملها، كتبها اللّٰه له بها عنده عشرَ حسناتٍ إلى سبعِ مأةِ ضِعْفٍ إلى أضعافٍ كثيرةٍ. (البخاري/ الرقاق/ من همَّ بحسنةٍ أو سيئةٍ: ٢/ ٩٦٠، ٩٦١ رقم: ٦٤٩١)۔ (فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۷۸)

معتکف کا شبِ عید مسجد میں ہی گزارنا مستحب ہے

عن إبراهيم قال: كانوا يَستحِبُّونَ لِلْمُعْتَكِفِ أن يبيتَ ليلةَ الفطر في مسجدِه؛حتى يكونَ غُدُوُّهُ منه.(مصنف ابن أبي شيبة۳/۹۲رقم: ۹۷۷۱)

’’حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرات (صحابہؓ وتابعینؒ) مستحب سمجھتے تھے کہ معتکف شبِ عید،مسجد ہی میں گذارے یہاں تک کہ صبح ہوجائے۔‘‘

وعن أبي مِجْلَزٍ قال: بِتْ ليلةَالفطر في ا لمسجدالذي اعتكفتَ فيه،حتى يكونَ غُدُوُّكَ إلى مصلّاك منه.(مصنف ابنِ أبي شيبة: ۳/۹۲رقم: ۹۷۷۲)

’’حضرت ابی مجلزؒ فرماتے ہیں کہ شبِ عیداسی مسجد میں گذارو، جس میں اعتکاف کیاہے،صبح عیدگاہ وہیں سے جاؤ۔‘‘

فائدہ:معتکف کے لیے باعثِ فضیلت ہے کہ شبِ عیدگزارکر،وہیں سے عیدگاہ جائے، اس کے بعدگھر آئے۔امام مالکؒ نے موطاً میں بھی یہی طریقہ نقل کیاہے،اس میں شبِ عید کی فضیلتِ احیاءکوبھی وہ پالے گا۔

چنانچہ ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جوعیدین کی راتوں میں ثواب کی نیت سے عبادت کرے گا،اس کا دل اس دن زندہ رہے گا،جس دن لوگوں کے دل مردہ ہونگے،علامہ نوویؒ نے اس رات کی عبادت کومستحب قراردیاہے۔(الأذکار:۱۴۵)۔(آداب الاعتکاف:۴۰)

عذرکی وجہ سے اعتکاف نہ کرنا

بوجہِ عذراعتکاف کوترک کرنا گناہ اورموجبِ ملامت نہیں ہے،دُرِّمختار باب الاعتکاف میں ہے: سُنَّةٌ مُؤَكَّدةٌفي العشرِ الأخيرِ من رمضانَ،أي سنةُ كفايةٍ....... لاقترانِها بعدمِ الإنْكارِ علىٰ مَنْ لَمْ يفعلْه من الصَّحابةِ.(در مختارمع شامي :۳/ ۴۳۰)وفي النُّقايةِ: ثم اعتكاف العشرِالأخيرِ سنَّةٌ مُؤَكَّدةٌ على الكفاية للإجماع علىٰ عدمِ مَلامةِ بعضِ أهْلِ بلدةٍ لم يأتُوا به إذاأتىٰ بعضٌ منهم.(نقايه: ۱۸۰)۔(فتاویٰ دارالعلوم:۶/۵۰۶،امدادالاحکام:۳/۱۴۳)

والدین کی اجازت کےبغیراعتکاف کرنا

اگروالدین خدمت کے محتاج ہیں اورکوئی خدمت کرنے والا نہ ہوتو والدین کی خدمت کرنا اعتکاف پر مقدم ہے؛ کیونکہ ان کی خدمت کرنا فرض ہے اور بہت ہی باعثِ اجروثواب ہے۔(آئینۂ رمضان:۲۹۶)اگروالدین خدمت کے محتاج نہ ہوں،یا خدمت کرنے والے موجود ہوں توان کی اجازت کے بغیر بھی اعتکاف میں بیٹھنے کی گنجائش ہوگی،ایسی صورت میں اعتکاف میں بیٹھنے کی صورت میں والدین کی نافرمانی کا گناہ نہ ہوگا۔وفي الخانِيَّةِ:ولو أراد الخروجَ إلى الحجِّ وكَرِهَ ذلك ،قالو:إن اسْتَغْنَى الأبُ عن خدمتِه،فلا بأْسَ وإلَّا فلا يَسَعُه الخُرُوجُ .(شامي:۹/۵۸۴)(۱)

---

(۱) کن چیزوں میں والدین کی اطاعت ضروری ہے اور کن میں نہیں ،اس سلسلے میں چند باتوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱) جوامرشرعاً واجب ہواور ماں باپ اس سے منع کریں تواس میں ان کی اطاعت جائز ہی نہیں؛ چہ جائے کہ واجب ہو۔مثلاً: اگر مالی وسعت کم ہےاور ماں باپ کی خدمت کرنے سے بیوی بچوں کوتکلیف ہوگی،یعنی ان کے حقوقِ واجبہ ضائع ہونگے ،تو بیوی بچوں کوتکلیف دے کر ماں باپ پرخرچ کرنا جائزنہیں۔یا مثلاً: بیوی شوہر کے ماں باپ سے علیحدہ رہنے کا مطالبہ کرے ماں باپ اس کواپنے ساتھ رکھنے کوکہیں،تو شوہر کے لیے جائزنہیں کہ اس حالت میں بیوی کواس کی مرضی کے علی الرغم اپنے والدین کے ساتھ رکھے،یا مثلاً: اگر ماں باپ حجِ فرض یا طلبِ علم بقدرِفرض کے لیے جانے نہ دیں،تواس میں بھی ان کی اطاعت ضروری نہ ہوگی۔

(۲) جوامرشرعاً ناجائز ہواور ماں باپ اس کوکرنے کاحکم دیں،تواس میں بھی ان کی اطاعت جائزنہیں،مثلاً وہ کسی ناجائز ملازمت کاحکم دیں یارسومِ جاہلیت کواختیارکرنے کوکہیں یاایسے کسی اورناجائز کام کوکہیں،تواس میں ان کی اطاعت جائزنہیں۔

(۳) جوامرشرعاً نہ واجب ہو، نہ ممنوع ہو؛ بلکہ مباح ہو؛ خواہ مستحب کیوں نہ ہواور ماں باپ اس کوکرنے یانہ کرنے کوکہیں،تواس میں تفصیل ہے:

اگراس امرکی اس شخص کوایسی ضرورت ہوکہ اس کے بغیرتکلیف ہوگی،مثلاً:غریب آدمی ہے پیسہ پاس نہیں ہےاوربستی میں کوئی کمائی کی صورت نہیں ہے،مگر ماں باپ جانے سے روکیں توایسی صورت میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں۔

بقیہ آئندہ صفحہ پر..........

معتکف کے لیے مسجد کی اشیاء کا استعمال کرنا

مسجد کی وہ اشیاء جسے استعمال کرنے کا حق ہر مصلّی کو ہے، اسے استعمال کرنے کا حق معتکف کو بھی ہے، اور جتنا حق مصلّی کو ہے، اتنا ہی حق اعتکاف کرنے والے کو بھی ہے؛ اس لیے روزانہ جتنی دیر چراغ جلتا تھا، اس سے زیادہ دیر مسجد کا چراغ جلانا جائز نہیں ہے۔ **ولو وقف علٰی دُهْنِ السِّراجِ للمسجدِ، لا يجوزُ وضْعُه جميعَ اللَّيلِ؛ بلْ بقدرِ حاجةِ المُصَلِّيْنَ.** (الهندية: ۲/ ۴۲۰) مسجد کے گدّے وغیرہ جو مسجد کے لیے وقف کیے گئے ہیں، ان میں واقف کی نیت کے مطابق عمل کیا جائے۔ (فتاوی دینیہ: ۸۴، ۸۵) چراغ کے حکم میں لائٹ اور پنکھے بھی داخل ہیں؛ البتہ اگر معطین کی طرف سے معتکفین کو صراحۃً یا دلالۃً ان اشیاء کے استعمال کی اجازت خارجِ نماز کے لیے بھی ہو جائے تو پھر ان اشیاء کے استعمال کی گنجائش ہوگی، عدمِ اذن کی صورت میں اگر ان اشیاء کا استعمال ہوا ہو، تو زائد استعمال کے مصارف دے دیے جائیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۴/ ۶۴۵)

بقیہ گذشتہ صفحہ کا..................

اور اگر اس درجہ کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے بغیر تکلیف ہوگی، تو بھی اس امر سے باز رہنا ضروری نہیں؛ بلکہ دیکھنا چاہیے کہ اس کام کے کرنے میں اس کو کوئی خطرہ یا ضرر ہے یا نہیں، نیز یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس شخص کے اس کام میں مشغول ہو جانے سے کوئی خادم یا سامان نہ ہونے کی وجہ سے ماں باپ کے تکلیف اٹھانے کا احتمالِ قوی ہے یا نہیں۔

(۱) اگر اس کام میں خطرہ ہے یا اس کے غائب ہو جانے سے بے سروسامانی کی وجہ سے ماں باپ کو تکلیف ہوگی، تو ان کی مخالفت جائز نہیں، مثلاً: غیر واجب لڑائی میں جانا یا سفر کی صورت میں ماں باپ کی خبر گیری کرنے والا بھی کوئی نہیں، خادم کا انتظام کرنے کی گنجائش نہیں اور وہ کام اور وہ سفر بھی ضروری نہیں تو اس حالت میں ان کی اطاعت واجب ہوگی۔

(۲) اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو، یعنی نہ اس کام یا سفر میں اس کو کوئی خطرہ ہو اور نہ والدین کی مشقت اور تکلیفِ ظاہری کا کوئی احتمالِ قوی ہو، تو بلا ضرورت بھی وہ کام یا سفر باوجود ان کی ممانعت کے جائز ہے؛ اگرچہ مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی ان کی اطاعت کرے۔ (درسِ ترمذی: ۳/ ۵۰۳، ۵۰۴)

معتکفین کا آخری دن جمع ہوکر مبارکبادی دینا اور اجتماعی دعا کرنا

اعتکاف کے اختتام پر معتکفین جمع ہوکر دعا کرتے ہیں اور ایک بہت ہی اہم عبادت کی توفیق ہوئی؛ اس لیے ایک دوسرے کو مبارک بادی پیش کرتے ہیں، تو یہ جائز ہے، منع کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ لیکن دوسرے لوگ علم کی کمی کی وجہ سے ضروری سمجھ لیں گے اور آئندہ کے لوازمات میں شمار کرلیں گے، جس سے بدعت کا دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہے؛ اس لیے سمجھا کر روک دینا چاہیے؛ تاکہ اعتکاف کی عبادت اپنی اصلی ہیئت اور صورتِ نورانی پر باقی رہے اور بدعت کی ظلمت سے ملوث نہ ہو۔ (فتاوی دینیہ: ۹۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محلّ اعتکاف کا بیان

اعتکاف کی افضل جگہ

اعتکاف ہر ایسی مسجد میں درست ہے، جس میں نمازِ پنج گانہ ادا کی جاتی ہے؛ لیکن مرد کے لیے اعتکاف کی سب سے افضل جگہ مسجدِ حرام ہے، پھر مسجدِ نبوی، پھر مسجدِ اقصی، پھر جامع مسجد جس میں جماعت کا انتظام ہو، اور جامع مسجد میں اعتکاف کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے لیے کہیں اور جانا نہیں پڑے گا، پھر اپنی مسجد ہے، پھر وہ مسجد جس میں نمازی زیادہ ہوں۔ قال في النَّهرِ والفتحِ : وأفضلُ الاعتكاف ففي المسجدِ الحرام ،ثُمَّ في مسجدِه صلی اللہ علیہ وسلم ،ثُمَّ في المسجدِ الأقصٰى ،ثم في الجامعِ ، قيل:إذا كان يُصَلّٰى فيه بِجماعةٍ،فإن لم يكن ففي مسجدِه أفضلُ؛ لئلَّايحتاج إلى الخروجِ ، ثم ماكان أهلُه أكثرَ .(شامي:۴۲۹/۳).وفي الخلاصه :قال القاضِيْ الإمامُ:الاعتكافُ في المسجدِ الجامعِ أفضلُ،إِذا كان يُصَلّٰى فيهِ الصَّلَواتُ الْخَمْسُ ،أما إذالم يكن فالاعتكافُ في مسجدِه أفضلُ.(خلاصة الفتاوى: ۲۶۷/۱)(فضائلِ اعمال رفضائلِ رمضان:۶۱۴، کتاب الفتاوی:۵۱/۳)(۱)

---

(۱) بدائع، تبیین، والوالجیہ اور عالمگیری وغیرہ میں مسجدِ جامع کے بعد کثرتِ جماعت والی مسجد کو جامع مسجد کے معنی میں رکھ کر اس کو محلے کی مسجد پر مقدم کیا ہے .قال في البدائع: ثم المسجدُ الجامعُ؛لأَنَّهُ مَجْمَعُ المسلمين؛لإقامةِ الجمعةِ ،ثم بعدَه المساجدُالكبارُ؛لأنها في معنى الجوامعِ لكثرة أهلِها.(بدائع: ۲۸۱/۲)

47

کیا اعتکاف کے لیے مسجد، اذان اور جماعت شرط ہے؟

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مردوں کے اعتکاف کے لیے مسجدِ جماعت کا ہونا شرط ہے، جس میں نماز اپنے اوقاتِ مقررہ پر ادا کی جاتی ہو، اور امام ومؤذن مقرر ہوں۔ قال في الدرالمختار :في مسجدِ جماعةٍ،هو ماله إمامٌ ومؤذِّنٌ أُدِّيَتْ فيهِ الْخَمْسُ أَوْلا ، وعن الإمامِ اشتراطُ أداءِ الْخَمْسِ فيهِ وصحَّحَهُ بَعْضُهُمْ . (درمختار مع شامي:۴۲۹/۳) وفي الخانيةِ وفي روايةٍ : يَصِحُّ في كلِّ مسجدٍ له أذانٌ وإقامةٌ وهُوصحيحٌ؛لقولِ عمرؓ ”لااعْتِكافَ إلَّا فِيْ مسجدٍ له أذانٌ وإقامةٌ“. (الخانية على الهندية: ۱۲۱/۱) پس جس مسجد میں جماعت اپنے اوقاتِ مقررہ پر ادا نہ کی جاتی ہو، اس میں مردوں کے لیے اعتکاف امام صاحبؒ کے قول کے مطابق درست نہیں۔ قال في الطحطاوي : (فلا يصحُّ في مسجدٍ لا تُقامُ فيه الجماعةُ للصَّلاةِ) في الأوْقاتِ الخمسِ (على الْمُخْتَارِ) .....وهذا في حق الرِّجال. (مراقي الفلاح مع طحطاوي: ۶۹۹) نیز فقہائے کرام کا ایسی مسجد سے منتقل ہوکر دوسری مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دینا، جس میں لوگوں کے نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہو، اس پر دال ہے کہ مسجدِ جماعت کا ہونا شرط ہے، قال في البنايةِ: يجوزُ له أنْ يَّتَحَوَّلَ إلٰى مسجدٍ آخرَ في خمسةِ أشْياءَ .....الثاني:أن يَّتفرَّقَ أهلُه فلا يجْتَمِعونَ فيه .(البناية: ۱۲۸/۴، ۱۲۹) البتہ جمہور علماء اور حنفیہ میں سے صاحبین، امام طحاوی، امام ابوبکر جصاص، رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے؛ خواہ اس میں نماز نہ ہوتی ہو۔ ثم اختلف الجُمْهورُ الْمُشْتَرِطُوْنَ الْمَسْجِدَ العامَّ،فقال الشافعيُّ، ومالكٌ وجمهورُهم،يصحُّ الاعتكافُ في كلِّ مسجدٍ؛(حاشية مسلم : ۳۷۱/۱) وفي الدرالمختار:وقالا:يصحُّ في كلِّ مسجدٍ ، وصحَّحَهُ السُّروجي ، وأمَّاالجامعُ فَيَصِحُّ فيهِ مطلقاً .(درمختار) وفي الشَّامي: وصحَّحَهُ السُّروجِي ،وهو اختيارُ الطَّحاوِي ،قال الخير الرَّمَلِيْ :وهُو أيْسَرُ خصُوصاً فِيْ

زمانِنا فَيَنْبَغِي أنْ يُعَوَّلَ عليه.(شامي: ٤٢٩/٣)وفي أحكامِ القرآن للجصَّاص :
وظاهرُ قولِه ﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾يُبِيْحُ الاعتكافَ في
سائرِ الْمَساجدِ؛لعُمُوْمِ اللَّفْظِ،ومَنِ اقْتَصَرَ بِهِ على بعضِها،فعليه بإقامَةِ الدَّلالةِ،
وتخصِيْصُه بمساجدِ الْجَمَاعاتِ،لا دلالةَعليه.(أحكام القرآن
للجصاص: ٣٠٢/١)۔ پتہ چلا کہ خیرالدین رملیؒ نے اس قول کوایسر زمانہ کہاہےاورعلامہ
شامیؒ اس کومحقق مانتے ہوئےقولِ معوَّل (لائق اعتماد قول)فرمارہے ہیں،اورامام ابوبکرجصاصؒ
مسجدِ جماعت کی شرط کولغومان رہے ہیں،ہمارے اکابر میں صاحبِ احسن الفتاوی کی رائے بھی
یہی ہے،حضرت مولانا مفتی رشیداحمد صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں تحریرفرماتے ہیں:

”صحتِ اعتکاف کے لیےعلی الراجح مسجدِ جماعت ہوناشرط نہیں؛لہذاایسی
مسجدمیں اعتکاف صحیح ہے“۔(احسن الفتاوی:۵۱۷/۴)

لہذااگرکہیں ایسی مسجد ہو،جس میں نمازباجماعت نہ ہوتی ہوتوایسی ویران مسجد میں بھی
اعتکاف کرنے کی گنجائش ہوگی۔

اعتکاف کے لیے شرائطِ جمعہ کا پایا جانا

اعتکاف کے لیے جمعہ کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں ؛ بلکہ ہرجگہ (شہریاگاؤں)
میں مسنون علی الکفایہ ہے؛البتہ مسجدایسی ہوجس میں جماعت ہوتی ہو۔الأمرُ الَّذي
لااختلافَ فيه أنه لا يُكْرهُ الاعتكافُ في كل مسجدٍ يُجْمَعُ فيه،و لاأراهُ كَرِهَ
الاعتكافَ في المساجدِ الَّتِيْ لا يُجْمَعُ فيها إلَّاكَرَاهِيَّةَ أنْ يَخْرُجَ الْمُعْتَكِفُ من
مسجدِه الَّذِي اعْتَكَفَ فيه إلى الْجُمْعةِ أويَدَعَها.(موطأ إمام مالك:
٢١٣ط:دارالنفائس)۔ (فتاوی محمودیہ:۲۲۰/۱۰،امدادالاحکام:۱۴۵/۳)

ایسی مسجد میں اعتکاف، جہاں صرف جمعہ کی نماز ہوتی ہو

جامع مسجد میں اعتکاف کرنا مطلقاً بالاتفاق درست ہے(خواہ اس میں پنجگانہ نماز

جماعت سے ادا نہ ہوتی ہو) یعنی جامع مسجد میں اعتکاف جائز ہے، اگرچہ لوگ اس میں
جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں۔وأما الجامعُ،فيَصِحُّ فيه مطلقاً.(در
مختار: ٤٢٩/٣)۔(آئینۂ رمضان:۲۸۲)

مسجدِ طریق میں اعتکاف کا حکم

مسجدِ طریق (جس کے نمازی معلوم نہ ہوں،اورنمازاپنے اوقاتِ مقررہ پرادانہ کی جاتی
ہو)مسجد کے حکم میں ہے؛لیکن اس میں اعتکاف کرنے کاحکم نہیں ہے۔ والمساجدُ الَّتِي
علیٰ قوارِعِ الطَّرِيْقِ،ليس لها جماعةٌ راتِبةٌ في حُكم المسجدِ؛لكنَّهٗ لا يُعْتَكَفُ
فيها.(شامي: ٤٣٠/٢)

غیرموقوفہ مسجد میں اعتکاف

اعتکاف کے لیےموقوفہ مسجد کا ہوناضروری ہے،موقوفہ مسجد کے علاوہ میں اعتکاف جائز
نہیں ہے۔قال تعالیٰ:﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾. (البقرة :١٧٨)قال
العلَّامة الآلُوسِي-رحمهُ اللّٰه تعالیٰ-: وَفِي تَقْيِيْدِ الاعتكافِ با لمساجدِ،دليلٌ
علیٰ أنَّهٗ لايصِحُّ إلافي الْمَسْجِدِ،إذلوجازَ شرعاًفي غيرِه،لَجَازَفي الْبَيْتِ
وهوباطلٌ بالإجماعِ.(روح المعاني : ٦٨/٢)۔(فتاوی محمودیہ:۲۲۶/۱۰،۲۲۷)

جماعت خانے میں اعتکاف

اعتکاف کے لیےمسجدِ شرعی کا ہوناضروری ہے،جماعت خانہ(جومسجد شرعی کے بغیرکسی
جگہ کونماز پڑھنے کے لیےمختص کرلیاگیاہو)میں اعتکاف درست نہیں ہے۔قال تعالیٰ:
﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾(البقرة:١٧٨)وفي البدائع :وأما الَّذي يرجعُ
إلى الْمُعْتَكِفِ فِيه، فالمسجدوَأنه شرطٌ في نَوعَيِ الاعتكافِ الواجبِ والتَّطوُّعِ
.(بدائع: ٢٨٠/٢)البتہ جن ملکوں میں مستقل زمین خرید کرمسجد بنانے کی اجازت نہ
ہواور جہاں لوگ طویل مدت کے لیے زمین کرایے پر لے کرمسجد تعمیر کرتے ہوں، یا بڑے

شہروں میں جہاں عمارتوں کے کسی حصے کو نماز کے لیے خاص کردیا جاتا ہے، اوراس میں پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ جمعہ اورعیدین کی نمازیں بھی ہوتی ہیں اور وہاں دور تک باقاعدہ مسجد نہیں پائی جاتی، یا کسی بستی میں مسلمانوں کے کمزور ہونے کی وجہ سے مسلمان باضابطہ مسجد نہ بنا سکے ہوں، بس ایک جگہ کو نماز کے لیے مختص کرلیا ہو، اگرایسی جگہوں پراس جماعت خانے میں اعتکاف کرلیا جائے توامید ہے کہ سنتِ مؤکدہ کا ثواب مل جائے گا، فقہاء نے عورتوں کے اعتکاف کے مسئلے میں ان کی ''مسجدِ بیت'' کو مسجد کے حکم میں قرار دیا ہے؛ اس لیے ضرورت کے وقت جماعت خانے میں بھی اعتکاف کو درست قرار دیا جاسکتا ہے۔ومنها: مسجدُ الجماعةِ. (الهندية: ۱/ ۲۱۱) والمرأةُ تَعْتَكِفُ في مسجدِ بَيتِها إذا اعْتَكَفَتْ في مسجدِ بيتِها، فتلكَ البُقْعَةُ في حقِّها كمسجدِ الجماعةِ في حقِّ الرجلِ. (الهندية: ۱/ ۲۱۱)۔ (مستفاد فتاوی رحیمیہ: ۷/۲۸۲، کتاب المسائل: ۲/۱۲۴)(۱)

دوکانوں کے اوپر بنائی گئی مسجد میں اعتکاف کا مسئلہ

جومسجد (مملوک غیر موقوف) دوکانوں پر بنائی گئی ہو وہ مسجدِ عرفی ہے، مسجدِ شرعی نہیں ہے۔إنَّ شرط كونه مسجداً أن يكونَ سِفْلُه وَعِلْوُهُ مسجداً؛ لِيَنْقَطِعَ حقُّ العبدِ عنه؛ لقوله تعالىٰ: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ﴾ بخلافِ ما إذا كان السِّردابُ أو الْعِلْوُ موقوفاً لمَصَالِحِ المسجدِ، فإنَّه يجوز؛ إذ لا مِلْكَ فيه لأحدٍ؛ بل هو من تَتْمِيْمِ مصالحِ المسجدِ. (البحر الرائق: ۵/ ۴۲۱) پس اس قسم کی مساجد میں اعتکاف صحیح نہیں ہے. لأنَّ المسجدَ له شرطٌ. (فتاوی فریدیہ: ۴/۱۹۱)

(۱) اعتکاف کے لیے مسجد کا ہونا، جمہور علماء کے نزدیک شرط ہے، مرد کے لیے مسجدِ جماعت کے علاوہ میں اعتکاف کرنا، صرف محمد بن عمر بن لبابہ مالکیؒ کے قول کے مطابق درست ہے ۔ اتفق العلماء على مشروعية المسجدِ للاعتكاف، إلا محمَّدُ بنُ عمرَ بنِ لُبَابَةَ المالكيُّ، فأجازه في كلِّ مكان. (فتح الملهم: ۳/ ۳۴۴) علامہ نوویؒ نے بعض شوافع کی طرف بھی یہ قول منسوب کیا ہے۔وجوَّزَهُ بعضُ أصحابِ مالكٍ وبعضُ أصحابِ الشافعيِّ للمرأةِ والرجلِ في مسجدِ بيتها. (حاشية مسلم: ۱/ ۳۷۱)

عیدگاہ میں اعتکاف

اعتکاف کے لیے شرعی مسجد کا ہونا شرط ہے۔وفي البدائعِ: وأما الَّذي يرجعُ إلى الْمُعْتَكَفِ فِيه، فالمسجد وَأنه شرطٌ في نَوعَيِ الاعتكافِ الواجبِ والتَّطوُّعِ. (بدائع: ۲/ ۲۸۰)، عیدگاہ میں اعتکاف کرنا کافی نہیں۔وينبغي أن لا يصحَّ في مصلَّى العيدِ والجنازةِ. (طحطاوي على الدرالمختار: ۱/ ۳۷۴)۔ (فتاوی محمودیہ: ۲۲۷، ۲۲۸) عیدگاہ صرف اتصالِ صفوف کے سلسلے میں مسجد کے حکم میں ہے، دیگر امور میں اس کا حکم مسجد کا نہیں ہے۔(وأمَّا الْمُتَّخَذُ لصلاة جنازةٍأوْ عيدٍ) فهو (مسجدٌ في حقِّ جوازالاقتداء) وإنِ انْفَصَلَ الصُّفُوفُ رِفقاًبالنَّاسِ (لا في حقِّ غيره) به يُفْتٰى. (الدرالمختار: ۲/ ۴۳۰)

اگر مسجد کئی منزلہ ہو تو اعتکاف کا حکم

اگر مسجد کئی منزلہ ہو تو چونکہ ہر منزل مسجد ہے؛ لہٰذا ہر منزل پر اعتکاف درست ہے، قال النَّوَوِي: ويَصِحُّ في سطحِ المسجدِ ورَحْبَتِهِ كقولِنا؛ لأنَّهما من المسجدِ. (عمدة القاري: ۱۱/ ۴۱۲) اور کسی ایک منزل پر اعتکاف کی غرض سے بیٹھ جانے کے بعد اس کی دوسری منزل پر بھی معتکف جاسکتا ہے؛ بشرطیکہ آنے جانے کا زینہ مسجد کے اندر ہی ہو، حدودِ مسجد سے باہر نہ ہو، ورنہ جانا جائز نہ ہوگا، جانے کی صورت میں اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ أمَّا إذا كان بابُ الْمِئْذَنَةِ في المسجد، فهو والصُّعودُ على سطحِ المسجدِ سواءٌ. (المبسوط للسرخسي: ۳/ ۱۲۶) ولا يدخُلُ سقفاًإلا أن يكون مَمَرُّهُ فيه. (أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۳۰۸)۔ (آداب الاعتکاف: ۱۰۲، مسائل اعتکاف: ۷۹)

ایسی مسجد میں اعتکاف جس میں رات کو رُکنے کی اجازت نہ ہو

اعتکاف میں دن کی طرح رات کا بھی مسجد کے اندر گزارنا ضروری ہے، قال مالكٌ: ولا يَبِيْتُ الْمُعْتَكِفُ إلَّا في المسجدِ الَّذي اعْتَكَفَ فيه. (موطأ إمام مالك: ٢١٣ ط: دار النفائس) جس مسجد میں رات گزارنے کی اجازت نہیں، اس میں اعتکاف درست نہیں۔ وأما مُفسداتُه فمنها: الخروجُ من المسجدِ، فلا يخرج المُعتكِفُ من مُعْتَكَفِهِ ليلاً ونهاراً إلا بعذرٍ، وإن خرج من غير عذرٍ ساعةً، فَسَدَ اعتكافُه. (الهندية: ١/ ٢١٢)۔(مستفاد فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۲۲۴)

غصباً جو حصہ مسجد میں لے لیا گیا ہے، معتکف کا اس میں رہنا

جو جگہ غصباً مسجد میں داخل کی گئی ہے، وہ مسجد نہیں ہوئی، معتکف کا بحالتِ اعتکاف وہاں جانا اور بیٹھنا مفسدِ اعتکاف ہوگا۔ وشرطُه شرطُ سائر التَّبَرُّعاتِ، أفاد أنَّ الوقفَ لابُدَّ أن يكونَ لِمالِكِه وقتَ الْوَقْفِ ملكاً باتًّا.... حتّٰى لو وقف الغاصبُ المغصوبَ لم يصِحَّ. (شامي: ٦/ ٥٢٣)۔(فتاوی دار العلوم: ۶/ ۵۰۵)

مسجد شہید کر دی تو اعتکاف کہاں کیا جائے؟

اگر مسجد شہید کر دی جائے اور وہاں اعتکاف کرنا ممکن نہ ہو (سائبان وغیرہ ڈال کر بھی اعتکاف نہ کیا جا سکے) اور بستی میں دوسری مسجد ہو تو وہاں اعتکاف کیا جائے؛ البتہ اگر اعتکاف میں بیٹھنے کے بعد مسجد کسی حادثہ میں شہید ہوگئی تو معتکف کو چاہیے کہ فوراً دوسری مسجد میں جا کر اپنا اعتکاف پورا کرے۔ فإن خرج من المسجدِ بعذرٍ بأن انْهَدَمَ الْمَسْجِدُ أو أُخرِجَ مُكْرَهاً، فدخل مسجداً آخَرَ من ساعتِهِ، لم يَفْسُدْ اعتكافُه استحساناً. (الهندية: ١/ ٢١٢)۔(فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۲۸۳، فتاوی رحیمیہ: ۷/ ۲۸۳)

معتکف کے لیے مسجد کی حدود

مسجد کا تمام احاطہ عرفاً مسجد ہی کہلاتا ہے؛ لیکن اعتکاف وغیرہ کے بیان میں جہاں مسجد کا لفظ آتا ہے، اس سے مراد وہی جگہ ہوتی ہے، جہاں تک سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے مقرر کی گئی ہو اور نماز کے سوا اس سے کچھ اور مقصود نہ ہو، یعنی مسجد کا اندرونی حصہ برآمدہ اور صحن، اس کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مسجد میں جس جگہ آپ وضو نہیں کر سکتے، جنابت کی حالت میں وہاں نہیں جا سکتے، وہ جگہ مراد ہے، عموماً جہاں تک مسجد کا صحن کہلاتا ہے، وہاں تک مسجد کی حد ہوا کرتی ہے، واضح رہے کہ مسجد کے مسجد ہونے میں بانیٔ مسجد کی نیت کا اعتبار ہوگا، اور اگر بانی نہ ہو تو قرائنِ عرفیہ کا اعتبار ہوگا۔(مسائلِ اعتکاف: ۷۶)

اور آداب الاعتکاف میں ہے:

> ”شرعی مسجد یا حدِ مسجد وہ ہے، جہاں جماعت ہوتی ہے، اور جنبی کا رہنا اور آنا جانا ممنوع و ناجائز ہوتا ہے، عموماً اس کے تین حصے ہوتے ہیں: (۱) اندر کا مسقَّف حصہ (۲) باہر کا دالان یعنی سہ دری (۳) باہر کا غیر مسقّف حصہ، جس میں عموماً گرمی میں جماعت ہوتی ہے، چھت کا نہ ہونا، اسے مسجد ہونے سے خارج نہیں کرتا، یہ تینوں عین مسجد ہیں“۔(امداد الفتاوی: ۲/ ۶۴۰ بحوالہ آداب الاعتکاف: ۷۶)

مسجد کی چھت کا حکم

مسجد کی چھت خواہ کئی منزلہ کیوں نہ ہو عینِ مسجد ہے؛ البتہ اس پر جانے کے بارے میں دو احتمال ہو سکتے ہیں: (۱) زینہ خارجِ مسجد ہو، اس زینہ سے چھت پر جانا، اعتکاف کو فاسد کر دے گا۔ (۲) زینہ مسجد کی حد کے اندر سے ہو، اس وقت جانے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ ولا يدخل سقفاً إلا أن يكون مَمَرُّه فيه. (أحكام القرآن للجصاص: ١/ ٣٠٨)۔(آداب الاعتکاف: ۹۹، مسائل اعتکاف: ۷۶)

جس مسجد کا صحن دوکانوں کی چھت پر ہو، اس کے صحن میں نماز باجماعت کے لیے معتکف کا نکلنا

سوال: جن مساجد کا اندر کا حصہ تو بھراؤ پر بنا ہوا اور صحن دوکانوں پر ہو یہ تو معلوم ہے کہ صحن میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب تو نہیں ملے گا، دریافت کرنا یہ ہے کہ جو شخص اندر کے حصے میں اعتکاف کرے، اس کو جماعت سے نماز ادا کرنے کو صحن مسجد میں آنا (کیونکہ جماعت اکثر اوقات آج کل باہر ہی ہوتی ہے) مفسدِ اعتکاف ہوگا یا نہیں، اور صاحبینؒ اور امام صاحبؒ سے جو اختلاف مفسدِ اعتکاف مسجد سے نکلنے میں ایک ساعت اور ایک وقت نمازِ کامل خارجِ مسجد رہے، اس میں کون سا قول راجح تر ہے؟

جواب: اول تو اگر دوکانیں مسجد کے لیے وقف ہوں تو بعض روایاتِ فقہیہ کی رو سے اس سطح کو مسجد کہنے کی گنجائش ہے، ضرورتِ جماعت میں اس روایت پر عمل جائز ہے، اور دوسرے اگر قولِ راجح ہی لیا جاوے کہ اس کا حکم مسجد کا نہیں؛ تاہم معتکف کو ضرورت کی وجہ سے خروج عن المسجد جائز ہے، خواہ وہ ضرورتِ طبعی ہو یا دینی، اور ادراکِ جماعت مثل ادراکِ جمعہ ضرورتِ دینیہ ہے؛ اس لیے خروج جائز ہے، تیسرے جب پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ کو یہاں تک آنا پڑے گا تو گویا نیت استثناء کی ہوگئی، اور استثناء کے وقت خروج جائز ہے، چوتھے صاحبینؒ کے قول کو بعض نے ترجیح دی ہے۔ کما في المختار۔ (امداد الفتاوی: ۲/۱۵۱)

معتکف کو مسجد کے کن مقامات پر جانا جائز نہیں؟

صحنِ مسجد کے علاوہ جتنی جگہ مسجد کی دوسری ضرورتوں کے لیے مقرر ہو، مثلاً: وضو کرنے کی جگہ، وضو کی ٹونٹیاں، نالیاں، وضو کے لیے بیٹھنے کی جگہ، غسل خانہ، امام ومؤذن کا کمرہ، جنازہ گاہ، دالان وغیرہ کا صدر دروازہ، یا کوئی دوسرا دروازہ جہاں تک جوتے پہنے ہوئے آجاتے ہیں، اور ان سب کی چھتیں، کوئی افتادہ پلاٹ اسی قسم کی وہ تمام جگہیں جو مسجد کی کسی ضرورت ومصلحت کے لیے یا نمازیوں کے آرام کے لیے بنائی گئی ہوں، اگرچہ یہ مسجد کے احاطے کے اندر ہی ہوں؛ لیکن معتکف کے لیے یہ مسجد کے حکم میں نہیں ہیں، ان سب جگہوں

پر معتکف کو جانا جائز نہیں؛ مگر یہ کہ وہاں شریعت نے ضرورۃً جانے کی اجازت دی ہو، جیسے: وضو کرنا، پیشاب یا پاخانہ کرنا، غسلِ جنابت کے لیے جانا، یہ سب بقدرِ ضرورت جائز ہے، بعض مساجد میں تو ضروریاتِ مسجد والا حصہ مسجد سے بالکل الگ اور ممتاز ہوتا ہے، جس کی پہچان مشکل نہیں ہوتی؛ لیکن بعض مساجد میں یہ حصہ اصل مسجد سے اس طرح متصل ہوتا ہے کہ ہر شخص اسے نہیں پہچان سکتا، اور جب تک بانیٔ مسجد صراحتاً نہ بتائے کہ یہ حصہ مسجد نہیں ہے، اس وقت تک اس کا پتہ نہیں چلتا؛ لہٰذا جب کسی شخص کا کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کا ارادہ ہو تو اسے سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہیے کہ مسجد کے بانی یا اس کے متولی سے مسجد کی ٹھیک ٹھیک حدود معلوم کرے، مسجد والوں کو چاہیے کہ وہ مسجد میں ایک ایسا نقشہ مرتب کرکے لٹکا دیں، جس میں مسجد کی حدود واضح کردی گئی ہوں، ورنہ کم از کم بیسویں روزے کو جب معتکفین مسجد میں جمع ہو جائیں تو انھیں زبانی طور پر سمجھا دیا جائے کہ مسجد کی حدود کہاں سے کہاں تک ہیں۔ (مسائلِ اعتکاف: ۷۷، احکامِ اعتکاف: ۳۳، ۳۴)

مسجد سے متصل حجرہ میں اعتکاف

اعتکاف کے لیے مسجد شرط ہے، بدونِ مسجد اعتکاف نہیں ہوتا۔ **ومنها: (أي من الشرائط) مسجدُ الجماعةِ، فيَصِحُّ في كلِّ مسجدٍ لهُ أذانٌ وإقامةٌ هو الصَّحيْحُ. كذا في الخلاصةِ. (الهنديه: ۱/ ۲۱۱)** پس جو حجرہ مسجد سے خارج ہے مسجد نہیں ہے، امام یا متولی یا سامان کے لیے بنایا گیا ہے، اس میں اعتکاف باطل ہے، ہاں! اگر دروازہ یا دیوار توڑ کر مسجد میں شامل کرلیا جائے تو پھر وہاں اعتکاف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے حجرہ کا جزءِ مسجد ہونا ضروری ہے، محض احاطے میں ہونا کافی نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۲۸، امداد الاحکام: ۳/۱۴۵)

نوٹ: وہ حجرہ جو مصالحِ مسجد یا اس کی ضروریات کے لیے بنایا جاتا ہے، وہ خارجِ مسجد ہوتا ہے، بعض مسجدوں میں مغرب کی جانب حجرہ وغیرہ ہوتا ہے، عموماً اس میں مسجد کا سامان رہتا ہے، اس کے متعلق بھی متعین نہیں کہ حدِ مسجد میں ہو؛ بلکہ بانی کی نیت کا اعتبار ہے، معلوم کرلیا جائے کہ خارجِ مسجد ہے یا داخلِ مسجد؟ بعض مساجد میں مسجد سے متصل کمرہ امام کی رہائش کے

لیےتو نہیں ہوتا؛لیکن امام کی تنہائی کی ضروریات کے لیے بنایا جاتا ہے،اس کمرے کو بھی جب تک بانیٔ مسجد نے مسجد نہ قرار دیا ہو،اس وقت تک اسے مسجد نہ سمجھا جائے گا،اور معتکف کو اس میں جانا جائز نہیں، ہاں!اگر بانیٔ مسجد نے اس کے مسجد ہونے کی نیت کر لی ہو تو معتکف اس میں جاسکتا ہے۔(آداب الاعتکاف:۹۹،احکامِ اعتکاف:۳۵)

فصیل داخلِ مسجد ہے یا خارج مسجد؟

سوال:مسجد کی فصیل یعنی منڈیر مسجد کے اندر داخل ہے یا خارج؟

جواب:مسجد کے اندر کے کسی جز کے داخل یا خارج ہونے کا مدار، بانی اور واقف کی نیت پر ہے، اگر وہ موجود نہ ہو تو قرائن پر ہے،تو میرے نزدیک قرائنِ عرفیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے خارج ہے،اگر کسی کو اس کے خلاف قرائن سے محقق ہوجائے تو داخل سمجھنا چاہیے؛لیکن خارج ہونے کی صورت میں بھی،وہاں بیٹھ کر کوئی ایسا فعل نہ کرے،جس کے اثر سے مسجد کا احترام فوت ہوجائے،مثلاً:حقہ وغیرہ وہاں بیٹھ کر پینا،حدیث میں ہے :مــن أكـل الثُّومَ فـلايَـقْـرُ بَنَّ مُصَلَّانـا. اس میں''لايَـقْـرُ بَنَّ'' کالفظ اس دعویٰ مذکور کا مؤید ہے۔(امدادالفتاوی:۲/۱۵۳)

اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس میں(فصیل کے بارے میں)بانیٔ مسجد کی نیت کا اعتبار ہے،اگر اس نے اس فصیل کو داخلِ مسجد سمجھا،تو داخل ہے؛ورنہ خارج اور اکثر سمجھا جاتا ہے کہ جو فصیل فرشِ مسجد سے ملی ہوئی ہے، وہ داخلِ مسجد ہوتی ہے،اور دوسری طرف کی فصیل خارج ہوتی ہے''۔(فتاوی دارالعلوم:۶/۵۰۷)

مسجد کی دیواروں کا حکم

مسجد کی وہ دیواریں جن پر مسجد کی عمارت قائم ہے، مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔ **ويُـكْـرهُ مسحُ الـرِّجْـلِ مـن الـطِّينِ والرَّدْغَةِبأسْطُوانةِ المسجدِ،أو بحائطٍ من**

حِيْطـان المسجد؛لأنَّ حكمَه حكمُ المسجدِ. (البحر الرائق: ۲/ ٦١)؛لہٰذا اس دیوار میں کوئی محراب،طاقچہ،الماری یا کھڑکیاں بنی ہوئی ہوں یا لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا ہو تو ان مقامات پر معتکف آجاسکتا ہے۔(مسائلِ اعتکاف:۷۸،آداب الاعتکاف:۹۹)

مسجد کے کنارے پر الگ بنی دیوار وغیرہ کا حکم

مسجد کی جو دیوار الگ بنی ہوئی ہو،یا اس کے متعلق شبہ ہو کہ پتہ نہیں کہ بانیٔ مسجد نے اس کو شامل کیا ہے یا نہیں، یا دیوار تو نہ ہو؛ بلکہ کوئی ایسی جگہ ہو، جس کے متعلق شبہ ہو کہ معلوم نہیں، یہ مسجد میں شامل ہے یا نہیں، تو جب تک تحقیق نہ کرلے کہ یہ مسجد میں شامل ہے، اس وقت تک وہاں جانا جائز نہیں۔(مسائلِ اعتکاف:۷۸،۷۹)

مسجد کی کھڑکیاں اور جنگلے کا حکم

مسجد کی کھڑکیاں اور جنگلے میں جو اندرونی جانب جگہ رہتی ہے، اگر یہاں معتکف آجائے یا کھڑا ہوجائے یا بیٹھ جائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا، یہ عینِ مسجد ہے۔ **ويُـكْـرهُ مسحُ الـرِّجْلِ من الطِّينِ والرَّدْغَةِبأسْطُوانةِ المسجدِ،أو بحائطٍ من حِيْطانِ المسجد؛لأنَّ حكمَه حكمُ المسجدِ.** (البحر الرائق: ۲/ ٦١)۔(آداب الاعتکاف:۹۹)

معتکف کی چہل قدمی اور اس کے لیے مسجد میں حدود

چہل قدمی ایک تو تفریحاً کی جاتی ہے،اس نقطۂ نظر سے مسجد میں ٹہلنا مناسب نہیں ہے،مسجد میں عملِ غیر موضوع لہ المسجد قصداً کرنا جائز نہیں ہے،اور یہ مَشْي (ٹہلنا) بھی ایسا ہی ہے؛لہٰذا منع کیا جائے گا؛البتہ بعض لوگوں کو طبی اغراض کے تحت چہل قدمی کرنی ہوتی ہے،خاص کر ریاحی تکلیف یا شوگر وغیرہ کی وجہ سے،اس مقصد کے تحت چہل قدمی کرنا درست ہے؛ کیونکہ یہ علاج کے قبیل سے ہے اور انسان کی بنیادی حاجات میں داخل ہے،اور معتکف کے لیے ضروری امور انجام دینے کی اجازت ہے؛بشرطیکہ مسجد کے احترام کے خلاف نہ ہو؛البتہ صرف اتنے ہی حصہ میں چہل قدمی کرنے کی اجازت ہے،جو حصہ مسجد شرعی میں داخل

ہے اور نماز کے لیے متعین ہے۔ وفي جوامع الفقه: للمعتكِف أن يَبِيْعَ ويَشْتَرِيَ ....ويَتَرَدَّدَ في نواحي المسجدِ. (البناية: ٤/ ١٣٠)۔(کتاب الفتاوی :۳/ ۴۵۹، فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۲۷۹، احسن الفتاوی: ۴/ ۵۱۱، فتاوی رحیمیہ: ۷/ ۲۸۱)

صحنِ غیر مسقّف کے دونوں جانب بنے سائبان کا حکم

بعض مساجد میں صحنِ غیر مسقّف کے دونوں جانب سائبان ہوتے ہیں، جس میں بسا اوقات مکتب چلتا ہے، یہ بھی مسجد سے خارج ہیں؛ ورنہ مسجد کی شکل میں بچوں کی تعلیم مکروہ ہوگی؛ لہٰذا بانی سے اس کی نوعیت معلوم کر لی جائے؛ تاکہ اعتکاف فاسد نہ ہو۔ كَفِناءِ مسجدٍ هو المتَّصِلُ به، ليس بينه وبينه طريقٌ، فهو كا لْمُتَّخَذِ لصلاةِ جنازةٍ أو عيدٍ فيما ذُكِرَ. (شامي: ٢/ ٤٣٠)۔(آداب الاعتکاف: ۱۰۰)

محراب کا حکم

محراب جو مغرب کی جانب تھوڑا نکلا ہوا رہتا ہے مسجد ہے، یہاں معتکف جا سکتا ہے۔ داخِلُ المِحرابِ لهُ حكمُ المسجدِ. (الهندية: ٥/ ٣٢١) ۔ (آداب الاعتکاف: ۱۰۰)

مسجد سے متصل جنازہ رکھنے کی جگہ کا حکم

مسجد سے متصل وہ جگہ جہاں جنازہ رکھا جاتا ہے اور جنازہ کی نماز ہوتی ہے، مسجد سے خارج ہے، معتکف کے لیے وہاں نکلنا جائز نہیں۔ كَفِناءِ مسجدٍ هو المكان المتَّصِلُ به ليس بينه وبينه طريقٌ، فهو كا لْمُتَّخَذِ لصلاةِ جنازةٍ أو عيدٍ فيما ذُكِرَ. (شامي: ٢/ ٤٣٠)۔(آداب الاعتکاف: ۱۰۰)

معتکف کا ایک جانب سے دوسری جانب منتقل ہونا

مسجد کی خاص جگہ جو اعتکاف کے لیے تجویز کی گئی ہو، اس میں معتکف کے لیے مقید رہنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ معتکف جس مسجد میں معتکف ہے، اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا

ہے، اور سو سکتا ہے، اس میں کافی توسُّع ہے۔ كما يَظْهَرُ من حدِّهِ، بأنَّهُ لُبْثٌ في مسجدِ جماعةٍ ....وقيَّدَهُ لخُروجِ المحتلِمِ للغسلِ بعدم إمكانِ الغُسلِ في المَسْجِدِ حيثُ قال: وغسلٍ لِواحْتَلَمَ ولا يُمْكِنُهُ الاغتسالُ في المسجد. (شامي: ٤٢٨ .٥٣٥)فعُلِمَ أنَّ المسجدَ كلَّهُ مُعْتَكَفُهُ۔(فتاوی دار العلوم: ۶/ ۵۰۳، ۵۰۴، فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۲۲۵، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۳۳۶)

معتکف ایک ہی جگہ بیٹھے یا کسی دوسری جگہ بھی بیٹھ سکتا ہے؟

معتکف کے لیے ایک جگہ بیٹھنا لازم نہیں، مسجد کے کسی بھی حصے میں جانے کی اجازت ہے، نیز ہر وقت گوشہ میں رہنا بھی ضروری نہیں؛ بلکہ عباداتِ نافلہ وذکر کے لیے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اٹھے بیٹھے۔ لما مرَّ مِنْ قبلُ أنَّ المسجدَ كلَّهُ مُعْتَكَفُهُ. (فتاوی دار العلوم: ۱۰/ ۲۶۰، امداد الفتاوی: ۳/ ۱۴۵)

بحالتِ اعتکاف جگہ تبدیل کرنا

اعتکاف کے لیے مسجد کا ہونا ضروری ہے، معتکف مسجد کے اندر جہاں چاہے رہ سکتا ہے، حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر جگہ تبدیل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ لما مرَّ من قبل أنَّ المسجدَ كلَّهُ مُعْتَكَفُهُ. (فتاوی حقانیہ: ۴/ ۲۰۸)

معتکف کے لیے مسجد کی چھت پر رات گزارنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے اور مسجد میں ایک سیڑھی رکھی ہوئی ہو، اور اس سیڑھی پر چڑھ کر پہلے مسجد کے وضو خانے کی چھت سے گزر کر مسجد کی چھت پر جا کر رات گزار سکتا ہے یا نہیں؟ یا سیڑھی سیدھی چھت پر جائے، یعنی وضو خانے سے نہ گزرنا پڑے تو اس صورت میں مسجد کے اوپر جا کر رات گزار سکتا ہے؟

جواب: دوسری صورت درست ہے۔ ولا يدخل سقفاً إلاأن يكونَ مَمَرُّهُ فيه.

(أحکام القرآن للجصاص: ۳۰۸/۱) اگر مسجد کا بالائی حصہ ابتداء ہی سے نماز کے لیے نہ بنایا گیا ہو تو محض سونے کے لیے اوپر چڑھنا مکروہ ہے۔ **ثم رأیتُ القُهُسْتاني نَقَلَ عن الْمُفید کراهةَ الصُّعُودِ علی سطحِ المسجدِ.** (شامي: ۴۲۸/۲) ۔ **فقط، واللّٰہ أعلم** (خیر الفتاوی: ۱۴۴/۴)

مسجد بارش سے ٹپکتی ہو تو کیا کرے؟

سوال: مسجد بارش سے بے حد ٹپکتی ہے، جب کہ نماز پڑھنا بھی دشوار ہے، لوگوں کو ٹھیک کرانے کی کوئی فکر نہیں ہے، اذان ونماز ہوتی ہے؛ لیکن زور سے بارش ہوتی ہو تو معتکف کا سونا کیا، گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھنا دوبھر ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلی علاج تو یہ ہے کہ چھت درست کرائی جائے اور ہر مسجد ومحلے میں اعتکاف کا انتظام کیا جائے، مسجدِ مذکور میں اعتکاف کی گنجائش نہ ہو تو دوسری مسجد میں منتقل ہو جائے، بحالتِ عذر اس کی اجازت ہے۔ **فإن خرج من المسجد بعذر بأن انْهَدَمَ الْمَسْجِدُ أو أُخْرِجَ مُکْرَهاً، فدخل مسجداً آخَرَ من ساعتِه، لم یَفْسُدْ اعتکافُه استحساناً.** (الهندیة: ۲۱۲/۱) ۔ (فتاوی محمودیہ: ۲۲۹/۱۰)

معتکفین کے لیے مسجد کے کنارے پر ٹونٹی لگانا

سوال: رشید آباد کالونی جامع مسجد رشیدیہ میں، آخری عشرہ رمضان شریف کا اعتکاف کرنے والوں کے لیے مسجد کے صحن کے کنارے پر ٹونٹی لگائی گئی ہے، اس سے صرف معتکف کو سہولت پہونچانا مقصد تھا، جیسے: وضو کرنا، ہاتھ دھونا، پانی پینا، برتن دھونا وغیرہ وغیرہ، اور اس ٹونٹی سے جو پانی آتا ہے، وہ نہ تو مسجد کے صحن میں گرتا ہے اور نہ ہی ٹھہرتا ہے؛ بلکہ نالی کے ذریعے سے پانی حدودِ مسجد سے باہر چلا جاتا ہے، یہ جگہ کچھ اس طرح ہے کہ مسجد کے صحن کے کنارے پر پلاسٹک بچھا کر اور اینٹوں سے حوض کی شکل بنا کر پانی باہر نکالا گیا ہے، ایسا کرنے

سے مسجد کے احترام میں یا معتکف کے اعتکاف میں کچھ کمی یا نقص پڑتا ہو تو قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا جائے۔

الجواب: اگر مسجد کے صحن میں مستعمل پانی نہیں گرتا اور نہ ہی مسجد کی آلودگی ہوتی ہے، تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، اعتکاف میں خلل کے بجائے اعتکاف کی تکمیل ہے؛ کیونکہ صرف ہاتھ دھونے یا کلی وغیرہ کرنے کے لیے معتکف مسجد سے نہیں نکل سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی: ۱۴۷/۴)

مسجد کے صحن میں موجود حوض، خارجِ مسجد ہے یا داخلِ مسجد؟

صحن میں جو حوض ہوتا ہے، مسجد سے خارج ہوتا ہے، وہاں معتکف کو بلا ضرورت جانا درست نہیں۔ (آداب الاعتکاف: ۱۰۲) ابتدائے بناء کے وقت اگر صحن میں حوض بنا دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، اور یہ حصہ شرعی مسجد سے خارج ہوگا۔ (مستفاد فتاوی رحیمیہ: ۹۲/۹، ۹۳)

مسجد کے صحن میں موجود درخت پر چڑھنا

مسجد کے صحن میں اگر درخت ہو تو معتکف کا اس پر چڑھنا مفسدِ اعتکاف نہ ہوگا، کہ یہ مسجد ہے؛ البتہ درخت کا یہاں لگانا ممنوع ہے۔ (آداب الاعتکاف: ۱۰۰)

نفل اور واجب اعتکاف

نفل اعتکاف

اعتکافِ نفل وہ اعتکاف ہے، جو کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے،اس کے لیے نہ کوئی وقت نہ ایام کی تعداد ہے ؛ لہذا نفل تھوڑی دیر کے لیے بھی ہوسکتا ہے ،پھر جب بھی ضرورت یا بلا ضرورت مسجد سے باہر نکلے گا تو نفلی اعتکاف کا تسلسل ختم ہوجائے گا،اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص بھی مسجد میں کسی بھی عبادت کے ارادے سے داخل ہو،اسے یہ نیت کرلینی چاہیے کہ میں جب تک مسجد میں رہوں گا،معتکف رہوں گا،اس صورت میں اس کا مسجد میں جب تک بھی قیام ہوگا،وہ نفلی معتکف شمار ہوگا۔أما النفلُ فلہ الخروجُ؛لأنہ مُنْہٍ لہُ ،لامبطلٌ. (الدرالمختار مع شامي : ۴۳۴/۳) وأقلہ نفلًا ساعةً فلوشرع في نفلِہ، ثمَّ قطعہ،لایلزم قضاؤُ ہ. (تنویر الأبصار مع الرد :۴۳۴/۳)فینْبغِي إذا دَخلَ المسجدَ أن یقولَ :نَوَیْتُ الْاعْتِکافَ مَادُمْتُ فِيْ الْمَسْجِدِ. (مرقاة: ۳۳۵/۴)۔ (کتاب المسائل:۱۲۱/۲،فتاوی محمودیہ:۲۵۷/۱۰)

رمضان کے بغیر نفلی اعتکاف

نفلی اعتکاف رمضان کے بغیر بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو مسجد میں قیام کرنا درست ہے۔وأجمعوا علیٰ أنَّ سنَّةَ الْاعْتِکافِ الْمَنْدُوْبِ إلیھاشَھْرُ رمضانَ کلُّہ أوبعضُہ وأنَّہ جائزٌ في السَّنةِ کلِّھا.(الاستذکار: ۲۷۳/۱۰)

نفل اور مسنون اعتکاف میں فرق

جو پابندیاں اور حقوق اعتکافِ مسنون میں ہیں،وہی پابندیاں اعتکافِ نفل میں بھی ہیں ؛ البتہ نفل اعتکاف میں روزے کی قید نہیں ہے ،اور اعتکافِ مسنون رمضان شریف کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے،اس میں روزہ بھی ہوتا ہے،دوسرے جب بلاضرورت مسجد سے نکلے گا تو نفلی اعتکاف جس کی کوئی مدت متعین نہیں کی تھی،ختم ہوجائے گا،فاسد نہیں ہوگا ،اعتکافِ مسنون ایسی حالت میں فاسد ہوجاتا ہے۔وشُرِطَ الصَّومُ لصحة الأول فقط .....(وحرُمَ علیہ) أي علی المُعتکِف اعتکافًاواجباً،أماالنَّفلُ فلہ الخروجُ؛لأنَّہ مُنْہٍ لہ لامبطلٌ(الخروجُ إلا لحاجةالإنسان). (الدرالمختارمع شامي: ۴۳۴/۳)۔(فتاوی محمودیہ:۲۵۷/۱۰،۲۵۸)

جماعت کے احباب کا مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرنا

سوال : جب جماعتوں کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو جماعت کے ساتھی کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلیں ؛ جبکہ یہ پتہ نہیں ہوتا ہے کہ کتنی دیر بیٹھنا ہے،اور کب کس ضرورت کے تحت مسجد سے نکلنا ہوگا تو کیا اس طرح یہ اعتکاف شمار ہوگا؟

الجواب:اس طرح اعتکاف درست ہے،یہ نیت کرلیں کہ جب تک میں نہ نکلوں اس وقت تک معتکف رہوں گا۔ولیس لأقلِّہ تقدیرٌ علی الظَّاھرِ؛حتّٰی لو دخل المسجدَ ونویٰ الاعتکافَ إلی أن یخرُجَ منہ صحَّ، ھکذا في التبیین.(تبیین الحقائق: ۳۴۹/۱)۔(خیر الفتاوی ۱۲۸/۴)

لفظوں میں اعتکاف کی نیت

سوال:نفلی اعتکاف گھنٹے آدھ گھنٹے کا بھی ہوجاتا ہے یا نہیں؟اور اگر ہوجاتا ہے تو مسجد میں جاتے وقت،یعنی داخل ہوکر کیا نیت کرنی چاہیے،جو روزانہ اعتکاف کا ثواب مل جایا

کرے،لفظوں میں نیت کا طریقہ بتلا دیجئے۔

الجواب حامداًومصلیاً: ”میں جتنی دیر تک مسجد میں ٹھہروں ،اللہ کے لیے معتکف ہوں“۔اس نیت سے مسجد میں داخل ہوجایا کرے،پس جتنی دیر وہاں رہے گا،اعتکاف کا ثواب ملے گا،گھنٹہ بھر ٹھہرے یا کم وبیش۔ولیس لأقلّه تقدیرٌ علی الظَّاهرِ؛ حتّٰی لودخل المسجدَ ونویٰ الاعتکافَ إلی أن یخرُجَ منه صحَّ،هکذا في التبیین.(تبیین الحقائق: ۱/۳۴۹)۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۵۸)

(نوٹ)اگر عربی میں نیت کرنی ہوتو یہ الفاظ کہہ لے۔نَوَیْتُ الْاِعْتِکافَ مَادُمْتُ فِيْ الْمَسْجِدِ.(مرقاة: ۴/۳۳۵) ،یایوں کہہ لے ”نَوَیْتُ الاعْتِکافَ “ اوراس کے ساتھ مسجد میں داخل ہونے کی دعا بھی پڑھ لے۔(آئینہ رمضان:۲۲۹)

مردوں کا نفلی اعتکاف گھر میں کرنا

مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہنے سے اعتکاف کا ثواب ملے گا ،مرد کو گھر میں اعتکاف کی نیت سے رہنے میں ثواب نہیں ملے گا،مردوں کے لیے محلِ اعتکاف صرف شرعی مساجد ہیں ،مساجد کے علاوہ میں مردوں کا اعتکاف کرنا (خواہ نفل ہو) درست نہیں۔

وفي البدائع :وأما الَّذي یرجعُ إلی الْمُعْتَکَفِ فِیه،فالمسجد وَأنه شرطٌ في نَوعَيِ الاعتکافِ الواجبِ والتَّطوُّعِ؛ لقوله.تعالیٰ: ﴿وَلا تُباشِرُوهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِيْ الْمَسَاجِدِ﴾ وَصَفَهُمْ بکونهم عاکِفینَ في المساجد،مع أنهم لم یباشروا الجماعَ في المساجد ،لِیَنْهَوْا عن الجماعِ فیها، فدلَّ أنَّ مکانَ الاعتکاف هو المسجدُ ، یستوي فیه الاعتکافُ الواجبُ والتَّطَوُّعُ؛لأنَّ النَّصَّ مطلقٌ . (بدائع: ۲/۲۸۰)۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۵۹،آداب الاعتکاف:۵۷)

نفل اعتکاف میں جمعہ کے غسل کے لیے نکلنا

سوال: ایک شخص نے رمضان المبارک کے پورے ماہ کا اعتکاف کیا ہے،اس نے

اعتکاف شروع کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ میں جمعہ کے غسل مستحب کے لیے نکلوں گا،مسجد کے احاطے میں غسل خانہ ہے،اس صورت میں وہ غسل کے لیے نکل سکتا ہے؟اگر نیت نہ کی ہوتو وہ جاسکتا ہے یانہیں؟بینوا توجروا.

الجواب: رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے،اس میں اور نذر واجب اعتکاف میں واجب غسل کے علاوہ جمعہ وغیرہ کے غسل کے لیے نکلنے کی اجازت نہیں،عشرۂ اولیٰ اورعشرۂ ثانیہ کا اعتکاف (اگر نذر نہ مانی ہوتو) نفل ہے،اس میں جمعہ کے غسل کے لیے (یاجنازہ کی نماز کے لیے یا مریض کی عیادت کے لیے) نکلنے کی نیت کی ہو یانہ کی ہو، نکلنے سے اعتکاف ختم ہوجائے گا،اس کو فاسد ہونا نہیں کہا جائے گا،اور جب مسجد میں دوبارہ داخل ہوگا،اس وقت سے پھر یہ نفل اعتکاف شروع ہوگا۔والقسم الثالث (مستحبٌّ فیما سواهُ) أي في أيِّ وقتٍ شاءَ، سوی العشرِ الأخیرِ ولم یکن منذوراً. (مراقي الفلاح: ۴۰۸)چندسطروں کے بعد ہے(وانْتَهٰی بِهِ)أي بالخروجِ (غیرُه) أي غیرُ الواجبِ وهو النَّفلُ إذ لیس له حدٌّ.(مراقي الفلاح مع الطحطاوي: ۴۰۹)فقط واللّٰہ أعلم بالصواب .(فتاویٰ رحیمیہ:۷/۲۸۳،خیرالفتاویٰ:۴/۱۴۰)

نفل اعتکاف قطع کرنے سے قضاء واجب ہے یانہیں؟

اعتکافِ نفل کو قطع کر دینے سے قضاء لازم نہیں آتی؛خواہ ایک دن رات سے قبل قطع کیا ہو یا ایک دن اور رات کے بعد جس قدر ادا ہوگیا،وہ ہوگیا؛ کیونکہ بر بنائے روایتِ اصل،ادنیٰ مدت اعتکاف کی ایک ساعت ہے اور اس کے لیے صوم بھی شرط نہیں ہے، بخلاف اعتکاف واجب کے کہ اس کے قطع کردینے سے قضاء لازم آتی ہے اورصوم اس کے لیے شرط ہے۔وفي الدرالمختار: فلو شرع في نفله ثم قَطَعَهُ لا یَلْزِمُهُ قَضَاؤهُ؛لأنَّه لا یُشْتَرطُ لهُ الصومُ علی الظَّاهرِ.(الدرالمختارمع الشامي:۳/۴۳۴)۔(فتاویٰ دارالعلوم: ۶/۵۰۴،احسن الفتاویٰ:۴/۵۱۱)

واجب اعتکاف

درج ذیل تین صورتوں میں حتمی طور پر اعتکاف واجب ہوجاتا ہے:

(۱) کوئی شخص زبان سے یہ کہے کہ ”اللہ کے لیے میرے اوپر مثلاً اتنے دن کا اعتکاف لازم ہے“۔

(۲) یا یہ کہے کہ ”اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو میں اتنے دن اعتکاف کروں گا“ تو اس کام کے ہونے پر اس پر اعتکاف کرنا ضروری ہوگا۔

(۳) جو مسنون اعتکاف کی نیت کرکے شروع کردیا گیا ہو تو شروع کرنے سے وہ واجب ہوجاتا ہے اور اسے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

الاعتكافُ سنَّةٌ مشْروعةٌ يجب بالنَّذرِ والتعليقِ بالشَّرطِ والشُّروعِ فيهِ اعتباراً بسائرِ العباداتِ. (خانية: ۱/ ۲۲۱) **و مثله في الدرالمختار** (۳/ ۴۳۰) **وإنَّما يَصِيْرُ واجباً بأحد أمرينِ : أحدُهماقولٌ،وهو النَّذرُ المُطلقُ بأن يقولَ: لِلّٰه علَيَّ أنْ اعْتَكِفَ يوماً أو شهراً أونحوَذلك ..... ، والثانِي :فعلٌ وهوالشُّروع؛لأن الشُّروع في التطوُّعِ ملزِمٌ عندنا كالنَّذرِ.** (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۷۳،الهندية: ۱/ ۲۱۱،البحر الرئق: ۲/ ۲۹۹،تاتارخانية: ۳/ ۴۴۲)۔ (کتاب المسائل:۲/ ۱۰۶)

اعتکاف کی نذر کیوں درست ہے، جبکہ اس کی جنس سے کوئی چیز واجب نہیں

فقہاء کرامؒ کی تصریح کے مطابق اعتکاف کی نذر صحیح ہوجاتی ہے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے؛ لیکن اس پر ایک علمی اشکال یہ ہوسکتا ہے کہ نذر کی صحت کے لیے فقہاء نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ نذر صرف اس کے مثل کی صحیح ہوتی ہے، جو عبادتِ مقصودہ ہو اور اس کی جنس سے کوئی واجب پایا جاتا ہو؛ لیکن اعتکاف کی جنس سے کوئی واجب موجود نہیں ہے؛ اس لیے

مذکورہ قاعدے کی رو سے اعتکاف منعقد نہ ہونا چاہیے۔ علامہ برجندیؒ نے اس اشکال کا جواب واضح طور پر دیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ علم کے لیے اس کو انھیں کے الفاظ میں نقل کردیا جائے وہ فرماتے ہیں:

فلوقيل: إنَّ النَّذرَ يَقْتَضِي كونَ المنذُورِ فيه قربةً ونفسُ اللُّبثِ في المسجدِ ليس قربةً؛إذ ليس لِلّٰه ـتعالٰى ـ واجبٌ من جنسِه كما في الصومِ والصلاةِ ونحوِهما؛لكن لما كان الغرضُ الأصليُّ منه ا لصَّلاةُ بالجماعةِ ، والصومُ شرطٌ له،كان التزامُه الجماعةَ أوالصَّومَ وهما من القُرَب. (برجندي شرح وقاية)

”یعنی اگرچہ نفس مسجد میں ٹھہرنا کوئی ایسی عبادت نہیں، جس کی جنس سے کوئی واجب موجود ہو؛ لیکن اس کا مقصدِ اصلی نماز باجماعت ہے، اور روزہ اس کے لیے شرط ہے؛ لہذا اعتکاف کی نذر نماز اور روزے کی نذر کو متضمن ہے جو (قابلِ نذر) عبادت ہے؛ اس لیے اعتکاف کی نذر درست ہوجاتی ہے“

علامہ شامیؒ نے بھی اس مسئلے پر کتاب الایمان میں بحث فرمائی ہے اور اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ”لبث فی المسجد“ کی جنس سے قعدۂ اخیرہ فرض ہے، نیز وقوف بعرفہ فرض ہے؛ لیکن ان تمام وجوہ کو نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے:

ثم يقال :تحَقُّقُ الإجماعِ علٰى لُزُومِ الاعتكافِ بالنَّذرِ موجِبُ إهدارِ اشتراطِ وجودِ واجبٍ من جنسِه. (شامي: ۵/ ۵۱۷) جس کا حاصل یہ کہ اعتکاف کی نذر کی حجت عام قاعدے میں تو داخل نہیں ہوتی؛ لیکن چونکہ اس نذر کی صحت پر اجماع منعقد ہوگیا ہے؛ اس لیے اسے معتبر مانا جائے گا۔ (احکامِ اعتکاف:۶۹،۷۰)

نذر کا طریقہ

صرف کسی عبادت کا دل دل میں ارادہ کرلینے سے نذر نہیں ہوتی؛ بلکہ نذر کے الفاظ زبان سے ادا کرنا ضروری ہے؛ چنانچہ اگر کسی شخص نے دل ہی دل میں ارادہ کر رکھا ہے کہ فلاں

دن اعتکاف کروں گا، تو صرف ارادے سے اعتکاف کرنا واجب نہیں ہوگا۔ ولا یجبُ إلاّ بالنَّذرِ والنَّذرُ لا یکونُ إلّا باللِّسان، ولو نَذَرَ بقلبه لایلزَمُ. (البزازیة علی هامش الهندیة: ٤/١٠٥٤) نیز زبان سے بھی اگر صرف ارادہ کا اظہار کیا، مثلاً: یہ کہا کہ ”میرا ارادہ ہے کہ فلاں دن اعتکاف کروں گا“ تو اس سے بھی نذر منعقد نہ ہوگی؛ بلکہ نذر کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا جملہ استعمال کرے، جس کا مفہوم یہ نکلتا ہو کہ میں نے اعتکاف کو اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے یا جو عرفاً نذر کے معنی میں استعمال ہوتا ہو، مثلاً: یہ کہے کہ ”میں فلاں دن کے اعتکاف کی منت مانتا ہوں“ یا ”میں نے فلاں دن کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کرلیا“ یا ”میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ فلاں دن کا اعتکاف کروں گا“ یا ”اللہ تعالیٰ نے فلاں بیمار کو تندرست کردیا تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا“ ان تمام صورتوں میں نذر صحیح ہوجائے گی اور اعتکاف واجب ہوجائے گا۔ (احکامِ اعتکاف:۵۲)

نذر کرتے وقت متصلاً انشاء اللہ کہہ دینا

نذر کرتے وقت اگر متصلاً ”إنشاء اللہ“ کہہ دیا یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ یا جملہ استعمال کیا تو اس وقت نذر صحیح نہ ہوگی، مثلاً: یوں کہا کہ ”اگر فلاں کام ہوگا تو میں انشاء اللہ تین روز اعتکاف کروں گا“ یا ”اللہ نے چاہا تو اتنی رقم صدقہ کروں گا“ یا ”اللہ کی مشیت ہوئی تو ایک بکرا دوں گا“ تو اس طرح کہنے سے نذر صحیح نہیں ہوگی؛ کیونکہ جملہ ”إن شاء اللہ“ کی وجہ سے وجوب اور لزوم کا معنی باقی نہیں رہتا؛ لہٰذا اس طرح کہنے والے پر اعتکاف کرنا، مسمّٰی رقم کا صدقہ کرنا، بکرا صدقہ کرنا واجب اور ضروری نہ ہوگا۔ وَصَلَ بِحَلْفِهٖ ”إنْ شَاءَ اللّٰهُ“ بَطَلَ یَمِیْنُهٗ. (الدر المختار مع الشامي: ٥/٥٢٦)۔ (، جواہر الفتاویٰ:۲۷، احکامِ اعتکاف:۵۳)

لزوم کے الفاظ کے بغیر نذر

اگر کوئی شخص ”إن شاء اللّٰه“ کہے بغیر یہ کہے کہ: ”میں فلاں دن اعتکاف کروں گا“ اور منت یا عہد وغیرہ کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا، تو اس سے نذر منعقد نہیں ہوئی؛ لیکن احتیاطاً اس

کے متعلق عمل کرلے تو بہتر ہے۔ رکنُ النَّذرِ هو الصِّیغَةُ الدَّالَّةُ هو قولُه.......... لِلّٰهِ۔عَزَّشَانُهٗ۔عَلَيَّ کَذا. (بدائع: ٤/٢٢٦) احکامِ اعتکاف:۵۳) واضح رہے کہ یہ حکم نذرِ مطلق کا ہے، نذرِ معلق میں صیغۂ التزام ضروری نہیں؛ کیونکہ تعلیق میں دلالۃ التزام ہوتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۵/۴۸۴)

اعتکاف کی نذر دو طرح ہے

اعتکاف کی نذر دو طرح ہے: معلّق، وغیر معلّق۔

نذرِ معلّق: اس طرح کہ مثلاً یوں کہا جاوے کہ ”میرا فلاں کام ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کے واسطے اعتکاف کروں گا“ یا اس طرح کہا کہ ”فلاں آدمی اگر سفر سے واپس آگیا تو میرے ذمہ تین روز اعتکاف کرنا لازم ہوگا“ اس طرح نذر اور منت ماننے سے اعتکاف لازم ہوجاتا ہے، پھر مشروط کام ہوجانے پر اس نذر کو پورا کرنا فرض اور لازم ہوتا ہے، پورا نہ کرنے سے آدمی سخت گنہ گار ہوجاتا ہے؛ لیکن اگر شرط پوری نہیں ہوئی تو نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہوتا۔

نذرِ غیر معلّق: مثلاً بلا شرط کے کسی نے یوں کہا کہ ”اللہ کے واسطے دس روز کا اعتکاف میرے ذمہ واجب ہے“ یا یوں کہا کہ ”میرے اوپر اللہ کے واسطے دس روز کا اعتکاف لازم ہے“ غرض یہ کہ وجوب اور لزوم کے ہم معنی الفاظ سے نذر اور منت منعقد ہوجائے گی؛ خواہ صریح الفاظ استعمال کرے یا نہ کرے، اعتکاف لازم ہوجائے گا۔ واجبٌ في المنذورِ تنجیزاً أو تعلیقاً. (مراقي الفلاح:) وفي الطحطاوي: قولُه (تنجیزاً) کقوله: ”لِلّٰه عليّ أن اعْتَکِفَ کذا“. قوله (أو تعلیقاً) کقوله: ”إن شفی اللّٰه مریضي فلاناً، لأعتکِفَنَّ کذا“. (طحطاوي علی مراقي الفلاح: ٧٠٠) جب تک آدمی زبان سے نذر کے متعلق الفاظ استعمال نہ کرے گا، صرف دل کی نیت اور ارادے سے نذر منعقد نہ ہوگی، اور اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہوگا، مگر دل کی نیت اور ارادے کے مطابق اس عمل کو کرلینا جس کا ارادہ کیا، بہتر ہے۔ (جواہر الفتاویٰ:۲۶، ۲۷)

باعتبارِ وقت نذر کی قسمیں اور ان کا حکم

نذر باعتبارِ وقت کے کبھی معین اور کبھی غیر معین ہوتی ہے۔

نذرِ معین: نذرِ معین کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مہینے یا دنوں میں اعتکاف کی نیت کرے، مثلاً نذر مانے کہ "شعبان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کروں گا" اس صورت میں انھیں دنوں میں اعتکاف کرنا واجب ہوگا، جن دنوں کی نذر مانی ہے، بلا عذرِ شرعی متعین ایام اور مہینے سے اعتکافِ نذر کو مؤخر کرنا گناہ ہے، نذرِ مؤقت میں متعین زمانے کے گذر جانے سے اعتکافِ نذر یا دوسری نذر ساقط نہیں ہوتی؛ لہٰذا بلا عذر یا عذر کی وجہ سے متعین زمانے میں اگر اعتکافِ نذر یا دوسری نذر کو پورا نہ کیا جاسکا تو دوسرے اوقات میں نذر کو پورا اور قضاء کرنا واجب ہے۔ ولو أوجَبَ على نفسه اعتكافَ شهرٍ بعينه بأن قال: " لِلّٰه عليَّ أن اعْتَكِفَ رَجَبَ" يَلزمُه أن يعتكِفَ فيه لصومه متتابعاً .....فإن لم يعتكفْ في رجب، حتّٰى مضى، يلزمُه اعتكافُ شهرٍ لصومه متتابعاً. (بدائع الصنائع: ۲/۲۷۹)

نذرِ غیر معین: نذرِ غیر معین کا مطلب یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہ کی ہو، مثلاً: یہ نذر مانی کہ "تین دن کا اعتکاف کروں گا" تو اس نذر کو پوری زندگی میں کسی بھی وقت میں ادا کرسکتا ہے، اوران دنوں میں اعتکاف کرنے سے نذر پوری ہوجائے گی؛ البتہ اعتکافِ غیر معین کو بھی جلدی جلدی پوری کرلینا بہتر ہے إذا نَذَرَ اعتكافَ شهرٍ بغير عينِه فجميعُ العمرِ وقتُه، كما في النَّذرِ بالصَّومِ في وقتٍ بغيرِ عينِه وفي أيِّ وقتٍ أدّىٰ، كان مؤدِّياًلا قاضِياً. (بدائع الصنائع: ۲/۲۸۹). (احکامِ اعتکاف: ۵۳، جواہر الفتاویٰ: ۲۸)

ایک دن سے کم کے اعتکاف کی نذر کا حکم

نذر کا اعتکاف ایک دن سے کم کا نہیں ہوتا؛ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک دن سے کم کے اعتکاف کی نذر مانے تو درست نہ ہوگا۔ و على هذه الرواية لا يكون أقلَّ من يوم،

يشير إلى أنه لو صام رجل تطوعاً، ثم قال قبل انتصاف النَّهار: " عليَّ اعتكافُ هذا اليوم" لا يكون عليه شيء؛ لأن صومَه انعقد تطوعاً، فتعذّر جعْلُه بنذر الاعتكافِ. (فتح القدير ۲/۲۹۵)

صرف ایک دن کی نذر کا حکم

اگر کسی نے صرف ایک دن کے اعتکاف کی نذر مانی تو اس پر صرف دن دن کا اعتکاف واجب ہوگا؛ چنانچہ اسے چاہیے کہ صبح صادق سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے، اور شام کو غروبِ آفتاب کے بعد باہر نکلے، ہاں اگر ایک دن اعتکاف کی نذر مانتے وقت دل میں یہ نیت تھی کہ چوبیس گھنٹے اعتکاف کروں گا، یعنی رات اعتکاف میں بسر کروں گا تو پھر چوبیس گھنٹے کا اعتکاف لازم ہوگا، اس صورت میں اسے چاہیے کہ رمضان کے اعتکاف کی طرح غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو اور اگلے غروبِ آفتاب کے بعد باہر نکلے۔ فإن قال: " لِلّٰه عليّ أن اعتكفَ يوماً"، لزمه فقط، سواءٌ نواه فقط أو لم تكن له نيَّةٌ، ولايدخل ليلته، ويدخل المسجد قبل الفجر ويخرج بعد الغروب، فإن نوى اللَّيلةَ معه لزماه. (البحر الرائق: ۲/۵۳۳) و متىٰ دخل في اعتكافه اللَّيلُ أو النهار فابتداؤُهُ من الليلِ. (البحر الرائق: ۲/۵۳٤) (احکامِ اعتکاف: ۵۵، جواہر الفتاویٰ: ۳۰)

اگر صرف ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانے

اگر کسی شخص نے صرف ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو یہ نذر صحیح نہیں ہوئی، اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا؛ کیونکہ رات کے وقت روزہ نہیں ہوسکتا، اور اعتکاف بغیر روزے کے ممکن نہیں، ایسی صورت میں اگر وہ رات کو اعتکاف کرے گا تو اعتکاف نفل کا ثواب ملے گا، اور اگر نذر مانتے وقت یہ
نیت کی تھی کہ دن بھی نذر میں داخل ہے تب بھی وہی حکم ہے اور کچھ واجب نہ ہوگا۔ ولو نَذَرَ اعتكافَ ليلةٍ، لايلزمه شيءٌ، وإن نوى اليوم لم تصحَّ نيَّتُه. (تاتار خانیه: ۳/۴۴۹، ۴۴۹). (احکامِ اعتکاف: ۵۵، جواہر الفتاویٰ: ۳۰)

دو یا دو سے زائد دنوں یا راتوں کے اعتکاف کا حکم

اگر کسی شخص نے دو یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی تو دنوں اور راتوں، دونوں کا اعتکاف لازم ہوگا، اسی طرح اگر دو یا زیادہ راتوں کے اعتکاف کی نذر کی، تب بھی دنوں اور راتوں دونوں کا اعتکاف کرنا ہوگا۔ قال في البدائع: ولو قال:" لِلّٰه عليَّ أن اعتكِفَ يومين" ولا نيَّةَ لـه يلزمه اعتكافُ يومينِ بلَيْلَتِهِما..... و لو قال:" لِلّٰه عليّ أن اعتكفَ ليلتين" ولانيَّةَ لـه يلزم اعتكافُ ليلتين مع يوميهِما...........والأصل في هذا أنَّ الأيامَ إذا ذُكِرَتْ بلفظ الجمع، يدخُل ما بِإزائِها من اللَّيالِي و كذا اللَّيالِي إذا ذُكِرَتْ بلفظ الجمع ، يدخُل مابِإزِ ائِها من الأَيَّامِ .(بدائع الصنائع: ۲/ ۲۷۶، ۲۷۷)۔ (احکامِ اعتکاف:۵۵)

دو یا زیادہ دن کے اعتکاف کی نذر میں صرف دن دن مراد لینا

اگر کسی شخص نے دو یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر کی اور نیت یہ تھی کہ صرف دن دن میں اعتکاف کروں گا اور رات کو مسجد سے باہر آجایا کروں گا تو یہ نیت شرعاً درست ہے، اس صورت میں صرف دنوں کا اعتکاف واجب ہوگا؛ چنانچہ ایسا شخص روزانہ صبح صادق سے پہلے مسجد میں جائے اور غروب آفتاب کے بعد چلا جائے۔ ولو نوی یومین خاصةً دون ليلتِهما صحت نيَّتُه، ويلزم اعتكافُ يومين بغير ليلةٍ ؛ لأنه نوى حقيقةَ كلامِه وهو بالخيارِ إن شاءَ تابَعَ وإن شاء فرَّقَ .....فيدخُل في كل يومٍ المسجدَ قبل طلوع الفجرِ ويخرج منه بعد غروب الشَّمسِ.(بدائع الصنائع: ۲/ ۲۷۷)۔ (احکامِ اعتکاف:۵۵)

دو یا زیادہ راتوں کی نذر میں صرف راتیں مراد لینا

اگر کسی شخص نے دو یا زیادہ راتوں کے اعتکاف کرنے کی نذر کی اور نیت صرف رات

رات کے وقت اعتکاف کرنے کی تھی تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ ولو قال :"لِلّٰه عليّ أن اعتَكِفَ ليلتين" .....ولو نوى اللَّيلَ دون النَّهار صحَّتْ نيَّتُه ؛لأنه نوىٰ حقيقةَ كلامه، ولا يلزمُه شيءٌ.(بدائع الصنائع: ۲/ ۲۷۷)۔ (احکامِ اعتکاف:۵۵)

ایک مہینے کے اعتکاف کی نذر کا حکم

اگر کوئی شخص تیس دن کے اعتکاف کی نذر مانے تو تیس دن، مع رات کے مسلسل اعتکاف کرنا لازم ہوگا؛ البتہ اگر وہ یہ کہے کہ میری نیت صرف دن دن کے اعتکاف کی تھی تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور اس کو متتابعاً یا متفرقاً ہر طرح اعتکاف کرنے کا اختیار ہوگا، اور اگر یہ کہے کہ میری نیت تیس دن سے تیس راتوں کی تھی تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ حقیقتِ کلام کے برخلاف ہے، اور اگر کوئی شخص ایک مہینے کے اعتکاف کی نذر مانے تو دن اور رات دونوں کا اعتکاف کرنا ہوگا، اور اس صورت میں اس کا یہ کہنا کہ میں نے دن مراد لیا تھا یا رات معتبر نہ ہوگا، الّا یہ کہ وہ بوقتِ نذر صراحت کردے کہ ایک مہینے دن کے اعتکاف کی نذر مانتا ہوں۔

نذر میں رات داخل ہونے کی صورت میں دخول کا وقت

جن صورتوں میں بھی اعتکاف کی نذر میں دن کے ساتھ رات شامل ہو، ان سب صورتوں میں طریقہ یہی ہوگا کہ غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، یعنی رات سے اعتکاف کی ابتداء کرے ۔ومتىٰ دَخَلَ في اعتكافه اللَّيلُ مع النَّهار فابتداؤُ ه يكون من اللَّيلِ؛ لأنَّ الأصل أن كلَّ ليلةٍ تتبع اليوم الذي بعدها. (المبسوط:۳/ ۱۲۲). (احکامِ اعتکاف:۵۵)

کیا ایک سے زائد دنوں کی نذر میں تسلسل ضروری ہے؟

ایک سے زائد دنوں کے اعتکاف کی نذر میں دنوں میں پے در پے روزانہ اعتکاف کرنا واجب ہے، بیچ میں وقفہ کرکے اعتکاف نہیں کرسکتا ہے، مثلاً: کسی شخص نے نذر مانی کہ "ایک مہینہ کا اعتکاف کروں گا" تو مسلسل ایک مہینے تک بغیر وقفہ کے روزے کے ساتھ اعتکاف کرنا

واجب ہے ،اگرکسی دن اعتکاف چھوٹ گیا تو ازسرِ نو پورے مہینے کا اعتکاف کرنا واجب ہوگا۔ہاں !اگرنذر کرتے وقت یہ صراحت کردے کہ ’’تیس متفرق دنوں میں اعتکاف کروں گا‘‘ تب وقفہ کے ساتھ بھی اعتکاف کرسکتا ہے۔ولو قال: " لِلّٰه عليَّ أن اعتكفَ شهراً"، يلزمُه اعتكافُ شهرٍ أيَّ شهرٍ كان متتابعاً في النهارِ واللَّيالي جميعاً ،سواء ذَكَرَ التَّتابُعَ أوْلا، وتعيينُ ذلك الشَّهْرِ إليه إلى قوله ولوقال:" لِلّٰه عليّ أن اعتكِفَ شهراً النهارَ دون اللَّيلِ" يلزمُه كما التزمَ وهو اعتكافُ شهرٍ بالأيامِ دون اللَّيالي؛لأنه لمَّا قال: النَّهار دون اللَّيلِ فقد لَغَا ذِكْرُ الشَّهْرِ ......وكان بالخِيارِ إن شاءَ تابَعَ وإن شاءَ فرَّقَ؛لأنه تَلفَّظَ بالنهارّ.(بدائع:۲/۲۷۸). (احکامِ اعتکاف:۵۶)

اعتکافِ منذور میں روزہ

اعتکافِ منذور کے لیے روزہ شرط ہے ،خواہ نذر کے وقت روزہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو،روزہ کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو،حتی کہ اگر روزہ کی نفی کی ہو،تب بھی روزہ رکھنا ضروری ہوگا؛لہٰذا آدمی جب اعتکافِ نذر کو پورا کرے گا ،روزہ کے ساتھ پورا کرے گا ،بغیر روزہ کے اعتکاف نذر صحیح نہ ہوگا۔ومنها: الصومُ وهو شرط الواجبِ منه روايةٌ واحدةٌ .....ولوقال:" لِلّٰه عليّ أن اعتكِفَ شهراًبغير صومٍ" فعليه أن يعتكِفَ ويصومَ. (الهندية: ۱/۲۱۱)۔(احکامِ اعتکاف:۵۴،جواہرالفتاوی:۲۹)

رمضان کے مہینے کے اعتکاف کی نذر

رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر کرے تو رمضان کے روزے کے ساتھ اعتکافِ نذر صحیح ہوگا ،اگر ایسا شخص رمضان کے روزے رکھے اور اعتکاف نہ کرے تو اس کو چاہیے کہ کسی اور مہینے میں روزہ رکھ کر اعتکاف کرے ،اگر اس نے ایسا نہیں کیا اور دوسرا رمضان آ گیا تو اب رمضان کے روزے کے ساتھ قضاء کرنا کافی نہ ہوگا ،اور اس سے نذر ادا نہ ہوگی؛اس لیے کہ جو روزے اپنے وقت سے فوت ہوگئے ،وہ اس کے ذمہ دین ہوگئے اور وہ بالذات مقصود ہوگئے

اور جو چیز بالذات مقصود ہوتی ہے، وہ غیر سے ادا نہیں ہوتی ،یہاں تک کہ اگر کسی مہینے کے اعتکاف کی نذر کی اور رمضان میں اعتکاف کیا تو جائز نہیں ؛البتہ اگر وہ نذر والے رمضان کے روزے بھی نہ رکھے تو روزے کی قضاء کے ساتھ اعتکاف بھی کرسکتا ہے؛اس لیے کہ قضاء مثلِ ادا کے واقع ہوتی ہے۔

بلاتعینِ وقت نذر مان کر رمضان کے روزوں کے ساتھ اعتکاف کرنا

کسی نے بلاتعینِ وقت کسی بھی وقت دس روز یا تین روز اعتکاف کرنے کی منت کی تھی اگر غیر رمضان میں پورا کرتا ہے تو غیر واجب روزوں کے ساتھ پورا کرے گا ،اگر رمضان المبارک میں پورا کرتا ہے تو رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ پورا کرسکتا ہے۔(جواہر الفتاوی:۲۹)

ایامِ خمسہ منہیہ کے اعتکاف کی نذر کا حکم

اگر کوئی شخص ان پانچ دن کے اعتکاف کی نذر مانے (عیدین اور گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ) کہ جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے ،تو یہ نذر درست ہے،ایسے شخص کو چاہیے کہ دوسرے ایام میں روزہ رکھ کر اعتکاف کی قضاء کرے اور اگر اس نے یمین کا ارادہ کیا ہو تو کفارۂ یمین بھی ادا کرے؛لیکن اگر اس نے انھیں ایام میں روزہ رکھ کر اعتکاف کرلیا تو اعتکاف درست ہوجائے گا،اور نذر سے بری ہوجائے گا؛البتہ ایسا کرنا برا ہے۔ قال في البدائع:ولو نذر أن يعتكِفَ يومَيِ العيد و أيَّامِ التَّشْريقِ، فهو على الرِّوايتينِ اللَّتَيْنِ ذَكَرَهُما في الصَّومِ أنَّ علىٰ روايةمحمدٍ عن أبي حنيفةَ يصحُّ نذرُه ؛ لكن يقال له اقضِ في يومٍ آخَرَ ، ويكفر اليمينَ إن كان أراد به اليَمِيْنَ ،وإن اعتكَفَ فيها، جاز وخرج عن عُهْدةِ النَّذرِ وكان مُسِيئاً.(بدائع الصنائع: ۲/۲۸۰)

معین دن یا معین مہینے کے اعتکاف کی نذر مان کر اس سے پہلے کرنا

اگر کوئی شخص کسی معین دن یا معین مہینے کے اعتکاف کی نذر مان کر اس سے پہلے کر لے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ لو نَذَرَ اعتكافَ يومٍ أو شهرٍ مُعَيَّنٍ فاعْتَكَفَ قبله يجوز ؛ لما أنَّ التَّعجيلَ بعد وجودِ السَّببِ جائزٌ. (البحر الرائق: ۵۳۵/۲)

مسجدِ حرام میں اعتکاف کی نذر مان کر کسی اور مسجد میں اعتکاف کرنا

اگر کوئی شخص مسجدِ حرام میں اعتکاف کی نذر مان کر کسی اور مسجد میں اعتکاف کر لے تو ایسا کرنا درست ہے۔ قال في البحر: إذا نَذَرَ الاعتكافَ بالمسجدِ الحرامِ فاعْتَكَفَ في غيرِه، فإنه يَجُوْزُ. (البحر الرائق: ۵۳۵/۲)

زمانۂ ماضی کے اعتکاف کی نذر ماننا

اگر کوئی شخص زمانۂ ماضی کے اعتکاف کی نذر مانے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ قال في المبسوط: وإنْ نَذَرَ اعتكافَ وقتٍ ماضٍ وهو يَعْلَمُ أو لايعلمُ فلا شيءَ عليه؛ لأنَّ ما يُوجِبُه علىٰ نفسه معتبرٌ بما أَوْجَبَ اللّٰهُ تعالىٰ ولَمْ يَتَعَبَّدِ اللّٰهُ بشيءٍ من العباداتِ في الزَّمانِ الماضِي وصحةُ الأداءِ باعتبارِ إمكانِ الأداءِ، وذلك لا يَتَحَقَّقُ في الزَّمنِ الْمَاضِي. (المبسوط للسرخسي: ۱۲۵/۳)

اعتکافِ منذور کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

سوال: کیا مندرجہ ذیل صورتوں میں دن رات دونوں کا اعتکاف کرنا ہوگا، یا صرف دن کا یا صرف رات کا؟

(۱) اگر ایک دن کے اعتکاف کی نذر کی؟

(۲) اگر ایک رات کے اعتکاف کی نذر کی؟

(۳) اگر یہ نذر کی کہ صرف دن کا اعتکاف کروں گا، رات کا نہیں کروں گا؟

(۴) اگر یہ نذر کی کہ صرف رات کا اعتکاف کروں گا، دن کا اعتکاف نہیں کروں گا؟

(۵) اگر یہ نذر کی کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ دنوں کا اعتکاف کروں گا؟

(۶) اگر یہ نذر کی کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ راتوں کا اعتکاف کروں گا؟

(۷) اگر یہ نذر کی کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ دنوں کا اعتکاف کروں گا اور نیت صرف دنوں کی تھی؟

(۸) اگر یہ نذر کی کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ راتوں کا اعتکاف کروں گا اور نیت صرف راتوں کی تھی؟

(۹) اگر دو یا تین یا زیادہ دنوں کی نذر کی اور نیت صرف رات کی تھی؟

(۱۰) اگر دو یا تین یا اس سے زیادہ راتوں کی نذر کی اور نیت صرف دنوں کی تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

(۱) اگر ایک دن کے اعتکاف کی نذر کی تو صرف ایک دن کا اعتکاف واجب ہوگا، صبح صادق کے وقت سے شروع کر کے غروبِ آفتاب تک۔

(۲) اگر ایک دن کے اعتکاف کی نذر کی اور دن رات دونوں کی نیت کی تو دونوں کا واجب ہوگا۔

(۳) اگر ایک رات کے اعتکاف کی نذر کی تو صحیح نہیں، کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۴) اگر ایک رات کے اعتکاف کی نذر کی، مگر رات بول کر دن مراد لیا تو ایک دن کا اعتکاف واجب ہوگا۔

(۵) دِنوں اور راتوں دونوں کا اعتکاف کرنا ہوگا۔

(۶) دِنوں اور راتوں دونوں کا اعتکاف کرنا ہوگا۔

(۷) صرف دِنوں کا اعتکاف واجب ہوگا۔

(۸) کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۹) دن اور رات دونوں کا اعتکاف کرنا ہوگا۔

(۱۰) صرف دنوں کا اعتکاف ضروری ہوگا۔

(احسن الفتاوی:۵۰۴/۴)

منذور اعتکاف قضاء روزے کے ساتھ صحیح نہیں

سوال: منذور اعتکاف ماہِ رمضان کے قضاء روزوں کے ضمن میں ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوا تُوْجَرُوا۔

الجواب: باسم ملهم الصواب

اگر کسی نے معین رمضان میں اعتکاف کی نذر مانی تو اس کو رمضان کے روزوں کے ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے، اگر رمضان میں اعتکاف نہ کرسکا تو اسی رمضان کے قضاء روزوں کے ساتھ بھی ادا ہوسکتا ہے، ورنہ مستقل نفل روزے کے ساتھ اعتکاف کرے، اگر غیر معین اعتکاف کی نذر کی ہو تو اس کے لیے مستقل روزہ رکھے، قضاء روزہ کافی نہیں۔ قال في التنوير: فلو نَذَرَ اعتكافَ شهرِ رمضانَ لَزِمَهُ، وأُجْزَأَهُ عن صوم الاعتكافِ وإن لم يَعْتَكِفْ قَضٰى شهراً بصومٍ مقصودٍ، وفي الشّرح لعودِ شرطِه إلى الكمالِ الاصْليِّ فلم يَجُزْ في رمضان آخرَ ولافي واجبٍ سوىٰ قضاءِ رمضانَ الأوّلِ؛ لأنّه خَلَفٌ عنه وتحقيقُه في الأصولِ في بحثِ الأمرِ. (تنوير مع الدر: ۴۳۲/۳. ۴۳۳)۔ (احسن الفتاوی:۵۰۶/۴)

چالیس دن اعتکاف کی نذر مانی تو لگاتار اعتکاف کرے

سوال: یہ واجب اعتکاف صرف ایصالِ ثواب کے لیے، یعنی غیر مشروط ہے کسی نیت کی وجہ سے نہیں، الفاظ یہ تھے کہ اگلے سال حضور ﷺ کو بغرضِ ثواب چالیس دن اعتکاف کروں گا اور پھر چالیس یوم کا بغرضِ ثواب فلاں فلاں کو۔

اب میں یہ چاہتا ہوں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، ہر ماہ کے درمیانی عشرہ میں گھر پر ہی اعتکاف کروں، کیا میں ایسا کرسکتا ہوں؟

الجواب: مسجد میں لگاتار اعتکاف فرمائیں، تفریق درست نہیں، مراقی میں ہے "ولَزِمَتْهُ الايامُ بنذر الليالي متتابعةً وإن لم يشترِطِ التّتابُعَ في ظاهرِ الرِّوايةِ؛ لأنَّ مَبْنَى الاعتكافِ على التّتَابُعِ، وتاثيرُهُ أنَّ ماكان متفرِّقاً في نفسه لا يجبُ الوصلُ فيه إلا بالتَّنْصِيْصِ وماكان متَّصِلَ الأجزاءِ لايجوزُ تفريقُه إلَّا بالتَّنصِيصِ. (طحطاوي على المراقي: ۳۸۵)منه مالَزِمَ بنذرِ الاعتكافِ وهو مُتَتَابِعٌ وإن لم يَنُصَّ عليهِ. (خیر الفتاوی:۱۳۱/۴)

اعتکاف کی منت پوری نہ کرسکے تو کیا کرے

سوال: میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر میری مراد پوری ہوگئی تو میں اعتکاف میں بیٹھوں گا؛ مگر میں اس طرح نہ کرسکا، تو مجھے بتائیں کہ میں اس کے بدلے میں کیا کروں کہ میری یہ منت پوری ہوجائے، باقی دو روزے نہ رکھنے کے لیے، بتایئے کہ کتنے فقیروں کو کھانا کھلانا ہوگا؟

الجواب: (۱) آپ نے جتنے دن کے اعتکاف کی منت مانگی تھی، اتنے دن کا اعتکاف میں بیٹھنا آپ پر واجب ہے، اور اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا؛ اس لیے ساتھ روزے رکھنا بھی واجب ہے، جب تک آپ یہ واجب ادا نہیں کریں گے، آپ کے ذمہ رہے گا، اور اگر اسی طرح بغیر کیے مرگئے تو قدرت کے باوجود واجب روزوں کے ادا نہ کرنے کی سزا بھگتنا ہوگی، اور آپ کے ذمہ روزوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت بھی لازم ہوگی۔ (۲) جتنے دن کے روزوں کی منت مانی تھی، اتنے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے، اس کا فدیہ ادا نہیں کیا جاسکتا، البتہ آپ اتنے بوڑھے ہوگئے ہوں کہ روزہ نہیں رکھا جاسکتا یا ایسے دائمی مریض ہوں کہ شفا کی امید ختم ہوچکی ہے تو آپ ہر روزے کے عوض کسی محتاج کو دو وقت کا کھانا کھلا دیجئے یا صدقۂ فطر کی مقدار غلہ یا نقد روپے دے دیجئے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۱۹/۳)

اعتکاف منذور ٹوٹنے کی صورت میں قضاء کا حکم

جب ایک سے زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی ہو تو ان دنوں میں پے در پے روزانہ اعتکاف کرنا واجب ہے، بیچ میں وقفہ کر کے اعتکاف نہیں کر سکتا، مثلاً کسی نے نذر مانی کہ ''ایک مہینہ کا اعتکاف کروں گا'' تو مسلسل ایک مہینے تک بغیر وقفے کے روزے کے ساتھ اعتکاف کرنا واجب ہے، اگر کسی دن اعتکاف چھوٹ گیا تو از سرِ نو پورے مہینے کا اعتکاف کرنا واجب ہوگا۔(۱)

ہاں! اگر نذر کرتے وقت یہ صراحت کر دے کہ ''تیس متفرق دنوں میں اعتکاف کروں گا'' تب وقفے کے ساتھ بھی اعتکاف کر سکتا ہے۔(احکامِ اعتکاف:۵۵)

اعتکافِ منذور کا فدیہ

اگر وقت ملنے کے باوجود اعتکافِ نذر پورا نہ کیا، یہاں تک کہ مرضِ موت کا وقت آ گیا یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا، جس کے بعد نذر کو پورا نہیں کر سکتا، تو اس پر واجب ہے کہ اعتکاف کے بدلے فدیہ کے ادائیگی کی وصیت کرے، وصیت کرنے کی صورت میں جتنے دن کی نذر مانی تھی اتنے دن فدیہ واجب ہوگا۔ اور ایک دن کے اعتکاف کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے، اگر اس شخص نے وصیت نہیں کی تو وارثین کے ذمہ فدیہ واجب نہیں، ہاں! اگر بالغ وارثین اپنی طرف سے تبرّعاً ادا کر دیں تو درست ہے۔ قال في الهِندیَّةِ: ولو نَذَرَ

(۱) اعتکافِ منذور معین میں ہندیہ، شامی، بدائع، بحر اور خلاصۃ الفتاوی وغیرہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف اسی دن کی قضاء کرے گا، جس دن کا اعتکاف فاسد ہوا ہے۔ نئے سرے سے اتنے دن پورا کرنا واجب نہیں؛ اس لیے حضرت کی یہ بات علی الاطلاق درست معلوم نہیں ہوتی۔ قال في خلاصة الفتاوی: و في شرح الطحاوي: أوْجَبَ علیٰ نفسه اعتكافَ شهرٍ بعینِهٖ، لَزِمَهٗ مُتَتَابِعاً ولو أفْطَرَ یوماً أو یومین علیه قضاءُ ما أفْطَرَ فلا یَلزَمُهٗ قضاءُ ما صحَّ اعتكافُه فیه ولا یجِب الاستقبالُ و إن لَزِمَهُ التَّتَابُعُ كما في صومِ رمضانَ إن أفْطَرَ یوماً، لا یلزمُه الاستقبالُ وإن أوْجَبَ التّتَابُعَ.(۱/۲۷۱) البتہ اگر سرے سے اعتکاف نہ کر سکے تو تسلسل کے ساتھ اعتکاف کرنا ہوگا۔ وإن فاتَه كلُّه قضَى الكُلَّ متتابعاً؛ لأنه لما لم یَعْتَكِفْ؛ حتَّى مَضَى الْوَقْتُ، صار الاعتكافُ دیناً في ذمته فصار كأنَّه أنْشأ النَّذْرَ باعْتِكافِ شهرٍ بعینهٖ.(بدائع الصنائع:۲/۲۸۹)

اعتكافَ شهرٍ فمَاتَ، أطعم لكلِّ یومٍ نصفَ صاعٍ من برٍّ أو صاعاً من تمرٍ أو شعیرٍ.... ویجبُ علیه أنْ یُّوصِيَ.(الهندیة: ۱/۲۱٤)۔(آداب الاعتکاف:۹۲)

اگر کوئی شخص بیماری میں نذر مانے اور تندرست ہونے سے پہلے وفات پا جائے

اگر کسی شخص کو نذر پوری کرنے کا موقع ہی نہیں ملا، مثلاً: اس نے بیماری میں نذر مانی تھی، اور تندرست ہونے سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر کچھ واجب نہیں؛ لیکن اگر وہ ایک دن بھی اچھا ہوا اور لائقِ اعتکاف ہوا تو ایامِ منذور کا فدیہ اس کے ذمہ واجب ہوگا۔ ولو نَذَرَ اعتكافَ شهرٍ وهو مریضٌ فلم یبرأ حتّٰی مات، لا شيءَ علیه، وإن صحَّ یوماً، ثم ماتَ أطْعَمَ عنه من جمیعِ الشَّهرِ.(فتاوی سراجیه:۱۷۳) (احکامِ اعتکاف:۵۷، آداب الاعتکاف:۹۲)

اعتکافِ منذور کی پابندیاں

اعتکافِ منذور میں وہ تمام پابندیاں ہیں جو اعتکافِ مسنون میں ہیں، یعنی اعتکافِ مسنون میں جن کاموں کے لیے نکلنا جائز ہے، ان کے لیے یہاں بھی جائز ہے اور جن کاموں کے لیے وہاں جائز نہیں، یہاں بھی جائز نہیں۔(احکامِ اعتکاف:۵۷)

☆☆☆☆☆☆☆

نابالغ اور عورت کا اعتکاف

نابالغ کا اعتکاف

نابالغ لڑکا سمجھدار ہو، نماز کو سمجھتا ہو، اور صحیح طریقے سے پڑھتا ہو تو معتکف ہوسکتا ہے؛ البتہ اس کا اعتکاف نفل ہوگا۔ أما البلوغ فليس بشرطٍ لصحة الاعتكافِ، فيصحُّ من الصبيِّ العاقلِ؛ لأنّه من أهلِ العبادة كما يصحُّ منه التَّطوُّعُ. (بدائع الصنائع: ۲/۲۷۴) اگر نا سمجھ ہو تو نہیں بیٹھ سکتا؛ کیونکہ مسجد کی بے ادبی کا اندیشہ ہے۔ قال عليه السَّلام: جَنِّبُوا مساجدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ ومَجَانِيْنَكُمْ. (شامي: ۲/۴۲۹)۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۲۳، فتاوی رحیمیہ: ۷/۲۸۰)

ازواجِ مطہرات کا شوقِ اعتکاف

"عن عائشةَ رضي اللّٰه عنها قالتْ كان رسولُ اللّٰه –صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّم– يَعْتَكِفُ في كلِّ رمضانَ وإذا صلَّى الغداةَ دَخَلَ مكانَه الَّذي اعْتَكَفَ فيهِ قال فاستأذَنَتْه عائشةُ أنْ تَعْتَكِفَ فأُذِنَ لها فضربتْ فيه قُبَّةً فسمعتْ بها حفصةُ فضربتْ قُبَّةً وسمعتْ زينبُ بها فضربتْ قُبَّةً أُخرىٰ الحديث"

(البخاري: الاعتكاف/الاعتكاف في شوال ۱/۲۷۳ رقم: ۲۰۴۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں اعتکاف فرماتے تھے، جب صبح کی نماز پڑھتے تو اعتکاف کی جگہ میں داخل ہوجاتے (ایک موقع پر) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اجازت چاہی کہ اعتکاف کروں، ان کو اجازت مل گئی،

ان کے لیے مسجد میں ایک قبہ بنایا گیا؛ چنانچہ حضرت حفصہؓ نے سنا تو انھوں نے بھی شوقِ اعتکاف میں قبہ بنایا، حضرت زینبؓ نے سنا تو انھوں نے بھی شوقِ اعتکاف میں قبہ بنایا۔" (۱)

ازواجِ مطہرات کا اعتکاف

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ ﷺ کا یہی معمول رہا، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔ ثم اعْتَكَفَتْ أزواجُه أي في بُيُوتِهِنَّ لما سَبَقَ من عدمِ رضاهُ –عليه السلام– لِفِعْلِهِنَّ. (مرقاة: ۴/۳۲۶)

تشریح: ازواجِ مطہرات اپنے حجرہ میں اعتکاف فرماتی تھیں، اور خواتین کے لیے اعتکاف کی جگہ ان کے گھر کی وہی جگہ ہے، جو انھوں نے نماز کے لیے مقرر کر رکھی ہو، اگر گھر میں کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کرلینی چاہیے۔ (مسائلِ اعتکاف: ۲۵)

عورت عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، عورت بھی یہ مسنون اعتکاف کرسکتی ہے، اور اعتکاف کی فضیلت سے فائدہ اٹھا سکتی ہے، اعتکاف کی فضیلت صرف مردوں کے لیے خاص نہیں، ازواجِ مطہرات نے آپ ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ کے بعد اعتکاف کیا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہے، اگر وہ متعین ہے تو اس جگہ کو، اور اگر کوئی جگہ متعین نہ ہو تو کوئی اور جگہ مناسب ہو تو اس کو مخصوص کرکے

(۱) یہ ایک طویل حدیث کا خلاصہ ہے (مکمل حدیث شرح کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ازواجِ مطہرات کے تین خیمے دیکھے تو انھیں اٹھانے کا حکم دیا اور خود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف نہیں فرمایا، اگرچہ تینوں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اس سال اعتکاف نہ فرماسکیں، مگر ان کا شوقِ اعتکاف اس حدیث سے ظاہر ہے۔

وہیں دس دن سنتِ اعتکاف کی نیت کر کے عبادت میں مصروف ہوجائے، اور سوائے حاجاتِ طبعیہ وشرعیہ کے اس جگہ سے نہ اٹھے، والمرأة تعتكفُ في مسجد بيتها فتلك الْبُقْعَةُ في حقِّها كمسجدِ الجماعةِ في حقِّ الرجل، لاتخرج منه إلا لحاجةِ الإنسان. (الهندية: ۱/ ۲۱۱)

عورتوں کے لیے اعتکاف بہ نسبت مردوں کے زیادہ سہل ہے، گھر میں بیٹھے بیٹھے گھریلو کام کے بارے میں بھی گھر کی لڑکیوں سے کہتی رہیں، اور مفت کا ثواب بھی حاصل کرتی رہیں، مگر اس کے باوجود عورتیں اس سنت سے گویا بالکل ہی محروم رہتی ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۷/۲۷۶، ۲۸۶، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۱۵، کتاب المسائل: ۲/۱۲۲، فضائل رمضان: ۵۱)

کیا عورت جگہ متعین کیے بغیر اعتکاف کرسکتی ہے؟

عورت کو چاہیے کہ اپنے مقام میں جہاں پنج گانہ نماز ادا کرتی ہے، وہاں اعتکاف کرے، گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف جائز نہیں؛ البتہ اگر وہاں اعتکاف کے وقت نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کرلے تو وہاں اعتکاف کرسکتی ہے، ورنہ نہیں کرسکتی۔ أو لبث امرأة في مسجدِ بيتِها، ويكره في المسجدِ ولايصحُّ في غير موضعِ صلاتِها. (درمختار مع شامي: ۳/ ۴۲۹) وفي الهندية: ولولم يكن في بيتها مسجدٌ تَجْعَلُ موضعاً منه مسجداً فتعتكِف فيه . (الهندية: ۱/۲۱۱)۔ (فتاوی رحیمیہ: ۷/۲۷۶)
واضح رہے کہ عورت کے لیے اعتکاف میں ایسے گوشہ کا انتخاب کرنا جو ذرا کنارے ہو، بہتر ہے۔

عورت کا جگہ مقرر کر کے اسے بدلنا

سوال: عورت گھر میں جگہ کا تعین کیسے کرے؟ اگر اندر کرے تو رات کے وقت حبس اور گرمی ہوتی ہے، اور باہر کرے تو دن کو دھوپ ہوتی ہے تو عورت جگہ مقرر کرنے کے بعد اسے بدل سکتی ہے؟

الجواب: اعتکاف کے لیے جگہ متعین کرنے کے بعد تغییر وتبدیل جائز نہیں ہے، اندر ہو یا باہر ہو، بہتر یہ ہے کہ برآمدہ وغیرہ کا تعین کیا جائے یا پنکھے وغیرہ کا انتظام کرلیا جائے،

اگر زیادہ تکلیف ہو تو ترک کی بھی گنجائش ہے، سرے سے اعتکاف ہی میں نہ بیٹھے۔ (خیر الفتاوی: ۴/۱۴۳)

مسجد میں عورتوں کے لیے مخصوص کی گئی جگہ میں اعتکاف

عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے، اس کو چاہیے کہ اپنے گھر میں اعتکاف کرے، عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔ ولو اعْتَكَفَتْ في مسجدِ الجماعةِ جازَ، ويُكرهُ. (الهندية: ۱/۲۱۱)۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۷۸)

عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟

عورتوں کے اعتکاف کے بارے میں کراہتِ تنزیہی کا قول منقول ہے، قال في الشامي: قوله: ويُكرهُ في المسجدِ أي تنزيهاً كما هو ظاهرُ النِّهاية. نهر. وصرَّح في البدائعِ بأنّه خلافُ الأفضل. (شامي: ۳/۴۲۹)؛ لیکن علامہ طحطاویؒ نے فرمایا کہ اعتکاف کے مسئلے کو بھی نماز کے مسئلے پر قیاس کیا جائے (جس طرح عورتوں کا نماز کے لیے مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح اعتکاف کے لیے بھی مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہو)؛ تاکہ عورتوں کا مسجد میں اعتکاف کے مسئلے میں کوئی تردد باقی نہ رہے، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے بھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے؛ اس لیے علماء کرام نے عورتوں کے مسجد میں آنے کے بارے میں (خواہ نماز پڑھنے کے لیے ہو یا اعتکاف کے لیے) فتنہ کے خوف سے ناجائز ہونے کا فتوی دیا ہے۔ وفي الطحطاوي: قوله: يُكرهُ في المسجدِ إلّا أنَّه جائزٌ بلا خلافٍ بين أصحابِنا وظاهرُ ما في النِّهايةِ أنَّها كراهةُ تنزيهٍ، وينبغي علىٰ قياس ما مرَّ من أنَّ المُخْتارَ مَنْعُهُنَّ من الخروجِ في الصَّلواتِ كلِّها أنْ لا يَتَرَدَّدَ في مَنْعِهِنَّ في الاعتكافِ في المسجدِ. (طحطاوي على الدر المختار: ۱/۴۷۳) وفيه أيضاً وما في الدُّرِّ الْمُنْتَقٰى يوافقُ ما هُنا، حيثُ قال: وفي الكافي وغيرِه أمَّا

في زمـانِـنا فالمُفتىٰ به منعُ الكلِّ في الكلِّ؛حتىّٰ في الوعظِ ونحوِه.قوله لفساد الزَّمانِ ولذا قالت عائشةُ للنِّساءِ حين شَكَوْنَ اِليها مِن عمرَ؛ لِنَهْيِه عن الخروجِ الي الـمَسَـاجِـدِ ،لوعَلِمَ النَّبيُّ ﷺ ما عَلِمَ عمرُ ما أُذِنَ.(طحطاوي على الدر المختار :۱/۲۴۵).(نجم الفتاوی:۳/۳۰۷،۳۲۷تا۳۲۹)

عورت کے اعتکاف سے مردوں سے سقوطِ اعتکاف

عورت اگر اعتکاف کرتی ہے تو اس کا اعتکاف صحیح ہوجائے گا؛لیکن اس کے اعتکاف سے مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہ ہوگی۔(۱)(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۶۷)

ترکِ اعتکاف سے کیا عورت اور بچے بھی گنہ گار رہوں گے؟

سوال:اگر کسی بستی سے کوئی صاحب معتکف نہ ہوئے تو صرف بالغ مرد گنہ گار رہوں گے یا مرد،عورت،بالغ،نابالغ لڑکے بھی گنہ گار رہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :

نابالغ مکلّف نہیں ہے،اس پر گناہ نہیں،عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے؛ بلکہ اپنے مکان میں ایک جگہ متعین کرکے وہیں اعتکاف کرے،کسی نے بھی نہ کیا تو سب بالغ ترکِ سنت

(۱)عورت چونکہ گھر میں اعتکاف کرے گی؛ اس لیے مسجد کے حق کی ادائیگی نہیں ہوئی؛ جبکہ اعتکاف سے مقصود مسجد کے حق کی ادائیگی ہے،إذالمقصود من الاعتكاف،وهو أداء حقوق المساجد (الانصاف في حكم الاعتكاف:۱۹)لہذا عورت کے گھر میں اعتکاف کرنے کی وجہ سے مردوں کا ذمہ فارغ نہ ہوگا؛البتہ اگر عورت مسجد میں اعتکاف کرے تو ایسا کرنا مکروہ ہے؛لیکن کیا اس صورت میں بھی مردوں سے ذمہ ساقط ہوگا یا نہیں؟اس سلسلے میں کوئی صراحت نظر سے نہیں گذری،احقر کی ناقص رائے میں اس صورت میں فراغ ذمہ ہوجانا چاہیے؛ جیسا کہ عورت کے تنہا نمازِ جنازہ ادا کرنے کی صورت میں مردوں سے سقوطِ ذمہ ہوجاتا ہے؛ کیونکہ اس صورت میں مسلمان کے حق کی ادائیگی پالی گئی،كما أنَّ المقصودَ من صلاة الجنازة أداءُ حقِّ المسلَّم وذلك يَحْصُلُ بفعْلِ البعض .(الانصاف:۱۹)فقہاء کی اس صراحت سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے،کہ اگر عورتیں جہاد کے فریضے کو انجام دے لیتی ہیں تو تمام مکلفین سے ذمہ فارغ ہوجائے گا،إن قام به البعضُ ولو عبيداًأو نساءً،سَقَطَ عن الكلِّ.(درمختار مع شامی:۶/۲۰۰)

کے وبال میں گرفتار رہوں گے۔كما في الجهاد:إن قام به البعضُ....سَقَطَ عن الكلِّ وإلَّا....أُثِمُوا أي أَثِمَ الكُلُّ مِنَ الْمُكلَّفِيْنَ .(درمختار مع شامی:۶/۲۰۰)۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۲۲)

عورت کا اعتکاف گھر میں نفل ہے یا سنت؟

عورت گھر میں مردوں کی طرح نفل اور سنت دونوں اعتکاف کرسکتی ہے،عورت اگر رمضان المبارک کے کامل عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرتی ہے تو وہ اعتکاف سنت اعتکاف کہلائے گا،ورنہ نفل۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۲۲،آداب الاعتکاف:۶۰)

خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف میں بیٹھنا

عورت اگر اعتکاف میں بیٹھنا چاہے اور وہ شادی شدہ ہو تو اس کو چاہیے کہ خاوند کی اجازت سے بیٹھے،خاوند کی اجازت کے بغیر بیوی کے لیے اعتکاف کرنا جائز نہیں۔ولاتَعْتَكِفُ إلا بإذنِ زَوجِها.(فتح القدير : ۲/ ۴۰۰)لیکن شوہروں کو چاہیے کہ وہ بلا وجہ عورتوں کو اعتکاف سے محروم نہ کریں؛ بلکہ اجازت دے دیا کریں۔(احکامِ اعتکاف:۵۸، ۵۹) واضح رہے کہ اگر عورت نے بغیر شوہر کی اجازت کے اعتکاف کرلیا تو اس کا اعتکاف کراہتِ تحریمی کے ساتھ درست ہوجائے گا۔لكِنْ يَحْرُمُ علىَ الْمَرْأةِو العبدِ الاعتكافُ بغير إذن الزَّوجِ والسَّيِّدِ، فلوخالفا صحَّ مع التَّحْرِيمِ. (المجموع:۶/۳۲۴)(۱)

اجازت وغیرہ سے متعلق کچھ ضروری باتیں

۱۔جن عورتوں کے شوہر موجود ہیں ان پر اعتکافِ مسنون اور واجب کے واسطے اپنے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے۔

(۱) میری ناقص رائے میں کراہت اس صورت میں ہے جبکہ شوہر گھر پر ہو،اگر شوہر پردیس میں ہو تو بلا اجازت اعتکاف کرنے میں کراہت نہ ہوگی؛ کیونکہ بلا اجازت اعتکاف کرنے کی وجہ شوہر کی حق تلفی ہے جو یہاں مفقود ہے۔

۲۔جن عورتوں کے شوہر نہیں، وہ اپنے نگراں اور سرپرست کے مشورہ اور ان کی اجازت سے بیٹھیں تو زیادہ بہتر ہے۔

۳۔ہاں جو عورتیں ایسی نہیں ہیں اور فارغ البال بھی ہیں تو ان کے لیے بلا کسی سے مشورہ اور اجازت کے اعتکاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۴۔جس عورت کا شوہر معذور یا بیمار ہو، خدمت کا محتاج ہو، ایسی عورت کو چاہیے کہ اعتکاف میں نہ بیٹھے؛ بلکہ شوہر کی خدمت کرے اس میں زیادہ اجر ملے گا۔

۵۔اسی طرح جن عورتوں کے چھوٹے بچے اور بچیاں ہیں خدمت کے لیے کوئی دوسرا نہیں، یا جوان لڑکیاں ہیں، ان کی دیکھ بھال کے لیے کوئی دوسرا موجود نہیں تو ایسی عورتوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ بچوں کی پرورش وتربیت اور ان کی دیکھ بھال کرتے ہوئے رمضان گزاریں؛ کیوں کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے بچوں کی تربیت میں خلل واقع ہوسکتا ہے۔(جواہر الفتاوی:۴۱)

معتکفہ عورت کا گھر کے صحن میں آنا

اعتکاف کرنے والی عورت اگر اپنے معتکَف (کمرے) سے نکل کر بلا ضرورتِ معتبرہ گھر کے صحن میں آئے گی تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔وحَرُمَ عليه الخروجُ الخ.(تنوير الأبصار) وفي الشَّامِي: أي مِنْ مُعْتَكَفِهِ ولو مسجدَ البيت في حقِّ المرأةِ،فلو خرجتْ منه ولو إلى بيتها بطل اعتكافُها لو واجباً، وانتهىٰ لو نفلاً.
(شامي:۳/۴۳۴،۴۳۵)ولا تخرج المرأة من مسجدِ بيتها، إلى المنزل.
(الهندية: ۱/۲۱۲)۔(کتاب المسائل:۲/۱۲۳)

عورت کا اپنے معتکَف میں رہتے ہوئے گھر کا کام کرنا

عورت اگر اپنے معتکَف (کمرے) میں بیٹھے بیٹھے گھر کا کوئی ضروری کام، مثلاً سبزی وغیرہ کاٹے یا کپڑا وغیرہ سی لے یا کھانا بنالے تو اس سے اس کا اعتکاف نہیں ٹوٹے گا؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ معتکفہ عورت زیادہ وقت عبادت ہی میں گذارے اور گھریلو کام میں بلا ضرورت

مشغول نہ ہو۔مستفاد: و قيل: إن كان الخيَّاطُ يحفَظُ المسجدَ، فلا بأسَ بأنْ يَخِيْطَ فيه . (تبيين الحقائق : ۱/۳۵۲)۔(مستفاد فتاوی محمودیہ میرٹھ: ۱۵/۳۳۴، کتاب المسائل:۲/۱۲۳)

نوٹ! کھانا بنانے، یا کمرے سے باہر جا کر کھانا لانے میں وہی تفصیل ہے، جو مردوں کے بارے میں ہے، جس کا بیان آئندہ آرہا ہے۔

سحری یا افطار کے لیے معتکفہ کا نکلنا

معتکفہ کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سحر یا افطار کرنے کے لیے اپنے معتکَف سے نکلنا جائز نہیں ہے۔(نجم الفتاوی:۳/۳۳۰)

جو عورت کسی مجبوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے اس کا اعتکاف کرنا

اگر کسی عورت نے حالتِ حمل ہونے، یا نومولود کو دودھ پلانے، یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا تو ایسی عورت گھر میں اعتکاف نہیں کرسکتی۔ومقتضىٰ ذلك أنَّ الصَّومَ شرطٌ أيضاً في الاعتكافِ المسنُونِ .....حتى لَوِاعْتَكَفَهُ بلاصومٍ لمرضٍ، أو سفرٍ يَنْبَغِي أن لا يصحَّ عنه؛ بل يكون نفلاً فلا تَحْصُلُ به إقامةُ سنَّة الكفايةِ.(شامي: ۳/۴۳۱)۔(آداب الاعتکاف:۵۰)

معتکفہ عورت شوہر سے الگ رہے

معتکفہ عورت کو اعتکاف کی حالت میں شوہر سے الگ رہنا لازم ہے؛ کیونکہ بحالتِ اعتکاف جماع کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور اعتکاف کے دوران بے حجابی کی باتیں اور بوس وکنار سب سخت مکروہ ہے اور اعتکاف ٹوٹنے کا خطرہ ہے، وحرُم الوطیءُ ودواعِيه . (نورالإيضاح مع المراقي ۳۷۴)ومنها: (أي المُفسدات) فيحرُمُ على الْمُعْتَكِفِ الجماعُ ودواعيه نحوُ:المُباشَرَةِ والتَّقْبِيْلِ واللَّمْسِ والْمُعَانَقَةِ والجماعِ في مادونَ الفرجِ، واللَّيلُ والنَّهارُ في ذلك سواءٌ، والجماع عامداً أو ناسياً ليلاً أو نهاراً،يُفْسِدُ الاعتكافَ؛ أَنْزَلَ أَوْ لَمْ يُنْزِلْ وماسواه يُفْسِدُ إذا

أنْـزَلَ، وإذا لـم يُـنْزِلْ لايُفسِدُ .(الهندية: ۱/ ۲۱۳).وفي الاسْتِذْكارِ:ولا يحلُّ لـرجـلٍ أن يـمَـسَّ امـرأتَـهُ وهـو مُـعْتَـكِفٌ، ولايَتَـلَـذَّذُمـنهـا بِـقُبْـلَةٍ ولا غيرِها. (الاستذکار:۱۰/۳۱۶)۔(کتاب المسائل:۲/۱۲۳)

حالتِ اعتکاف میں شوہر کی ہمبستری

معتکفہ عورت سے اگر اس کا شوہر جماع کرلے تو اس کا اعتکاف باطل ہوجائے گا،اور قضاء لازم ہوگی۔يحتمل أن تكون الزوجةُ معتكفةً في مسجدِ بيتها ،فيأتيها فيه زوجُها فيبطل اعتكافُها.(شامي : ۳/ ٤٤٢)۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۶۹،کتاب المسائل:۲/۱۲۳)

نوٹ:اگر عورت حالتِ اعتکاف میں ہے،شوہر ہمبستری کے لیے کہے تو عورت کو وجہ بتا کر منع کردینا چاہیے،اور شوہر کو بھی ایسی حالت میں وطی اور دواعیٔ وطی سے پرہیز کرنا چاہیے۔

معتکفہ کا شوہر کو کھانا دینے یا بچوں کا پاخانہ وپیشاب دھلانے کے لیے نکلنا

اگر معتکفہ شوہر کو کھانا دینے کے لیے یا بچوں کو پاخانہ پیشاب دھلانے کے لیے بھی مجبوراً ہٹے گی تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔معتکفہ صرف اپنی ضرورت اور وہ ضرورت جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اس کا اس کمرہ میں پورا کرنا ممکن نہ ہو، کے لیے نکل سکتی ہے،بچوں کا پیشاب وپاخانہ صاف کرنا،یا شوہر کو کھانا دینا اس میں داخل نہیں ہے۔(استفادہ آداب الاعتکاف:۶۳)

معتکفہ کا درس دینے کے لیے اپنے کمرے سے دوسرے کمرے جانا

معتکفہ عورت کا درس دینے کے لیے اپنے کمرے سے دوسرے کمرے میں جانا، جائز نہیں ہے،اگر جائے گی تو اعتکاف فاسد ہوجائیگا۔وفي الـمَـجْمَعِ:وفيه إشارةٌ إلىٰ أنَّه

لايـخـرجُ لـعيادةِ المريضِ، و مجلسِ العلمِ ، وصلاةِ الجنازةِ.(مجمع الأنهر :۱/ ۳۷۹) وفي الشَّـامِي: أي مِنْ مُعْتَكِفِهِ ولـو مسجدَ البيت في حقِّ الـمرأةِ،فلوخرجتْ منه ولوإلى بيتها، بطل اعتكافُها لوواجباً، وانتهىٰ لونفلاً. (شامی:۳/ ٤٣٤،٤٣٥)

حیض ونفاس مفسدِ اعتکاف ہیں؟

عورت کے اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے اس کا حیض ونفاس سے پاک ہونا ضروری ہے،اگر اعتکاف کے درمیان حیض آجائے تو اعتکاف چھوڑ دے،حیض کی حالت میں اعتکاف درست نہیں،اور پاک ہونے کے بعد کم از کم ایک دن کی (جس روز حیض آیا ہے) روزے کے ساتھ قضاء کرے،اور اگر ہمت ہو تو پورے دس دنوں یا بقیہ دنوں کے اعتکاف کی روزے کے ساتھ قضاء کرے۔والحائضُ والنُّفَساءُ ليسا بأهلٍ للصَّلٰوةِ، أي فلا يصحُّ اعتكافُهما. (شامي: ۳/ ٤٣٠)وفي البدائع : ولوحاضتِ المرأةُ في حالِ الاعتكافِ فَسَدَ اعتكافُها، لأنَّ الحيضَ يُنافِي أهليةَ الاعتكافِ، لِمُنافاتِها الصَّومَ،ولهذا مُنِعَتْ من انعقادِ الاعتكافِ فتَمْنَعُ من الْبَقاءِ.(بدائع الصنائع :۲/ ۲۸۷).(فتاوی رحیمیہ:۷/۲۸۶،کتاب المسائل:۲/۱۲۱،فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۶۹)

مستحاضہ کا اعتکاف کرنا

”عن عائشةـرضى الله عنهاـ قالت: اعتكَفَتْ مع رسولِ اللهِ ـصلَّى الله عليه وسلَّمـ امرأةٌ من أزواجِه مستحاضةٌ.(بخاری الاعتکاف/ اعتکاف المستحاضة: ۱/ ۲۷۳رقم: ۲۰۳۷)“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی بیوی نے جو مستحاضہ تھیں اعتکاف کیا“۔

فائدہ:اس سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ عورت اعتکاف کرسکتی ہے ؛چونکہ اس پر روزہ

اورنماز ہے،اس خون سے عورت ناپاک نہیں ہوتی ،جب روزہ اور نماز کے لائق رہے گی تواعتکاف کرسکتی ہے ؛چنانچہ حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے استحاضہ کی حالت میں اعتکاف کیا تھا۔ووقع في روايةٍ.........عن عكرمةَأنَّ أمّ سلمة كانَتْ عاكفةً وهي مستحاضةٌ، فأفاد بذلك معرفةُ عينِها.(عمدة القاري: ١١/ ٢١٩). ومما يُسْتَنْبَطُ منه جوازُ اعتكافِ الْمُسْتَحَاضَةِ ، وجوازُصلاتِها ؛لأنَّ حالَها حالُ الطَّاهِراتِ. (عمدة القاري:۳/۴۱۵)۔(آداب الاعتکاف:۳۱)

بیماری کا خون مُفسدِ اعتکاف نہیں

اگرعورت کوحیض ونفاس کے علاوہ کوئی اورخون آ گیا، مثلاً: بیماری وغیرہ سے تو اس اعتکاف میں کوئی خرابی نہ آئے گی،اورنہ اعتکاف ٹوٹے گا۔(آداب الاعتکاف:۶۴)

اگر بیماری کے خون کوحیض کا خون سمجھ کر اعتکاف توڑ دے

اگرعورت کو بیماری کا خون آیااورعورت نے ناواقفیت کی وجہ سے سمجھا کہ اعتکاف فاسد ہوگیااوراعتکاف کی جگہ سے ہٹ گئی تو اب اعتکاف فاسد ہوگیا اور قضاء کرنی پڑے گی۔وإن خرج من غيرعذرساعةً فسد اعتكافُه في قول أبي حنيفةرحمه اللّٰه تعالىٰ۔ سواء كان الخروج عامداً أوناسياً.(عالمگيري :۱/۲۱۲)۔(آداب الاعتکاف:۶۴)

اعتکاف کی حالت میں طلاق ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

اگرعورت مسجد میں معتکف تھی ایسی حالت میں اس کوطلاق دے دی گئی تو اس کو چاہیے کہ اپنے گھر چلی آئے اوراس اعتکاف کی بنا کرکے وہاں معتکف ہوجائے۔ولو كانت المرأةُ معتكفةً في المسجدِ فطلقت لها أن ترجِعَ إلى بيْتِها وتَبْتَنِي علىٰ اعتكافِه.(عالمگيري:۱/۲۱۲)۔(مسائلِ اعتکاف:۲۴)

مستورات کا اعتکاف ٹوٹ جانے پر قضاء کا حکم

اگرعورت کا اعتکاف کسی وجہ سے فاسد ہوجائے تواس کوچاہیے کہ کم ازکم ایک دن کی روزے کے ساتھ قضاء کرے،اوراگر ہمت ہوتو پورے دس دنوں یابقیہ دنوں کے اعتکاف کی روزے کے ساتھ قضاء کرے۔وعلىٰ كلٍّ فيظْهَرُ من بحثِ ابنِ الْهُمامِ لزومُ الاعتكافِ المسنونِ بالشُّروعِ، وأنّ لزومَ قضاء جميعِه أو باقيه مخرَّجٌ على قولِ أبي يوسفؒ ،وأمَّا علىٰ قولِ غيرِه فيَقْضِي اليومَ الَّذي أفْسَدَهُ لاستقلالِ كلِّ يومٍ بنفسهٖ. (شامي: ٣/ ٤٣٤)۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۵۶،فتاوی رحیمیہ:۷/۲۸۶)

نوٹ: قضاء میں مردوعورت کاحکم برابر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

معتکف کے لیے امورِ مباحہ ومندوبہ کا بیان

مباحاتِ اعتکاف

اعتکاف کی حالت میں مندرجہ ذیل کام بلا کراہت جائز ہیں:

(۱) کھانا پینا۔(۲) سونا۔(۳) ضروری خرید وفروخت کرنا، بشرطیکہ سودا مسجد میں نہ لایا جائے، اور خرید وفروخت ضروریاتِ زندگی کے لیے ہو؛ لیکن مسجد کو باقاعدہ تجارت گاہ بنانا جائز نہیں۔(۴) حجامت کرانا (لیکن بال مسجد میں نہ گریں)۔(۵) بات چیت کرنا؛ لیکن فضول گوئی سے پرہیز ضروری ہے (۶) نکاح یا کوئی اور عقد کرنا (۷) کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا، سر میں تیل لگانا۔(۸) مسجد میں کسی مریض کا معائنہ کرنا، اور نسخہ لکھنا یا دوا بتا دینا۔(۹) قرآن کریم یا دینی علوم کی تعلیم دینا۔(۱۰) کپڑے دھونا اور کپڑے سینا۔(۱۱) ضرورت کے وقت مسجد میں ریح خارج کرنا۔(احکامِ اعتکاف:۴۹،۵۰)

اعتکاف میں مسجد کی خدمت کرنا

معتکف کو مسجد کی خدمت کرنا، غیر معتکف کی طرح جائز ہے؛ لیکن خدمت ایسی نہ ہو جس میں مسجد سے باہر جانا پڑے؛ ورنہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ **وإن خرج من غير عذر ساعةً فسد اعتكافُه في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ۔سواء كان الخروج عامداً أو ناسياً. (عالمگيري:۱/۲۱۲)۔(امداد الاحکام:۳/۱۵۰)**

مسجد میں بیٹھ کر طبیب کا مریضوں کو نسخہ لکھنا

مسجد مطب چلانے کے لیے نہیں بنائی گئی ہے۔ **وكُرِهَ عقدُ ما كانَ للتِّجارةِ. (طحطاوي على مراقي الفلاح: ۷۰۴)** اس لیے معتکف کو حالتِ اعتکاف میں مستقلاً یہ مشغلہ اختیار نہ کرنا چاہیے؛ البتہ اگر کوئی مریض اتفاقیہ آیا، اس کو حکیم نے دوا تجویز کردی تو مضائقہ نہیں۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۵۲،فتاوی دارالعلوم:۶/۵۰۱،خیر الفتاوی:۴/۱۴۵)

حالتِ اعتکاف میں ورزش کرنا

سوال: جو شخص ورزش کا عادی ہے، حالتِ اعتکاف میں کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ورزش کے لیے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، اور مسجد میں ورزش خلاف ادب ہے۔ **لأنَّ المسجدَ مَا بُنِيَ لأُمُورِ الدُّنيا. (الهندية: ۵/۳۲۱)** لہٰذا زمانۂ اعتکاف میں اگر تکلیف نہ ہو تو ورزش کو ترک کردینا چاہیے، اور اگر تکلیف زیادہ ناقابل برداشت ہو تو مجبوری میں خلوت کے وقت کرلیا کرے۔ **ومنها: جوازُ غسلِ الرّأسِ في حالِ الاعتكافِ و غسلُ الرأسِ إنَّما هُو لإِصْلاحِ البدنِ، فدلَّ ذلك علىٰ أنَّ للمعتكِفِ أن يفعلَ ما فيه صلاحُ بدنِه. (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۳۱۱)**۔(امداد الاحکام:۳/۱۵۰)

اعتکاف میں خط کا جواب تحریر کرنا

اعتکاف میں ضروری خط لکھنے میں مضائقہ نہیں، خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا۔(امداد الاحکام:۳/۱۵۰، جواہر الفتاوی:۳۷)

معتکف کو دھوپ کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھنا

حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر رہنا ضروری ہے، تمام مسجد معتکف کے لیے معتکَف ہے؛ لہٰذا معتکف آدمی مسجد کے اندر جہاں چاہے قیام کرے؛ اگر چہ مخصوص جگہ کے علاوہ

میں ہو۔لما قال الشیخ عزیز الرحمٰن: ''معتکف جس مسجد میں معتکِف ہے (اعتکاف کیے ہوئے ہے) وہ تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے، اور سوسکتا ہے'' پس اگر سردی کے دنوں میں معتکف اپنی مخصوص جگہ سے نکل کر باہر صحن میں بیٹھے تو اس کی گنجائش ہے۔(فتاوی حقانیہ:۲۰۹/۴)

اعتکاف کے دوران گفتگو کرنا

اعتکاف میں دینی گفتگو جائز ہے، بقدرِ ضرورت دنیوی گفتگو کرنے کی بھی اجازت ہے،فضول اور بلاضرورت باتیں کرنا مکروہ ہے؛ اس لیے بلاوجہ اور بے ضرورت دنیوی گفتگو سے بہرحال احتیاط کرنی چاہیے،مسجد کو فضول گوئی کی جگہ بنانے سے احتراز لازم ہے۔قال في البناية: ولا يتكلّم إلا بخيرٍ قال اللّٰه تعالىٰ:﴿ قُلْ لِعِبَادِيْ يَقُوْلُ الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾ أي قل لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يقولوا للمشركين الكلمةَ الَّتي هي أَحْسَنُ وأَلْيَنُ ولاتحاشوهم، فالنَّصُّ يقتضي أن لا يتكلّم خارجَ المسجدِ إلَّا بخيرٍ فالمسجدُ أولىٰ.(البناية : ٤ / ١٣١)۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۱۷/۳)

معتکف کا مسجد میں موبائل پر بات کرنا

معتکف آمنے سامنے جس طرح ضروری بات کرسکتا ہے،اسی طرح موبائل پر بھی ضروری بات چیت اس کے لیے مباح ہے؛البتہ بلاوجہ اور بے ضرورت دنیوی گفتگو سے بہرحال احتیاط کرنی چاہیے۔ويكره تحريماًصمتٌ ......وتكلُّمٌ إلابخيرٍ وهو مالا إثمَ فيه ،ومنه المباحُ عندالحاجةِإليه لاعندعدمِها.(درمختار: ٣ / ٤٤١، ٤٤٢)ولا يتكلَّمُ بما فيه إثمٌ؛ فإنَّ النَّبيَّ-صلى اللّٰه عليه وسلَّم- كان يحدِّثُ مع النَّاس في اعتكافِه .(تا تارخا نيه: ٢ / ٣١٤ كراچی) ولا يتكلَّمُ إلا بخيرٍ، يعني أنَّ التَّكَلُّمَ بالشَّرِّ في الْمُعْتَكَفِ أشدُّ حرمةً منه في غيرِه.(العناية مع فتح القدير: ٢ / ٣٠٤). (کتاب المسائل: ٢ / ١١٨)

حالتِ اعتکاف میں خاموش رہنا

خاموشی کو عبادت سمجھ کر مستقل خاموش رہنا مکروہ ہے ؛ کیونکہ شریعت میں بالکل خاموش رہنا کوئی عبادت نہیں ہے،اگر خاموشی کو عبادت سمجھ کر کرے گا تو بدعت کا گناہ ہوگا،عبادت سمجھے بغیر گناہ سے اجتناب کے خاطر،حتی الامکان خاموشی کا اہتمام کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے؛البتہ جہاں ضرورت ہو وہاں بولنے سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔قال في الولوالجية : ويكره له الصَّمتُ في الاعتكافِ ؛لأنَّ النَّبي-صلى اللّٰه عليه وسلَّم- نَهٰى عن صومِ الصَّمتِ فكذا يُكْره اعتكافُ الصمتِ. (الولوالجية : ١ / ٢٤٣)وفي اللباب: ويكره له الصمتُ إن اعتقده قربةً ؛لأنه ليس قربةً في شريعتنا ، أما حفظُ اللِّسان عمَّا لايَعْنِي الإنسان، فإنه من حُسْنِ الإيمان .(اللباب: ١٨١)وفي المراقي: وأمَّا إذا لم يعتقدْه قربةً فيه ولكنَّهُ حَفِظَ لسانَه عن النُّطقِ بما لا يُفِيدُ، فلا بأسَ به.وفي الطحطاوي: فلا بأس به،المرادُ به أنه مطلوبٌ شرعاً. (طحطاوي: ٧٠٤)وفي الهندية : وأما الصَّمتُ عن معاصِي اللِّسانِ فمن أعظمِ العِباداتِ. (الهندية: ١ / ٢١٣)۔(کتاب المسائل:۱۱۹/۲،احکامِ اعتکاف:۵۱)

اعتکاف میں خاموش رہنے کی بابت ایک سوال کا جواب

سوال:علم الفقہ و بہشتی گوہر میں لکھا ہے،''چپ اعتکاف میں بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے'' لہٰذا کتنی دیر چپ رہنا مکروہ تحریمی ہوگا،خادم کی عادت ہے کہ بعد عشاء تراویح وغیرہ سے فارغ ہوکر جب سوتا ہے تو پاس انفاس کا ذکر کرتا ہے،جو ابتداء میں حضور نے تعلیم فرمایا ہے،تو یہ چپ میں تو نہ شمار ہوگا،اور کتب دینیات کا دیکھنا،یا وعظ وغیرہ کا سننا،یہ بھی تو چپ رہنے میں شمار نہ ہوگا؟اور معتکف بات چیت کچھ کرسکتا ہے،یعنی ضروری بات ضرورت کے مطابق میں اس وقت قصداً اپنے نفع کے لیے بالکل خاموش رہتا ہوں،اشارے سے کام لے لیتا ہوں،یا تحریر سے تو یہ کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب:

في الدر المختار :ويكره تحريماً(صمتٌ) إن اعتقده قربةً وإلا لا ؛لحديث "مَنْ صَمَتَ نَجَا" ويجب أي الصمتُ، كمافي غُرَرِ الأذْكارِ عن شرٍّ..... وتكلُّمٌ إلا بخير .(شامي:۴۴۱/۳)اس راویت سے معلوم ہوا کہ جیسا سکوت آپ کا ہے یہ مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ خیر ہے، البتہ جو کوئی سکوت ہی کو عبادت مستقلہ سمجھے، وہ مکروہ ہے۔(امداد الفتاوی :۱۵۴/۲)؛ کیونکہ ہماری شریعت میں بالکل خاموش رہنا کوئی عبادت نہیں ہے۔وفي الفتح :ويكره له الصمتُ ،أي الصمت بالكلية تعبُّداً به؛ فإنَّه ليس في شريعتنا ، وعن علي عن النَّبي ﷺ قال :"لا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلامٍ،ولا صُماتَ يومٍ إلى اللَّيلِ". (فتح القدير :۴۰۴/۲)

اعتکاف میں کون سی خاموشی مکروہ ہے

فقہاء نے جو حالتِ اعتکاف میں خاموش رہنے کو مکروہ لکھا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے مطلق خاموش رہنا مراد نہیں؛ چنانچہ صاحبِ عنایہؒ نے اس کراہت کے درج ذیل محمل بیان کیے ہیں:

(۱) یہ منت مان لے کہ دورانِ اعتکاف کسی سے کچھ نہیں بولوں گا۔

(۲) یوں ہی بغیر کسی منت کے خاموش رہے اور چپ سادھ لے۔

(۳) رمضان کے روزے کی طرح، عبادت سمجھ کر خاموشی کا بھی روزہ رکھ لے۔ويُكره له الصَّمتُ،قيل : معناهُ أن يَنْذُرَ أن لايتكلَّمَ أصلاً ،كما كان في شريعةِ مَنْ قَبْلَنا،وقيل أن يَّصْمُتَ ولايتكلَّمَ أصلاً من غيرِنذرٍ سابقٍ ،وقيل:معناه: أن ينوِي الصَّومَ المَعْهودَ .....مع زيادةِ نِيَّةٍ أن لايتكلَّم وهذا موافقٌ للتعليلِ المذكورِ في الكتابِ بقولِه: لأنَّ صيامَ الصَّمْتِ ليس بقُربةٍ؛ فإنَّه رُوِيَ عن أبي هريرةرضي الله عنه۔أنَّ النَّبيَّ۔صلَّى الله عليه وسلَّم۔ نَهٰى عَنْ صَوْمِ الوِصالِ وصومِ الصَّمْتِ . (العناية: ۲/ ۴۰۳،۴۰۴)

خاموشی کے متعلق ایک اہم مضمون

اممِ ماضیہ میں خاموشی کا بھی روزہ ہوتا تھا، اور یہ خاموشی ایک مستقل عبادت تھی، اب یہ حکم جاری نہیں منسوخ ہے؛ اسی وجہ سے فقہائے کرام نے ایسی خاموشی جسے عبادت وقربت تصور کیا جائے، مکروہ وممنوع قرار دیا ہے؛ لیکن اگر خاموشی اس احتیاط کے پیشِ نظر ہے کہ زبان ذکر، تلاوت کے بجائے بے کار باتوں میں مشغول نہ ہو، لایعنی امور یا کم از کم مباح باتوں کا عادی نہ بن جائے، قلتِ کلام کی عادت رہے؛ تاکہ ذکر، فکر، دعاء اور عبادت کا موقع ملے، یا یہ خاموشی فکرِ آخرت کے پیشِ نظر ہے تو ایسی خاموشی محمود ومطلوب ہے، اور اعظمِ عبادات ہے۔(عالمگیری: ۲۱۳/۱)۔معتکف کو لایعنی باتوں کہ جس میں نیکی کا پہلو نہ ہو، آخرت کا کوئی فائدہ نہ ہو، نہ علمی اور نہ دینی بات ہو، سے شدید احتیاط کی ضرورت ہے، ایسی باتیں خیر ونفع، دینی امور پر مشتمل نہ ہوں، غیر معتکف کے لیے بھی مسجد میں درست نہیں، معتکف کو تو بدرجۂ اولی محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔

اسی لیے بعض اہل اللہ کے یہاں معتکفین کو سونے کے لیے تو کوئی ممانعت نہیں تھی، مگر آپس میں گفتگو، بول چال کی شدید ممانعت تھی، اور یہ بندش زبان یا قلتِ کلام یا زبانی گناہوں سے بچنے کا نہایت ہی بہترین اور مجرب طریقہ ہے، جو ایمان واحسان کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے، کہ عموماً آپسی گفتگو بے جا لایعنی امور؛ بلکہ غیبت وچغلی کا باعث ہوجاتا ہے، اور پھر یہی مشغلہ بن جاتا ہے، جیسا کہ بعض معتکفین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مجلسی ہوتے ہیں اور مجلس میں گفتگو کے عادی ہوتے ہیں، تراویح کے بعد فراغت پر احباب اور یاروں کی مجلس منعقد کرتے ہیں، جس میں غیر ضروری باتیں ہوتی ہیں؛ بلکہ بسا اوقات غیبت وشکایت تک کی نوبت آجاتی ہے، اسی طرح ہنسی، مذاق، استہزاء اور دنیاوی خبروں میں یہ قیمتی وقت گزر جاتا ہے، جس سے احتراز معتکفین کا اولین مقصد ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: ''کثرتِ کلام سے قلب مردہ ہوجاتا ہے اور معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کی اس میں قابلیت نہیں رہتی'' ایک موقع پر لکھتے ہیں: ''جتنی دیر فضول گوئی میں رہا، اگر

یہ وقت ذکرِ الٰہی میں صرف ہوتا تو نیکیوں کا کتنا بڑا خزانہ جمع ہو جاتا، بھلا خزانے کو چھوڑ نا اور ڈھیلے کو جمع کرنا کون سی عقلمندی ہے؟ فضول گوئی کی عادت جنت میں جانے سے روکنے والی چیز ہے، رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا کفیل ہو گیا، میں اس کے لیے جنت کا کفیل ہوں‘‘۔ (تبلیغ دین: ۳۸ بحوالہ آداب الاعتکاف: ۹۵، ۹۶)

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے بات کرنا

سوال: اعتکاف کی حالت میں بیوی سے باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؛ جبکہ معتکف مسجد میں ہو اور اس کی بیوی گھر میں ہو؟

الجواب: حالتِ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، خیر اور بھلائی کی باتیں کرنا ہر کسی سے جائز ہے، چاہے انسان کی شریکِ حیات ہو یا کوئی اور، تاہم بیوی سے پیار ومحبت کی باتیں کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ عن صفيَّةَ ـ رضي الله عنها ـ أنَّها جاءتْ إلى رسولِ الله ﷺ تزُورُهُ في اعتكافِه في المسجدِ في العشرِ الأواخرِ من رمضانَ فَتَحَدَّثَتْ عندهُ ساعةً.. (البخاري/ الاعتكاف/هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد: ۱/۲۷۲ رقم: ۲۰۳۵) قال العيني: وفيه إباحةُ خلوةِ المعتكِفِ با لزَّوجةِ، وفيه إباحةُ زيارةِ المرأةِ لِلْمُعْتَكِفِ. (عمدة القارى: ۱۱/۱۵۲). وفي الاسْتِذْكارِ: ولا يحلُّ لرجلٍ أن يمَسَّ امرأتَهُ وهو مُعْتَكِفٌ، ولا يَتَلَذَّذُ منها بِقُبْلَةٍ ولا غيرِها. (الاستذكار: ۱۰/۳۱۶)۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۴/۲۰۵، فتاویٰ رحیمیہ: ۷/۲۸۵)

حالتِ اعتکاف میں لوگوں سے ملاقات بھی کر سکتے ہیں

سبحان اللہ! شریعت نے کیا اعتدال رکھا ہے کہ جس طرح روزے میں کھانے اور نہ کھانے کو جمع کر دیا، یہاں ملنے اور نہ ملنے کو جمع کر دیا اور یہ جمع واقعی بہت مشکل تھا؛ اس لیے آسانی کے واسطے ایک ہیڈ کوارٹر (مرکز) مقرر کر دیا کہ اس میں رہو، اگر کسی ضرورت سے نکلو تو فوراً واپس آجاؤ، پھر جو یہاں آئے اس سے مل لو، نہ آئے مت ملو، یہاں تک کہ اگر وہ کافر ہو، تب

بھی بات کر لو، ہمارے یہاں کی چیزیں ایسی نازک نہیں کہ ذرا ذرا سی بات میں ٹوٹ جائیں، کافر سے بات کرنے اور کسی سے ملنے سے ہمارا اعتکاف نہیں ٹوٹتا، بعض لوگ غلو کرتے ہیں، ان کے نزدیک ذرا سی بات میں ان کے قلب پر ان کے گمان کے مطابق ظلمت طاری ہو جاتی ہے، ارے وہ کیسا نور ہے، جس پر ایسے (معمولی) اسباب سے ظلمت طاری ہو جاتی ہے، چراغ اگر کوڑی کا بھی ہو تو اس سے ظلمت خود فنا ہو جائے گی، وہ نور، نور ہی نہیں، جہاں ایسے معمولی اسباب سے ظلمت غالب ہو جائے، وہ کیسے بزرگ ہیں کہ بالکل چھوئی موئی کا درخت ہیں کہ ذرا کوئی آیا اور حالت میں فرق آیا، شیخ بھی بنے ہیں اور اتنے کچے، چھوڑو پیری مریدی، جب اتنے پختہ ہو جاؤ کہ کسی سے ملنے سے ظلمت نہ ہو تو اس وقت پیری کر لینا، ابھی کچھ فرض تھوڑا ہی ہے۔ بہر حال معتکف کے لیے حکم ہے کہ خود تو کسی سے ملنے باہر نہ جائے اور کوئی اندر آئے تو اس سے بول لے، بات کر لے تو کچھ حرج نہیں۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۳۶، ۳۷)۔

معتکف کا مسجد سے ملحق باغ کی نگرانی کرنا

معتکف مسجد میں بیٹھے بیٹھے باغ کی نگرانی کر سکتا ہے؛ البتہ پرندہ وغیرہ بھگانے کے لیے مسجد میں چلّانا منع ہے۔ قال عليه السَّلامُ: جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ وَمَجَانِينَكُمْ وَبَيْعَكُمْ وَشِرَاءَكُمْ وَرَفْعَ أَصْوَاتِكُمْ وَسَلَّ سُيُوفِكُمْ وإقامَةَ حُدُوْدِكُمْ. (شامي: ۲/۴۲۹). (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۸۰)

معتکف کا احاطۂ مسجد میں پھول سبزیوں کی دیکھ بھال کرنا

جو حصہ نماز کے لیے ہے وہ مسجد ہے، وہاں سے اگر پھول سبزیوں وغیرہ میں پانی وغیرہ دیدے تو مضائقہ نہیں؛ البتہ ان چیزوں کے لیے باہر نکلنا جائز نہیں۔ و أكلُ المُعتكِفِ و شربُه ونومُه وعقدُه البيعَ لما يحتاجُه لنفسِه أو عيالِه لاتكونُ إلا في المسجدِ لضرورةِ الاعتكافِ، حتى لو خرج بهذه الأشياءِ يَفْسُدُ اعتكافُه. (طحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۸۴)۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۷۹، ۲۸۰)

مسجد کی تعمیر میں معتکف کا کام کرنا

اگر مسجد سے باہر نہ جانا پڑے تو معتکف مسجد کی تعمیر میں کام کرسکتا ہے۔و أکلُ المُعتکِفِ و شربُـه ونومُـه وعقدُه البیعَ لما یحتاجُه لنفسِه أوعیالِه لاتکونُ إلا في المسجدِلضرورۃالاعتکافِ حتی لوخرج بهذه الأشیاءِ یَفْسُدُاعتکافُه. (طحطاوي علی مراقي الفلاح: ٣٨٤) ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۸۰)

معتکف کا مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

معتکف اعتکاف کے دوران بچوں کو دینی تعلیم دے سکتا ہے۔وأما آدابُه..... ویلازم التِّلاوۃَ والحدیثَ والعلمَ وتدریسَه، وسِیَرَالنَّبی ۔صلَّی اللّٰه علیه وسلَّم۔ (عالمگیري: ١/٢١٢) البتہ اگر بچّے اتنے چھوٹے ہوں کہ پاکی، ناپاکی کو نہ سمجھتے ہوں تو ان کو مسجد میں نہ بٹھایا جائے۔ ویَحرمُ إدخالُ صبیان ومجانین حیثُ غَلَبَ تنجیسهم ،وإلّافیُکره.(در مختارمع شامي:۲/۴۲۹)

اعتکاف کے دوران مطالعہ کرنا

اعتکاف کے دوران تمام دینی علوم کا مطالعہ کرنا درست ہے۔وأما آدابُه..... ویلازم التِّلاوۃَ والحدیثَ والعلمَ وتدریسَه، وسِیَرَالنَّبی ۔صلَّی اللّٰه علیه وسلَّم۔ .(الهندیة : ١/٢١٢)۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۳۷)

معتکف کا مسجد میں بذریعۂ مائک باہر مجمع کو خطاب کرنا

معتکف مائک کے ذریعہ باہر کے جلسۂ عام میں مسجد میں بیٹھے بیٹھے خطاب کرسکتا ہے؛ جبکہ وہ خطاب دینی واصلاحی مضامین سے متعلق ہو۔لٰکنَّهٗ یلازمُ القرآنَ، والذکرَ، والحدیثَ، والعلمَ ودراستَه، وسِیَرَ النَّبیِّ ﷺ، وقِصَصَ الأنبیاءِ علیهم السَّلامُ،وحکایاتِ الصَّالحینَ.(مراقي الفلاح: ٧٠٤)۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۵۲)

اعتکاف کے دوران بے فائدہ باتوں سے اجتناب

سوال : کیا اعتکاف کے دوران فضول باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ بسا اوقات انسان غیر اختیاری طور پر ایسی باتیں کرجاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا؟

الجواب : اعتکاف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کثرت سے کی جائے؛ لہٰذا دورانِ اعتکاف دنیوی باتوں سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیے۔لأنَّه منقطعٌ إلی اللّٰه تعالی فلا یشتغل بأُمورِ الدُّنیا.(مراقي الفلاح: ٣٨٤)۔تاہم دینی مسائل پر گفتگو کرنا اور ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں،وتکلُّمٌ إلا بخیرٍ. (در مختار: ٣/٤٤١) وفي الفتح: ویُلازمُ التِّلاوۃ والحدیثَ والعلمَ وتدریسَه و سِیَر النَّبیِّ ۔صلَّی اللّٰه علیه وسلَّم۔ والأنبیاءِ، علیهم ۔الصَّلاۃُ والسَّلامُ۔وأخبارَ الصَّالِحِینَ وکتابۃ أُمورِالدِّین.(فتح القدیر: ٢/٤٠٤)البتہ دنیاوی بات کرنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ولا یُفْسِدُ الاعتکافَ سِبابٌ ولا جدالٌ ؛فإنَّ حرمةَ هٰذه الأشْیاءِ لیسَ لأجلِ الاعتکافِ، ألاتریٰ! أنَّه کان محرَّماً قبل الاعتکافِ ولایَفُوتُ به رُکنُ الاعتکافِ وهو اللُّبثُ ولاشرطُه وهو الصَّومُ.(المبسوط: ٣/١٢٦) (فتاویٰ حقانیہ:۴/۱۹۸)

معتکف کو کن امور میں مشغول رہنا چاہیے؟

اعتکاف کی روح اور حقیقت یہ ہے کہ معتکف اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو مکمل طور پر عبادت کرنے کے لیے فارغ کرلے اور ان تمام دنیوی مشاغل کو چھوڑ دے، جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والے ہیں۔عالمگیری میں ہے:فإنَّ فیه تَسْلیمَ المعتکِفِ کُلِّیَّتَه إلی عبادۃِاللّٰه في طلبِ الزُّلفٰی وتَبْعِیْدَ النَّفْسِ من شُغْلِ الدُّنیا الَّتي هي مانِعةٌ عمّا یستوجبُ العبدَ من القُربٰی..(عالمگیري: ١/٢١٢)

اس لیے معتکف کے لیے اعتکاف کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے فقہائے کرام نے جو عبادات لکھی ہیں وہ یہ ہیں: قرآن کریم کی تلاوت، حدیث اور دیگر دینی علوم میں مشغولیت

آنحضرت علیہ السلام کی سیرت طیبہ کا مطالعہ، دوسرے انبیاء کرام سلف صالحین کے حالات کو پڑھنا، دینی امور کی کتابت وغیرہ، دوران اعتکاف دنیوی باتیں، ہنسی، مذاق، اعتکاف کے مقصد کے بالکل خلاف ہے اوراس میں بعض گناہ کی باتیں بھی ہوجاتی ہیں جو کہ مسجد میں اور پھر حالتِ اعتکاف میں بہت زیادہ نقصان دہ ہیں۔ وأما آدابُه.........ويلازمُ التّلاوةَ والحديثَ والعلمَ وتدريسَه، وسِيَرَ النَّبِي ـصلَّى الله عليه وسلَّم ـ.(عالمگيري : ۱/ ۲۱۲)۔(خیرالفتاوی:۴/۱۴۸)

معتکف کے لیے تحیۃ الوضو وتحیۃ المسجد کا بیان

سوال: معتکف جب بھی وضو کرنے کے لیے جائے تو تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد پڑھے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً: تحیۃ الوضو پڑھے، تحیۃ المسجد دن میں ایک بار کافی ہے۔
وتستحبُّ التَّحيَّةُ لداخله فإن كان مِمَّن يتكرَّرُ دخولُه كفَتْه ركعتان كلَّ يومٍ(الأشباه)و في الحموي :وفي السِّراج الوهّاج: فإن قيل: هل تُسَنُّ تحيَّةُ المسجدِ كلَّما دَخَلَهُ أم لا؟ قيل: فيه خلافٌ،قال بعضُهم:نعم ؛لأنه معتبرٌ بتحيَّةِ الإنسانِ؛فإنَّه يُحَيِّيْهِ كما لَقِيَهُ وقال بعضُهم :مرةً واحدةً وهذا إذا كان نائياً(أي بعيداً)أمَّاإذاكان جارُ المسجدِ،لا يصليها، كمالايحسُنُ لأهل مكةَ طوافُ القُدومِ.(الأشباه والنظائر مع حاشية الحموي :۵۵۹أحكام المسجد.الفن الثالث)فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔(آئینہ رمضان:۲۵۰)

ایامِ اعتکاف کے معمولات

(۱)ایامِ اعتکاف کی خوب قدر کرنی چاہیے، ایامِ اعتکاف میں فرض نمازوں کے علاوہ تمام سنن، خواہ مؤکّدہ ہوں یا غیر مؤکّدہ، مثلاً: فجر کے بعد دورکعت سنتِ مؤکدہ، ظہر سے پہلے چاررکعت اور ظہر کے بعد دورکعت سنتِ مؤکدہ، عشاء کے بعد دورکعت سنت مؤکدہ، نماز اشراق، چاشت، تحیۃ الوضو، ظہر کے بعد دورکعت سنتِ مؤکدہ ادا کر کے دورکعت نفل، عصر سے

قبل چار رکعت سنتِ غیر مؤکدہ، مغرب کے بعد چھ رکعت صلوٰۃ الاوابین، عشاء سے پہلے چار رکعت سنتِ غیر مؤکدہ، عشاء کے بعد دورکعت سنتِ مؤکدہ ادا کر کے دورکعت نفل، اس کے علاوہ معتکف کو تہجد کی نماز کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

(۲) دورانِ اعتکاف فارغ اوقات میں، بالخصوص فجر سے اشراق تک اور عصر کے فرضوں سے فارغ ہوکر مغرب تک، تسبیح وتہلیل، استغفار، درود شریف، تلاوت کلام پاک وغیرہ جس قدر ہوسکے کرتے رہنا چاہیے۔

(۳)عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں خصوصیت سے جاگ کر عبادت کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر پوری رات بیدار رہنے کا اتفاق نہ ہو تو رات کا زیادہ سے زیادہ حصہ بیدار رہنا چاہیے؛ تاکہ اس مبارک رات کے فضائل وبرکات سے مستفیض ہوسکے۔

(۴)مشہور ''لیلۃ القدر'' یعنی ستائیسویں شب کے بعد لوگ عموماً عمل اور عبادت میں سستی کرنے لگتے ہیں، یہ بات بہت ہی غلط اور افسوسناک ہے؛ کیونکہ لیلۃ القدر کا احتمال ۲۹ر کی شب کو بھی ہے، اس کے علاوہ بھی رمضان المبارک کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، حدیث شریف میں رمضان المبارک کے آخری دنوں اور آخری راتوں میں بڑی مغفرت کی بشارت آئی ہے؛ لہٰذا شوال کا چاند نظر آنے تک پوری محنت سے عبادت میں لگے رہنا چاہیے۔

(۵)طبیعت پر زیادہ بوجھ ڈال کر بے اطمینانی اور بے توجّہی سے کوئی نفل یا عبادت نہ کرنی چاہیے؛ بلکہ ایسے موقع پر تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیے، پھر سکون واطمینان کے ساتھ اور پوری یکجہتی سے عبادت میں لگ جانا چاہیے۔

(٦) جہاں تک ممکن ہو دوسرے اعتکاف کرنے والوں اور نمازیوں کو اپنے قول وفعل اور کسی بھی طرزِ عمل سے تکلیف پہنچانے سے سخت احتیاط کرنی چاہیے۔(جواہر الفتاوی:۴۲، مسائلِ اعتکاف:۵۸، ۵۹، کفایت المفتی:۴/۲۴۴)

معتکف کے لیے امورِ مکروہہ
اور امورِ مفسدہ کا بیان

مکروہاتِ اعتکاف

اعتکاف کی حالت میں مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں:

(۱) عبادت سمجھ کر خاموشی اختیار کرنا ۔(۲) فضول اور بلا ضرورت باتیں کرنا۔ (۳) سامانِ تجارت مسجد میں لاکر بیچنا۔(۴) اعتکاف کے لیے مسجد میں اتنی جگہ گھیر لینا، جس سے دوسرے معتکفین یا نمازیوں کو تکلیف پہونچے۔(۵) اجرت پر کتابت کرنا، یا کپڑے سینا، یا تعلیم دینا بھی معتکف کے لیے فقہائے کرام نے مکروہ لکھا ہے؛ البتہ جو شخص کہ اس کے بغیر ایامِ اعتکاف کی روزی بھی نہ کما سکتا ہو، اس کے لیے بیع پر قیاس کر کے بقدرِ ضرورت گنجائش معلوم ہوتی ہے۔(احکامِ اعتکاف:۵۰)

معتکف کا مسجد میں بچوں کو انگریزی پڑھانا

معتکف کو نیک کاموں نماز، تلاوت، ذکر واذکار وغیرہ میں مشغول رہنا چاہیے، بچوں کو دینی تعلیم دینے یا دینی کتب کا مطالعہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، وأما آدابُه..... ویلازم التِّلاوةَ والحدیثَ والعلمَ وتدریسَه، وسِیَرَ النَّبی -صلَّی اللّٰه علیه وسلَّم- (الهندیة : ۲۱۲/۱) بحالتِ اعتکاف انگریزی پڑھانے سے اعتکاف کا فساد تو نہیں ہوتا، مگر منافعِ اعتکاف بھی پورے نہیں ہوتے۔(مستفاد فتاوی محمودیہ:۲۸۴/۱۰)

مسجد میں کاروبار کرنا

مسجد دنیاوی باتوں، کاروبار، معاملات کے لیے نہیں بنائی گئی ہے؛ اس لیے یہ سب چیزیں مکروہ ہیں۔ وکُرِهَ عقدُ ما کان للتِّجارةِ وإن لم یُحْضِرِ المبیعَ فیه؛ لأنَّه منقطعٌ إلی اللّٰه -تعالٰی- فلا یَشْتَغِلُ بأُمورِ الدُّنیا. (مراقي الفلاح: ۷۰٤) مگر ان سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا؛ البتہ اس کے اصلی منافع حاصل نہ ہوں گے، ہاں! اگر کبھی معاملات کرلے تو مضائقہ نہیں۔ والکلامُ المباحُ وقیَّده في الظَّهیْریَّة: بأنْ یجلِسَ لأجله، فإنَّه حینئذٍ لایُباحُ بالاتِّفاقِ؛ لأنَّ المسجدَ مابُنِيَ لأمورِ الدُّنیا. (شامي: ٤٣٦/٢) وفي الدرالمختار: وخُصَّ الْمُعْتَکِفُ بأکلٍ، وشُربٍ، و عقدٍ احتاج إلیه لنفسِه أوعیالِه فلولِتجارةٍ کُرِه. (درمختار مع شامي: ٤٤٠/٣)۔(فتاوی محمودیہ:۲۵۲/۱۰، ۲۸۴) کتاب المسائل میں ہے ’’خرید وفروخت کا سامان مسجد میں لانا، اعتکاف کو مکروہ بنا دیتا ہے۔ وکُرِهَ إحْضَارُ المبِیعِ. (تبیین الحقائق: ۳۵۱/۱) وفي الهندیة: وأماإذا أرادَ أن یتَّخِذَ مَتْجَراً فیُکره له ذلك. (الهندیة: ۲۱۳/۱) ہاں اگر مبیع کو سامنے لائے بغیر بیع وشراء کا معاملہ کرے تو معتکف کے لیے یہ مکروہ نہ ہوگا۔(کتاب المسائل:۱۱۷/۲)(۱)

---

(۱) واضح رہے کہ معتکف کو جس تجارت کی اجازت ہے، اس سے مراد ضروری خرید وفروخت کرنا ہے، یعنی اگر کسی کی بساط اتنی ہی ہے کہ اسی پر اس کا گزر ہے تو اس کو جائز ہے کہ وہ مسجد میں تجارت بھی کرلے مگر اسباب (سامانِ تجارت) مسجد میں نہ لائے؛ کیونکہ مسجد خالصۃً للہ بنائی جاتی ہے، وہ حقوق العباد سے آزاد ہوتی ہے، اس کے کسی حصہ کو حقوق العباد سے مشغول رکھنا، مکروہ ہوگا۔ قال في الهدایة: ولا بأسَ بأَن یبِیعَ ویَبْتاعَ في المسجدِ من غیرِ أَن یُحضِرَ السِّلعةَ؛ لأنَّه قد یَحتاجُ إلیٰ ذلك بأن لا یجدَ من یقومُ بحاجتِه إلَّا أنَّهُم قالوا: یُکرَهُ إحضارُ السِّلعةِ للبیْعِ والشِّراء؛ لأنَّ المسجِدَمُحَرّرٌ عن حقوقِ العبادِ و فیه شُغْلُهٗ بِها. (هدایة) وفي الفتح: لأنَّ المسجدَ محرّرٌ عن حقوقِ العبادِ، فإنَّه أَخْلَصَ لِلّٰه -سُبْحانَهُ- وفي إحضارِ السِّلعةِ شُغْلهٗ بها من غیرِ ضرورة. (فتح القدیر: ٤٠٢/٢) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر چھوٹی سی چیز ہو جس سے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور مسجد مشغول نہ ہو تو اس کا مسجد میں لانا بھی جائز ہے۔ بقیہ اگلے صفحہ پر..........

حسبِ ضرورت معتکف کا کاروبار سے باخبر رہنے کے لیے مسجد میں فون لگانا

اگر حسبِ ضرورت معتکف کاروبار سے باخبر رہنے کے لیے مسجد میں فون لگالے تو مضائقہ نہیں۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۸۴) معتکف چونکہ اپنے آپ کو فارغ کرکے اللہ رب العزت کی طرف متوجہ رہتا ہے؛ اس لیے مسجد میں فون لگا کر باتوں میں مشغول رہنا یا موبائل پر تجارت میں ہی لگے رہنا، اعتکاف کے مقصد کے خلاف اور مکروہ ہوگا۔قال في المراقي: وكُرِهَ عقدُ ماكان للتِّجارةِ وإن لم يُحْضِرِ المبيعَ فيه؛ لأنَّه منقطعٌ إلى اللّٰه تعالىٰ. فلا يَشْتَغِلُ بأُمورِ الدُّنيا. (مراقی) وفي الطَّحْطَاوِي: وكُرِهَ عقْدُ ماكان للتِّجارةِ وإن لم يُحْضِرِ المبيعَ فيه. (مراقي الفلاح مع طحطاوي: ٧٠٤)

حالتِ اعتکاف میں ڈاکخانے کا کام کرنا

سوال: بندہ کے پاس ڈاکخانے کا کام ہے، کیا اعتکاف کی حالت میں ڈاکخانے کا کام کرسکتا ہوں، جبکہ گفتگو نہ کی جائے؟

بقیہ گذشتہ صفحہ کا.............

و قال أبو السعود : نقل الحموي عن البُرجندي : أنَّ إحضارَ الثَّمنِ و المبيعِ الَّذي لايَشْغُلُ المسجدَ جائزٌ. (شامي :٣/ ٤٤٠) معتکف کو بلاضرورت مستقل طور پر تجارت کا پیشہ اختیار کرنا(خواہ مبیع حاضر نہ ہو) مکروہ ہے؛ کیونکہ معتکف اپنے آپ کو فارغ کرکے اللہ کی طرف متوجہ ہے؛ لہٰذا اس کو دنیاوی امور میں مشغول ہونا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔قال في البحر :وأرادَ با لمُبايَعَةِالبيعَ والشِّراءَ و هو الإيجابُ و القبولُ ......وأطلقَ المُبايعةَ، فشَمَلَتْ ما إذاكانتْ للتِّجارةِ ،و قيَّده في الذَّخيرةِ بما لا بدَّ منْهُ كالطعامِ،أَمَّاإذاأرادَ أنْ يتّخِذَ ذلك مَتْجراً، فإنَّه مكروهٌ وإن لم يُحضِرِ السِّلعَةَ. (البحرالرّائق : ٢/ ٥٣٠) وفي المراقي:وكُرِهَ عقدُ ماكان للتجارةِوإن لم يُحْضِرِ المبيعَ فيه؛لأنَّه منقطعٌ إلى اللّٰه تعالىٰ۔ فلا يَشْتَغِلُ بأُمورِ الدُّنيا. (مراقي) وفي الطَّحْطَاوِي: وكُرِهَ عقْدُ ماكان للتِّجارةِ وإن لم يُحْضِرِ المبيعَ فيه. (مراقي الفلاح مع طحطاوي: ٧٠٤)

الجواب: مسجد میں رہنا معتکف کا اعتکاف کے لیے ضروری ہے، بدون اس کے اعتکاف نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:فاللُّبثُ هو الرُّكنُ والكونُ في المسجدِ ...وحرُمَ عليه أي عَلَى الْمُعْتَكِفِ..الخروجُ إلَّا لحاجةِ الإنسانِ طبعيةً كبولٍ، وغائطٍ،وغسلٍ لو احْتَلَمَ،... أو شرعيَّةً كعيدٍ ،وأذانٍ لو مُؤَذِّناً،وبابُ المَنارةِ خارجَ المسجدِ، والجُمُعَةِوقتَ الزَّوالِ... .(در مختار:٣/ ٤٣٠، ٤٣٥) ۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ معتکف کو مسجد میں رہنا ضروری ہے، بول وبراز اور غسلِ جنابت اور جمعہ وغیرہ کے لیے نکلنا جائز ہے، بناء علیہ! ضرورت کی وجہ سے مسجد کے اندر ڈاکخانے کا کام کرنا، زبانی گفتگو کرنا جائز ہے ؛لیکن ڈاکخانے کے کام کی وجہ سے نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم:۶/۵۱۳)(۱)

معتکفین کا باہم باتوں میں مشغول رہنا

معتکفین عبادت کے لیے اپنے مولیٰ کو راضی کرنے کے لیے اور حصولِ ثواب کے لیے بیٹھتے ہیں۔فإنّ فيه تَسْليمَ المعتكِفِ كُلِّيَّتَه إلى عبادةِاللّٰه في طلبِ الزُّلفىٰ وتَبْعِيْدَ النَّفْسِ من شُغْلِ الدُّنيا الَّتي هي مانِعةٌ عمّا يستوجبُ العبدَ من القُربىٰ..... (الهندية: ١/ ٢١٢) اگر دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے تو بجائے اجر وثواب کے فرشتوں کی لعنت اور بددعا لے کر جائیں گے؛ لہٰذا معتکفین کو لازم ہے کہ بلاضرورت ایک جگہ جمع نہ ہوں، اپنے اپنے خیمے میں تلاوت، دعاء، نوافل، ذکراللہ، درود شریف پڑھنے اور بقدرِ ضرورت سونے میں مشغول رہیں، جو دنیوی امور خارج مسجد اور غیر معتکف کے لیے درست نہیں، وہ مسجد میں اور پھر معتکف کے لیے کیسے درست ہوسکتے ہیں؟ چنانچہ مجالس ابرار میں ہے: ويلازمُ التِّلاوةَ والحديثَ والعلمَ وتدريسَه، وسِيَرَ النَّبي۔صلَّى اللّٰه عليه وسلَّم

---

(۱) شاید حالتِ اعتکاف میں ڈاک خانے کا کام کرنے کا حکم کسی سخت ضرورت کے ساتھ خاص ہو، ورنہ مستقل طور پر مسجد میں ڈاک خانے کا کام کرنا اور اس پر اجرت لینا دووجہ سے کراہت سے خالی نہیں: ایک تو یہ کہ معتکف منقطع إلی اللہ ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی دوسری طرف مشغول ہو، دوسرے یہ کہ حالتِ اعتکاف میں بھی فقہاء نے اجرت لے کر کام کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔وكذا كُرِهَ فيه التَّعليمُ والكتابةُ والخياطةُ بأجرٍ.(البحر: ٢/ ٥٣٠)

ـ وقِصَصَ الأنبياءِ، وحكاياتِ الصَّالِحِين، و كتابةَ أمورِ الدِّين، وأمّا التكلُّمُ بماليس بخيرٍ ،فإنه مكروهٌ لغير المعتكِف، فما ظنُّك للمعتكِف في المسجِدِ؟ "اورقران کی تلاوت،اورحدیث،اورعلم دین،اورسیرۃ نبی ﷺ اورصالحین کی حکایتوں،اورامورِدینی کے لکھنے پڑھنے کاشغل رکھےاورفضول بات کرنا غیرمعتکف کے لیے بھی مکروہ ہے، چہ جائے کہ مسجد کے اندر معتکف کے لیے ۔(مجالس ابرار :۲۰۵، مجلس نمبر:۳۱)۔(فتاوی رحیمیہ :۲۷۹/۷)

حالتِ اعتکاف میں اخبار وغیرہ پڑھنے کا حکم

سوال: معتکف آدمی اعتکاف کے دوران اخبار ورسائل پڑھ سکتا ہے یانہیں؟اسی طرح خبریں سننے کی غرض سے ریڈیو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یانہیں؟

کیونکہ اخبارات میں اکثر عریاں تصویریں ہوتی ہیں، جب کہ ریڈیو میں صرف آواز سنائی دیتی ہے تو کیا خبریں سننا زمرۂ عبادت میں شمار ہیں یا معاملات میں؟ ان افعال کے مرتکب شخص کو باربار سمجھایا گیا کہ معتکف کے لیے یہ فعل غیر مناسب ہے، معتکف چونکہ ریٹائرڈ ٹیچر ہے؛اس لیے وہ اپنے اس فعل کو مجتہد کی حیثیت سے چھوڑنے کے لیے قطعاً تیار نہیں .... برائے مہربانی تقدّسِ مسجد اور آدابِ اعتکاف سے تفصیلاً آگاہ فرمائیں؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً : اعتکاف کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی ہے ؛اس لیے اعتکاف کے دوران ان عبادات میں مشغول ہونا چاہیے جو رضائے الٰہی کا باعث بنتی ہوں، فقہائے کرام نے معتکف کے لیے قرآن کریم کی تلاوت احادیثِ مبارکہ اور دینی کتابوں کا مطالعہ اورنوافل کثرت سے پڑھنا تجویز کیا ہے؛لہذا ایک معتکف کو ان امور میں مشغول رہنا چاہیے، نہ کہ اخبار پڑھنے اور خبریں سننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے اور ویسے بھی مسجد کے اندر تصاویر اور اخبارات دیکھنا صحیح نہیں ۔(آئینہ رمضان:۲۷۶)

حالتِ اعتکاف میں ٹیپ رکارڈ پر بیان سننا

مسجد میں جماعت خانہ کا ادب ہر مسلمان کو کرنا چاہیے اور اعتکاف کرنے والے شخص کو تو

مسجد کا اور زیادہ احترام ملحوظ رکھنا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں گزارنا چاہیے، ٹیپ ریکاڈر سے وعظ سننا جائز اور درست ہے ؛ لیکن ٹیپ ریکاڈر آلہ لہو ولعب میں شمار ہوتا ہے ؛ اس لیے بلاضرورت مسجد کے جماعت خانہ میں اور اعتکاف کی حالت میں استعمال نہیں کرنا چاہیے اور اس فعل سے دوسرے معتکفین اور عبادت کرنے والوں کو خلل ہوتا ہو، تو اسے بجانا جائز نہیں کہلائے گا۔(فتاوی دینیہ :۸۴/۳)اور فتاوی محمودیہ میں ہے: فی نفسہ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ اگر تلاوتِ کلام پاک یا وعظ کی آواز آئے ،تو اس کا سننا مسجد اور غیرِ مسجد سب جگہ درست ہے ؛ لیکن اگر مسجد میں یہ طریقہ شروع کردیا جائے ،تو اندیشہ ہے کہ ہر قسم کی چیزوں کے لیے مکانات کی طرح مسجد میں بھی ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کا استعمال ہونے لگے گا اور جائز وناجائز کی کوئی تمیز باقی نہیں رہے گی ؛اس لیے مسجد میں ایسی چیزوں سے احتراز کیا جائے ۔(فتاوی محمودیہ:۲۰۲/۱۵)

معتکف کا تمبا کو کھانا

سوال: معتکف تمبا کو، پان مسجد میں کھا سکتا ہے یانہیں؟

الجواب: حامداًو مصلیاً: کھا سکتا ہے ،جبکہ بدبودار نہ ہو۔(فتاوی محمودیہ :۲۴۶/۱۰) بدبودار تمبا کو کھانا ممنوع ہوگا۔قال ط:ویوخذ منه كراهةُ التحريمِ في المسجد؛ للنَّهيِ الْوارِدِ في الثُّومِ والبصلِ وهو ملحقٌ بهما.(شامي : ١٠/ ٤٤)

معتکف کا مسجد میں حجامت بنوانا

سوال: معتکف مسجد کے فرش پر بیٹھ کر حجامت بنواسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً : بنواسکتا ہے؛ البتہ بال وہاں نہ گرنے پائیں۔لأنَّ تنظيفَ المسجدِ واجبٌ.(شامي: ٣/ ٤٣٥) ۔(فتاوی محمودیہ:۲۴۹/۱۰، ۲۶۳)اور صاحبِ احسن الفتاوی تحریر فرماتے ہیں"اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے ،حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے ،مگر حجام مسجد کے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے ،مسجد کے اندر اجرت

سے کام کرنا جائز نہیں۔ وتُكرهُ الصَّناعةُ فيه، من خياطةٍ وكتابةٍ بأجرٍ. (الأشباه الفن الثالث/أحكام المساجد: ۳/۱۸۷)۔ (احسن الفتاوی: ۴/۵۱۶)

حالتِ اعتکاف میں ناخن کاٹنا

بہتر طریقہ یہ ہے کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے ناخن یا غیر ضروری بال جو بڑھ گئے ہوں، کاٹ لینا چاہیے، اگر کسی وجہ سے کاٹ نہ سکا، تو اعتکاف میں ان چیزوں کے کاٹنے کی اجازت ہے اور اس میں بھی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس سے مسجد کی تلویث نہ ہو، جیسے مسجد میں چادر وغیرہ بچھالینا۔ (نجم الفتاوی: ۳/۳۱۸)

حالتِ اعتکاف میں کنگھا کرنے کا حکم

حالتِ اعتکاف میں جو چیزیں ممنوع قرار دی گئی ہیں، وہ جماع، دواعیٔ جماع اور اسی طرح بلا عذرِ طبعی وشرعی مسجد سے نکلنا ہے، کہ ان چیزوں سے معتکف کا اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے، جہاں تک کنگھے کا تعلق ہے تو اس بارے میں صریح نص موجود ہے کہ آپ ﷺ اعتکاف میں ہوتے تھے اور حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے سر مبارک میں کنگھا کرتی تھیں؛ لہٰذا حالتِ اعتکاف میں کنگھا کرنے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ ”عن عائشةؓ قالت: وإن كان رسول الله ـ صلى الله عليه وسلَّم ـ لَيُدخلَ عليَّ رأسَهُ وهو في المسجدِ، فأرَجِّلُهُ وكان لايَدْخُلُ البَيْتَ إلَّا لحاجةِ الإنسان“ (صحيح البخاري/ الاعتكاف/لا يدخل البيت إلا لحاجة: ۱/۲۷۲، رقم: ۲۰۲۹)۔ (نجم الفتاوی: ۳/۳۱۷)

کیا معتکف مسجد میں کوئی برتن رکھ کر اس میں پیشاب کرسکتا ہے؟

(مسجد میں بحالتِ اعتکاف کسی برتن (پیشاب دانی وغیرہ) میں پیشاب کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ یہ سوال حضرت اقدس شیخ مدّظلہ نے کیا تھا، جس کا جواب حسبِ ذیل دیا گیا۔)

بخدمت حضرتِ اقدس شیخی وسیدی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ علی کل حال! خیریتِ حضرتِ عالی مع جملہ رفقاء بدل نیک خواستگاں ہوں، تقریباً ایک ہفتہ ہوگیا، حضرتِ عالی کا پرچہ مسئلہ ”بول في المسجدِ في الإناء“ کے سلسلے میں بہت تلاش کیا کہ کہیں بھی مل جائے، مگر یہ مسئلہ مفیدِ جواز ملتا ہی نہیں ہے؛ بلکہ صاحبِ ”بحر“ نے ”الأشباہ والنظائر“ میں حرمت ہی لکھی ہے۔

”احکام المساجد“ میں لکھتے ہیں ”ومنها: تحريمُ البول فيه ولو في إناءٍ“ (ص: ۵۵۷)

خود حضرتِ عالی نے ”لامع الدراری“ (۱/۱۲۱) میں لکھا ہے: قال صاحب الدُّر المختار (۱/۶۱۴): ”لايجوز البولُ والفصدُ فيه، ولو في إناءٍ“. علامہ موفق الدین ابنِ قدامہؒ نے ”المغنی (۳/۱۵۲)“ میں لکھا ہے: إذا أراد أن يبُولَ في المسجدِ في طَسْتٍ لم يُبَحْ ذلك؛ لأنَّ المساجدَ لم تُبْنَ لهذا، وهو مِمّا يُقْبَحُ، ويُفْحَشُ، ويُسْتَخْفىٰ به، فوَجَبَ صِيانةُ المسجدِ عنه، هٰكذا في الشَّرح الكبير. امام نوویؒ شرح مسلم (۱/۱۳۹) میں حدیثِ انسؓ ”إنَّ هذه المساجدَ لا تَصْلُحُ لشيءٍ من هذا البولِ ولا القَذَر، إنَّما هي لذكر الله، والصَّلاةِ، وقراءةِ القرآن“. کے ذیل میں لکھتے ہیں: وإن بالَ في إناءٍ في المسجد ففيه وجهان: أصحُّهما أنَّه حرامٌ، والثاني: مكروهٌ، (شرح مُهذَّب: ۲/۹۲) میں لکھتے ہیں: ويَحرُمُ البولُ في المسجدِ في غير إناءٍ، وأمّا في إناءٍ ففيه احتمالان لابن الصَّبَّاغ: أحدُهما الجوازُ، والثانيةُ: التَّحريمُ؛ لأنَّ البولَ مُسْتَقْبَحٌ، فَنُزِّه المسجدُ عنه، وهذا هو الذي اختاره الشّاشي وغيرُه، وهو الأصحُّ المختارُ، وجزم به صاحبُ التَّتِمَّةِ، ونقله العبدري عن الأكثرين. رہ گئی ”سلا جزور“ والی روایت تو یہ مشرکین کا فعل ہے اور مسجد میں اخراجِ ریح کا مسئلہ ہمارے یہاں مختلف فیہ ہے، صاحبِ بحر الأشباہ میں لکھتے ہیں (ص: ۵۶۰): وإخراج الريح فيه من الدبر، قال الحَمَوي: أي يُكرَهُ أقول: وفي شرح الجامع الصغير للتُّمُرْتاشي: اختلف السَّلَفُ في الَّذي

يَـفْسُـوفـي الْمَسْجِدِ فلم يَرَ بعضُهم بأساً،وبعضُهم:لا يَفْسُو؛بل يخرج إذاحتاج إليه وهو الأصحُّ،انتهىٰ.والعلَّةُ أنَّ الملائكةَ تتأذّٰى بما يَتأذّٰى به بنو آدمَ،كما ورد في الحديثِ،وكذا نقله الشَّامِي عن الأشْباهِ والحموي،وكذا نقله في الهندية(٣٥٥) عن التُّمُرتاشِي ونَقَلَهٗ في الأوْجز.(١٢٧/٢)عن البحر والشامي وليراجع . البتہ امام نوویؒ کے کلام سے جواز معلوم ہوتا ہے،فرماتے ہیں(١٧٨/٢)لا يحرم للإنسان أن يُخْرِجَ الرِّيحَ في المسجدِ من الدُّبرِ؛لكنَّ الأَوْلىٰ اجْتِنَابُه ؛لقوله ﷺ:”فإنَّ الْمَلائكةَ تتأذّٰى مِمَّا يَتأذّٰى منه بنو آدم“.وفي حاشيةشرح المهذَّبِ عن الأزرعي:وينبغي أن يُكره ذلك إذا تَعاطاهُ لاسيَّما إذاكان عن غيرِ حاجةٍ؛بل ينبغي أن يَحْرُمَ والحديثُ نصٌّ في النَّهْيِ،وقال الحلبي في الكبيري(٥٦٨/١)بعد نقل كلام النَّوَوِي: وقال السُّروجي:وهذا عندنا مكروهٌ. یہ عبارات ساری کی ساری مفید ممانعت ہیں،سوائے ایک وجہ کے،جو شافعیہ کے نزدیک ہے،حضرت مفتی مظفرحسین صاحب سے مراجعت کی تو انھوں نے فرمایا کہ گنجائش نظر نہیں آتی،خود فقہاء نے صبیان (بچوں) کو مساجد میں خوفِ تلویثِ مسجد کی وجہ سے لے جانے کو منع کیا ہے اور یہاں بھی یہ احتمال قائم ہے۔(الیواقیت الغالیہ:۱۱۲/۲۔۱۱۴)

اعتکاف کے دوران قوّالی سننا، ٹیلی ویژن دیکھنا اور دفتری کام کرنا

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کی مسجد، جو کہ مہران شوگر ملز ٹنڈو رالہ یار ضلع حیدرآباد کی کالونی میں واقع ہے،اس میں ہر سال رمضان شریف میں ہماری مل کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر صاحب (جو کہ ظاہری طور پر انتہائی دیندار آدمی ہیں) اعتکاف میں بیٹھتے ہیں؛لیکن ان کے اعتکاف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس گوشہ میں بیٹھتے ہیں، وہاں گاؤ تکیہ اور قالین کے ساتھ ٹیلیفون بھی لگواتے ہیں، جو کہ اعتکاف مکمل ہونے تک وہیں رہتا ہے اور موصوف سارا دن اعتکاف کے دوران اسی ٹیلیفون کے ذریعے تمام کاروبار اور مل کے معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں،اس

کے علاوہ تمام دفتری کاروائی،فائلیں وغیرہ،مسجد میں منگوا کر ان پر نوٹ وغیرہ لکھتے ہیں،اس کے علاوہ موصوف ٹیپ ریکارڈ لگوا کر مسجد میں ہی قوّالیوں کی کیسٹ سنتے ہیں؛ جبکہ قوّالیوں میں ساز بھی شامل ہوتے ہیں،کیا مسجد میں اس کی اجازت ہے کہ قوالی سنی جائے؟اس کے علاوہ موصوف مسجد میں ٹیلی ویژن سیٹ بھی رکھوا کر ٹیلی کاسٹ ہونے والے تمام دینی پروگرام بڑے ذوق وشوق سے دیکھتے ہیں اور موصوف کے ساتھ ان کے نوکر وغیرہ بھی خدمت کے لیے موجود رہتے ہیں، ہماری کالونی کے متعدد نمازی موصوف کی ان حرکتوں کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے،کیا ان نمازیوں کا یہ فعل صحیح ہے؟

جواب :اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ اتنے دنوں کو خاص انقطاع إلی اللہ میں گزاریں اور حتی الوسع تمام دنیوی مشاغل بند کردیے جائیں۔ لأنَّهٗ منقطعٌ إلى اللّٰه تعالىٰ فلا يشتغلُ بأمورِ الدُّنيا. (مراقي الفلاح: ٧٠٤) تاہم جن کاموں کے بغیر چارہ نہ ہو،ان کا کرنا جائز ہے؛لیکن مسجد کو اتنے دنوں کے لیے دفتر میں تبدیل کردینا، بے جابات ہے اور مسجد میں گانے بجانے کے آلات بجانا یا ٹیلی ویژن دیکھنا حرام ہے، جو نیکی برباد، گناہ لازم کے مصداق ہے،آپ کے ڈائریکٹر صاحب کو چاہیے کہ اگر اعتکاف کریں تو شاہانہ نہیں، فقیرانہ کریں اور محرمات سے احتراز کریں؛ورنہ اعتکاف ان کے لیے کوئی فرض نہیں، خدا کے گھر کو معاف کریں اور اس کے تقدّس کو پامال نہ کریں۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۱۷/۳،۳۱۸)(۱)

اعتکاف کے دوران بیوی سے دل لگی

حالتِ اعتکاف میں معتکف کے لیے دواعیِ وطی (بوس وکنار وغیرہ) حرام ہے؛لیکن اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا؛البتہ اگر اس دواعی سے انزال ہوجائے،تو اس صورت میں اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔وكذاالتقبيلُ، والمعانقةُ،و اللَّمسُ،إن أنْزَلَ شيءٌ من ذلك،

(۱) واضح رہے کہ جن چیزوں کا استعمال خارجِ مسجد ناجائز وحرام ہے،مثلاً: گانے بجانے کے آلات بجانا، ٹیلی ویژن دیکھنا وغیرہ،مسجد میں انکی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔قال في العناية:يعني أنّ التَّكلُّمَ في الشَّرِّ أشدُّ حرمةً منه في غيرِه،فكان من قَبِيْلِ قولِه تعالى:﴿فَلا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُم﴾ فإنَّ الظُّلمَ وإنْ كان حراماًمُطلقاً؛ لكن قيدهٗ بالأشهر فيها أشدُّ حرمةً.(عناية مع الفتح: ٤٠٢/٢)

فَسَدَ اعتکافُه، وإلّا فلا؛لکنَّه یکو ن حراماً.(بدائع الصنائع: ۲/ ۲۸٦). (فتاوی رحیمیہ:۲۸۵،فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۴۹،۲٦۹،کتاب المسائل:۲/۱۱۹،فتاوی حقانیہ:۲/۲۰۵)

معتکف کا مسجد میں چارپائی پرسونا

معتکف مسجد میں چارپائی پرسوسکتا ہے۔(۱) کما في سِفر السَّعادۃِ وابن ما جة: أن النَّبِيَّ ﷺ کان إذااعتکفَ، طُرِحَ له فراشُه أو یوضعُ له سریرُہ وراءَ اُسْطُوانَةِ التَّوبةِ.(سنن ابن ماجه/الصیام/المعتکف یلزم مکاناًمن المسجد:۱۲۸۱،رقم:۱۷۷٤، وقال الشوکانيُّ:رجال إسناده ثقات، کما في نیل الأوطار: ٤/ ۲٦٦)۔(آئینہ رمضان:۲۴۲)

(۱) البتہ بہتر نہیں ہے،اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:''بہرکیف!اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اعتکاف کے لیے مسجد میں بستر بچھانا بھی جائز ہے اوراگرکسی کوفرش پرسونے میں نیندنہ آئے تو چارپائی بھی ڈال سکتا ہے؛لیکن اچھا یہی ہے کہ چندروز کے لیے اتنا زیادہ اہتمام نہ کیا جائے؛ بلکہ سادگی کے ساتھ فرش پرسوئیں،آنحضرت ﷺ چونکہ پیغمبر تھے؛اس لیے آپ ﷺ نے بہت سے کام اس لیے فرمائے ہیں؛تاکہ امت کوان کا جائز ہونا معلوم ہوجائے؛لہذا آپ ﷺ نے چارپائی ڈلواکراس کا جائز ہونا بھی بتادیا؛لیکن عام مسلمانوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ فرش پرسونے کا انتظام کریں،اِلا یہ کہ کوئی عذر ہو''۔(احکامِ اعتکاف:۱۲)اورفتاوی محمودیہ میں ہے:حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اعتکاف میں سریر کا مسجد میں ہونا اوراس میں آرام فرمانا،احادیث میں صاف صاف مذکور ہے؛اس لیے اس کو ناجائز کہنا غلط ہے؛البتہ آج کل عرفاً اس چیز سے عوام میں توحُّش پیدا ہوتا ہے،اس بناء پراحتیاط کی جائے تو مناسب ہے؛کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سریر پروہاں آرام فرمانا تعبُّداً و تاکیداًللأمة نہیں تھا؛ بلکہ مصلحۃً (آرام کے لیے) تھا،پس اس سے احتیاط میں نہ ترک تعبد ہے،نہ ترک سنّت۔(فتاوی محمودیہ:۱۵/۲۳۵۔۲۳٦)اوراس کے حاشیہ پر بحوالہ احسن الفتاوی مذکور ہے''دراصل ادب یا بےادبی کا مدار عرف پر ہے،ہمارے عرف میں مسجد میں چارپائی بچھانا معیوب سمجھا جاتا ہے،نیز اس سے عوام کے قلوب سے مسجد کی وقعت نکل جائے گی،وہ چارپائی پر قیاس کرکے دوسرے ناجائز امور بھی مسجد میں شروع کردیں گے؛لہذا اب معتکف کے لیے بھی چارپائی بچھانا جائز نہیں،جیسے پہلے پاک جوتا پہن کرمسجد میں آنا اورنماز پڑھنا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا؛مگر ہمارے عرف میں اسے مسجد کی بےادبی سمجھا جاتا ہے،اگرکوئی پاک جوتا پہن کرمسجد میں آجائے توعوام اس پر ہنگامہ برپا کردیں گے''(احسن الفتاوی:٦/۴۵۲،۴۵۳،حاشیہ محمودیہ:۱۵/۲۳٦)

معتکف کے ساتھ غیر معتکف کا افطار کرنا

سوال:امامِ مسجد معتکف ہے،اس کے ساتھ امامِ تراویح جومعتکف نہیں ہے،مسجد میں افطار کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:احوط یہ ہے کہ حافظ صاحب خارج مسجدِ شرعی اپنے کمرہ وغیرہ میں افطار کریں،اگرمسجد میں داخل ہونے کے وقت نفل اعتکاف کی نیّت کرلیں تومعتکف کے ساتھ افطار کرسکتے ہیں،مسجد میں داخل ہونے کے وقت''اللهُمَّ افْتَحْ لِي أبوابَ رحمتِكَ'' کے ساتھ''نَوَیْتُ الاعتکافَ ما دُمْتُ فِي الْمَسْجِدِ'' کہہ لیا کریں۔

عالمگیری میں ہے: ویکره النومُ والأکلُ فیه لغیرالمعتکِف إذا أراد أن یفْعَلَ ذٰلِكَ،ینبغِي أنْ یَنْوِيَ الاعتکافَ، فَیَدْخُلَ فیه ویَذْکُرُاللّٰهَ تعالیٰ بقدرِ مانَویٰ أویُصَلِّيَ، ثُمَّ یفعلُ ماشاءَ. کذا في السّراجیة (فتاوی عالمگیري:٦/ ۲۱۵)۔(فتاوی رحیمیہ:۷/۲۷۸)

بلا عذر مسجد سے نکلنا

اگرتھوڑی دیر کے لیے بھی قصداً یا سہواً معتکف بلاعذر مسجد کی حدود سے باہر نکل گیا،توامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ فلوخرج ساعةًبلاعذرٍ، فَسَدَ. (تنویرالأبصار: ۳/ ٤۳۷)۔(کتاب المسائل:۲/۱۱۸،فتاوی دارالعلوم:٦:۵۰۵)

بھول کرمعتکف کے لیے مسجد سے نکلنے کا حکم

معتکف کے بھول کر مُعتَکَف سے نکلنے سے بھی اعتکاف باقی نہیں رہتا،ختم ہوجاتا ہے۔
وإن خَرَجَ من غیرعذرٍساعةً،فسد اعتکافُه في قول أبي حنیفة۔رحمه اللّٰه تعالیٰ۔ سواءٌ کان الخروجُ عامداً أوناسیاً.(الهندیة:۱/۲۱۲)۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۸۵،احسن الفتاوی:۴/۵۰۷،فتاوی حقانیہ:۴/۲۰۳)

خروج سے کیا مراد ہے، جو مفسدِ اعتکاف ہے؟

مسجد سے نکلنا اس وقت کہا جائے گا، جب دونوں پاؤں مسجد سے باہر ہوجائیں؛ لہذا اگر صرف سر مسجد سے باہر کردیا یا ایک قدم مسجد سے باہر کیا، تو اس سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ وأرادَ با لخروج انفصالَ قَدَمَیْه. (البحر الرائق: ۲/ ۵۳۰)

معتکف کے لیے مسجد سے باہر نکلنے کے سلسلے میں مفتی بہ قول کی نشاندہی

سوال نمبر ۱۲۲۵/ب

حضرت مفتی صاحب زید مجدکم!

''لبث'' اعتکاف کا رکن ہے؛ لیکن مسجد سے باہر نکلنے میں امام اِعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے، جیسا کہ اکثر فقہاء نے صراحت کی ہے۔ کذا في الولوالجية: فإن خرج ساعةً من غیر حاجةٍ، فسد اعتکافُه عند أبي حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ، و قالا:..... فجعلنا الحدَّ الفاصلَ بینهما نصفاً؛ لأنَّ ما فوقَه کثیرٌ . لأبي حنیفة: أن الخروجَ یضادُّ رکنَ الاعتکافِ: وهو اللُّبثُ في المسجدِ . (الفتاوی الولوالجية: ۱/ ۲۴۲. ۲۴۱ الخ، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت) اسی اختلاف کو تمام فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ کذا في المبسوط للسرخسيؒ. (ط: دار احیاء التراث، بیروت. و الفتاوی التاتارخانیة: ۲/ ۱۳۳، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت. و المحیط البرهاني: ۳/ ۳۸۰. ۳۷۹، ط: مکتبة الرشید، ریاض. والبدائع الصنائع: ۲/ ۲۸۴، ط: زکریا. و النهر الفائق: ۲/ ۴۶، ط: دار الکتب العلمیة. و ملتقی الأبحر: ۱/ ۳۷۸، ط: دار الکتب العلمیة. و تحفة الفقهاء: ۱/ ۳۷۴ بیروت. و الهندیّة: ۱/ ۲۱۲، ط: دار صادر، بیروت) و غیرهم.

مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ان سب نے ''اُقِیس واَوْسط'' تو ذکر کیا ہے؛ لیکن کسی قول کو مفتی بہ نہیں کہا، جب کہ فقہ کے طالب علم سے یہ بات بھی مخفی نہیں ہے کہ عبادات میں فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہوتا ہے۔ کما في شرح عقود رسم المفتي: في کل أبواب العباداتِ رُجِّح قولُ الإمامِ مطلقاً، ما لم تصحّ: (۴۹، ط: مکتبہ اسعدی، سہارنپور)

البتہ بعض متأخرین نے صاحبینؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ قال الشلبي: و قولُهما استحسانٌ یقتضي ترجیحَه ؛لأنه لیس من المواضعِ الْمَعدُودةِ الَّتيرُجِّح فیها القیاسُ علی الاستحسان الخ. (حاشية الشلبي علی التبیین: ۲/ ۲۲۸. ۲۲۷، ط: زکریا) و قال الطَّحطاوي: قالوا: و هو الاستحسانُ فیقتضي ترجیحَ قولِهما. (طحطاوي علی مراقي الفلاح: ۷۰۳، ط: مکتبة شیخ الهند، دیوبند) و في الشَّامیة : قالوا:و هو الاستحسانُ؛ لأنّ في القلیل ضرورةً الخ بَحَثَ فیه الکمالُ حیث قال: " قوله و هو الاستحسانُ " یقتضي ترجیحَه؛ لأنّه لیس من المواضعِ المَعدُودةِ الَّتي رُجِّح فیها القیاسُ علی الاستحسان، ثم مَنْعُ کونِه استحساناًبالضّرورة، بأنَّ الضَّرورةَ الَّتي یُناط بها التَّخْفیفُ، هي الضَّرورةُ اللَّازمةُ أو الغالبةُالوقوعِ مع أنَّهما۔أي الإمامین۔ یُجیزانِ الخروجَ بغیر ضرورةٍ أصلاً؛ لأن فرضَ المسألةِ في خروجه أقلّ من نصفِ یومٍ لحاجةٍ لا؛ بل لِلَعِبٍ . (فتاوی شامي: ۳/ ۴۳۸)

اس پوری تفصیل کے ساتھ امت کی کمزوری اور علم دین سے دوری، تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے، حضرت والا ارشاد فرمائیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ میں سے کس کے قول پر فتویٰ ہوگا؟ بینوا توجروا.

جواب نمبر ۲۹۵ ت ب

الجواب و باللہ التوفیق: صاحبین کے قول پر کسی نے فتویٰ نہیں دیا، مفتی بہ قول امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہی ہے اور یہی قول حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے: کمافي المغني: إذاخرج لِمَا لهٗ منه بدٌّ، بَطَلَ اعتکافُه وإن قلَّ ،و به قال

أبـوحـنيفة و مـالك و الشـافـعي و قـال أبـو يـوسف و مـحمدُ بنُ الحسن :لا يـفسـد،حتىٰ يـكونَ أكثر من نصف يومِ الخ صاحبینؒ نے اپنی دلیل میں استحسان کا جوقول فرمایاہے،علامہ ابنِ ہمامؒ نے فتح القدیر میں اس کی تردید کی ہے۔وہ فرماتے ہیں: **ولا يَتِمُّ مبنىٰ هذا الاستحسان؛ فإن الضّرورة الّتي يُناطُ بها التَّخفيفُ هي الضّرورةُ اللّازمةُ أوالغالبةُ الوقوعِ ومجردُ عروض ما هو ملجئٌ ليس بذلك الخ (فتح القدير: ۲/۴۰۲،ط: زکریا)** علامہ شامیؒ نے بھی اس تردید کونقل فرمایاہے۔جہاں سے آپ نے عبارتیں نقل کی ہیں، وہیں پر تردید بھی موجود ہے۔دوسری دلیل صاحبین کی یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت صفیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حالتِ اعتکاف میں رات کے وقت آپ ﷺ کے پاس زیارت کے لیے آئیں تھیں، جب جانے لگیں ،تو آپ ﷺ ان کے ساتھ اپنے معتکف سے نکلے،اس کا جواب بھی علامہ مغنیؒ نے دے کر صاحبینؒ کے قول کی تردید فرمائی ہے۔ملاحظہ فرمائیں **(المغني و الشرح الكبير :۳/۱۳۶،ط: دار الكتب العلمية، بيروت)**

غرض صاحبینؒ کے قول کو کسی نے بھی قوی نہیں بتایاہے،ان کے قول کی تردید ضرور ملتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ، وہ ائمہ اربعہ کا متفق علیہ مسلک ہے ؛لہٰذا ہمارے اکابر نے حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے قول پر ہی فتویٰ دیاہے،اوریہی قوی اورراجح اورمفتی بہ ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمود حسن غفرلہ
بلندشہری

الجواب صحیح
فخر الاسلام

حبیب الرحمان عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
۲۴/شعبان ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
محمد نعمان غفرلہ
سیتاپوری

قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت کسی کے ٹھہرانے سے ٹھہر جانا

قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت کسی شخص کے ٹھہرانے سے ٹھہرنا نہیں چاہیے؛ بلکہ چلتے چلتے اسے بتا دینا چاہیے کہ میں اعتکاف میں ہوں، اس لیے ٹھہر نہیں سکتا، اگر کسی کے ٹھہرانے سے کچھ دیر ٹھہر گیا تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔**ويرجعُ إلى المسجدِ كما فرغ من الوُضوء، ولو مَكَثَ في بيته،فَسَدَ اعتكافُه،وإن كان ساعةً. (الهندية : ۱/۲۱۲)**.(احکامِ اعتکاف:۳۸)

دو گھر والے کا قضائے حاجت کے لیے دور والے گھر جانا

اگر کسی شخص کے دو گھر ہوں تو اس کو چاہیے کہ قریب والے گھر جا کر حاجت پوری کرے، دور والے گھر میں جانے سے بعض علماء کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔**وإن كـان لـهٗ بيتان ،قريبٌ وبعيدٌ،قال بعضُهم : لايجوزُ أن يمضِيَ إلى الْبعيدِ،فإن مضىٰ بَطَلَ اعتكافُه.(الهندية: ۱/۲۱۲)**.(احکامِ اعتکاف:۳۸)

حرمین شریفین کے معتکفین کا قریب والے حمامات کو چھوڑ کر دور والے حمامات میں جانا

سوال: ایک مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ قضائے حاجت کے لیے مسجد سے باہر جاتے ہیں تو مسجد سے قریب والے حمامات میں رش ہوتا ہے، وہاں لائن لگانی پڑتی ہے،ان حمامات سے آگے کچھ دوسرے حمامات بھی ہیں، جہاں رش نہیں ہوتا تو کیا قریب والے حمامات کو چھوڑ کر دور والے حمامات میں جا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً!اگر قریب والے حمامات میں رش ہونے کی وجہ سے زیادہ وقت لگنے کا ظنِ غالب ہو،تو دور والے حمامات میں جانا جائز ہے؛ کیونکہ قریب والے حمامات

میں لائن لگانے کی وجہ سے باہر زیادہ دیر تک رہنا پڑے گا اور دور والے حمامات میں جا کر جلدی سے فارغ ہو کر واپس مسجد میں پہونچ جائے گا؛ کیونکہ معتکف کے لیے یہ مسئلہ ہے کہ مسجد سے باہر ضرورۃً نکل سکتا ہے، پھر ضرورت پوری کر کے فوراً مسجد میں آجائے، قریب والے حمامات میں اگر زیادہ دیر لگے تو دور والے حمامات میں جانا، اس لیے درست ہوگا، کہ جلدی سے فارغ ہو کر مسجد میں پہونچ جائے گا۔ (آئینۂ رمضان: ۳۰۰)

معتکف کا اپنے گھر ضرورۃً آنا اور خطوط لینا

سوال: اپنے گھر ضرورۃً آیا ہو تو اپنی ڈاک کا بکس کھول کر خطوط لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً! گھر فقط استنجے کی غرض سے جا سکتا ہے، وہ بھی جب کہ گھر سے قریب تر کوئی ایسی جگہ نہ ہو، جہاں استنجاء کر سکے اور استنجے سے قبل یا بعد کسی کام کے واسطے ٹھہرنے کی بالکل اجازت نہیں۔ (امداد الاحکام: ۱۴۹/۲، ۱۵۰، آئینۂ رمضان: ۲۶۰)

ذکر یا تجدیدِ وضو کے لیے نکلنا

معتکف کا ذکر یا تجدیدِ وضو کے لیے وضو خانہ جانا درست نہیں، اگر گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا؛ کیونکہ معتکف کے لیے صرف واجب وضو کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے، ذکر کے لیے با وضو ہونا ضروری نہیں ہے اور وضو علی الوضوء مستحب ہے، واجب نہیں ہے؛ لہٰذا ذکر یا تجدیدِ وضو کے لیے نکلنا مفسدِ اعتکاف ہوگا۔ **وأمّا إذا احتاجَ إلى الوُضوءِ بغير بولٍ وغائطٍ، ومن غير حاجةٍ إلى استنجاءٍ، فإن لم يُمكنْهُ في المسجدِ، جاز الخروجُ له، ولا يَقْطَعُ الاعتكافَ، وإن أمْكَنَهُ في المسجدِ فوجهان: أصحُّهما لا يجوزُ الخروجُ له، ونَقَلَه الإمامُ عن الأكثرينَ، ثُمَّ قال: ولا شكَّ أن هٰذا الاختلافَ في الوضوءِ الواجبِ، يعني أنّ التَّجديدَ لا يجوزُ له الخروجُ وجهاً واحداً، وقد صرَّح صاحبُ الشَّاملِ بامتناعِ الخروجِ لتجديدِ الوضوءِ ولم يذكر فيه خلافاً.** (المجموع: ٦/ ٣٤٢). (آداب الاعتکاف: ۷۲)

اعتکاف میں غسلِ جمعہ یا ٹھنڈک کے لیے غسل کی خاطر نکلنا

معتکف کے لیے حاجتِ طبعیہ، شرعیہ اور ضروریہ کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے اور تمام فقہاء نے حاجتِ طبعیہ میں صرف تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں: پیشاب، پاخانہ اور غسلِ احتلام؛ اس لیے حالتِ اعتکاف میں غسلِ مسنون یا غسلِ تبرید کے لیے نکلنا جائز نہیں، اگر اس کے لیے نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، درمختار میں ہے: **إلا لحاجة، طبعيّةً كبولٍ وغائطٍ وغسلٍ لو احتلم** اس میں "**لو احتلم**" کی قید صراحۃً غسلِ جمعہ کو خارج کر رہی ہے۔ **لأن مفاهيم الكتب حجة**، علامہ شامیؒ نے اس قید کو برقرار رکھا ہے اور اس پر مزید کوئی کلام نہیں کیا، جو اس پر دال ہے کہ غسلِ جمعہ یا غسلِ تبرید اس میں داخل نہیں، خود آنحضرت ﷺ نے اہتمام کے ساتھ اعتکاف فرمایا ہے؛ لیکن غسلِ مسنون کے لیے نکلنا ثابت نہیں، البتہ جمعہ کا غسل کرنا ہو یا ٹھنڈک کے لیے نہانا ہو، تو اس کی ایسی صورت اختیار کی جا سکتی ہے جن سے پانی مسجد میں نہ گرے، مثلاً: کسی ٹب میں بیٹھ کر نہا لے، یا مسجد کے کنارے پر اس طرح غسل کرنا ممکن ہو کہ پانی مسجد کے باہر گرے تو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ **إن غسلَه في المسجدِ في إناءٍ لا بأسَ به؛ لأنه ليس فيه تلويثُ المسجد (خانية: ١/ ٢٢٣)** (احکامِ اعتکاف: ۴۰، فتاوی محمودیہ: ۲۴۳/۱۰، امداد الفتاوی: ۱۵۳/۲، کفایت المفتی: ۲۴۳/۴، فتاوی دار العلوم: ۵۰۲/۶، ۵۰۴، خیر الفتاوی: ۱۳۲/۴، فتاوی عثمانی: ۱۹۵/۲، کتاب المسائل: ۱۱۰/۲)(۱)

اعتکاف میں غسلِ جمعہ کا مسئلہ

(۱) اعتکافِ مسنون اور اعتکافِ منذور میں مسجد سے باہر غسلِ جمعہ کے لیے باہر جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اکثر اکابر اہلِ فتاوی کی رائے یہ ہے کہ معتکف کے لیے استقلالاً غسلِ جمعہ کے لیے نکلنا جائز نہیں ہے، بعض حضرات نے غسلِ جمعہ کے لیے نکلنے کی اجازت دی ہے، مثلاً حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ نے (أشعة اللمعات: ۱۲۰/۲) میں جواز نقل کیا ہے؛ لیکن اس کے لیے کوئی فقہی دلیل یا فقہاء کا کوئی خاص حوالہ ذکر نہیں فرمایا، نیز علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے (احکام القرآن: ۱۹۰/۱) پر ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ﴾ میں (الإکلیل: ۱۲۰/۲) کے حوالے سے جواز نقل کیا ہے اور الإکلیل میں جواز کے لیے خزانۃ الروایات اور فتاوی الحجہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کے علاوہ حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی بیاض سے بحوالہ کنز العبّاد بھی جواز نقل فرمایا گیا ہے (منقول از رسالہ اعتکاف مؤلفہ سید محمد حسن صاحب کراچی ص: ۸۰، مسئلہ: ۲۶۶) بقیہ اگلے صفحہ پر............

صاحبِ احسن الفتاوی نے بھی مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں غسلِ جمعہ کے لیے خروج کو جائز قرار دیا ہے؛ لیکن فقہی دلائل کی روشنی میں عام اکابر اہلِ فتوی کا قول درست معلوم ہوتا ہے، اس کے مقابل جواز کا قول نہایت ضعیف اور مرجوح معلوم ہوتا ہے، جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ تمام فقہائے کرام نے حاجتِ طبعیہ میں صرف تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں: بول، غائط اور غسلِ احتلام (اسی طرح ان سے جو ملحق ہیں، جیسے کھانا لانے کے لیے جانا، جبکہ کوئی لانے والا نہ ہو) چنانچہ درمختار میں ہے: **الخروجُ إلّا لحاجةِ الإنسانِ طبيعيّةً كبولٍ، وغائطٍ، وغسلٍ لو احتلم. (در مختار مع شامي: ۳/ ۴۳۵)** اس میں ''لواحتلم'' کی قید صراحۃً غسلِ جمعہ کو خارج کر رہی ہے: **لأنَّ مفاهيمَ كُتُبِ الفِقْه حجة**. علامہ شامیؒ نے بھی اس قید کو برقرار رکھا ہے اور اس پر کوئی مزید کلام نہیں فرمایا، اگر غسل کو عام رکھا جاتا، تب اس کے اطلاق سے فائدہ اٹھانے کا احتمال نکل سکتا تھا یا واجب کے بعد ''أوْ'' کے ساتھ مستحب کو بھی ذکر کر دیتے۔

۲۔ اعتکاف میں اصل یہ ہے کہ نفسِ خروج بالکل جائز نہ ہو؛ البتہ جہاں جوازِ خروج کی کوئی دلیل شرعی آ جائے گی، صرف وہاں جواز کا حکم لگایا جائے گا اور جوازِ خروج کے باب میں اصل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: ''**وكان لايَدْخُلُ البيتَ إلا لحاجةِ الإنسان**'' اس حاجۃ الإنسان کی جو تفسیر اصحاب المذہب سے منقول ہے، اس میں غسلِ جمعہ کی کوئی گنجائش نہیں؛ چنانچہ ''برجندی شرح وقایہ'' میں ہے: **وفسر حاجة الإنسان بالبول و الغائط، وقد صرَّح به في الكافِي (برجُندي)**. اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفسیر ''الکافی'' میں کی گئی ہے اور یہ معلوم ہے کہ الکافی امام محمدؒ کی ان چھ کتابوں کا مجموعہ ہے، جن کی روایات کو ظاہر الروایۃ کہتے ہیں؛ لہذا یہ تفسیر ظاہر الروایۃ کی ہے اور شاید اس میں غسلِ احتلام کو حاجتِ طبعیہ ہونے کی بنا پر شامل نہیں کیا گیا۔

''حاجۃ الانسان'' کی دوسری تفسیر مجمع الانہر میں کی گئی ہے: **إلا لحاجةِ الإنسانِ، كالطَّهارةِ و مقدِّماتِها، وهذا التَّفسِيرُ أحسنُ من أن يُفَسَّرَ با لبولِ و الغائطِ، تدبّر. (مجمع الأنهر: ۱/ ۳۷۸)** علامہ شامیؒ نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ (شامی: ۳/۴۳۵) اس تفسیر میں بھی طہارت سے مراد طہارتِ واجبہ ہی ہو سکتی ہے؛ کیونکہ وضو علی الوضو کے لیے نکلنا کسی کے نزدیک جائز نہیں اور غسلِ جمعہ، طہارتِ واجبہ میں شامل نہیں۔

۳۔ فقہائے کرام کا واضح کلیہ موجود ہے کہ معتکف امرِ ضروری کے لیے نکل سکتا ہے، فضائل کے لیے نہیں؛ چنانچہ صاحبِ بدائع نے اس کی تشریح کر دی ہے۔

ولايخرج المعتكِفُ من مُعْتَكَفِه في الاعتكافِ الواجبِ ليلاً ولا نهاراً إلّا لما لا بدَّ منهُ، من الغائطِ والبولِ وحضورِ الجمعةِ ......ولايخرُجُ لعيادةِ مريضٍ ولا لِصلوةِ جنازةٍ؛ لأنَّه لا ضرورةَ إلى الخُروجِ؛ لأنَّ عيادةَ المريضِ ليستْ من الفرائضِ؛ بل من الفضائلِ . (بدائع: ۲/ ۲۸۲، ۲۸۳)

علامہ کاسانیؒ کی عبارت ''**من الفضائل**'' صاف تصریح کر رہی ہے کہ فضائل کے لیے معتکف نہیں نکل سکتا اور ظاہر ہے کہ غسلِ جمعہ بالاتفاق فضائل میں سے ہے، اب اتنی صاف عبارت کے بعد اب کیا گنجائش رہ جاتی ہے اور تفقہ بھی یہی ہے، درایت بھی اس کی مقتضی ہے، کہ اگر امورِ فضائل میں معتکف کو خارجِ مسجد جانے کی اجازت دے دی جائے، تو پھر اس فضائل کا سلسلہ اتنا وسیع ہوگا کہ اعتکاف کا مقصد جو لُبث ومُکثِ مسجد ہے، بالکل فوت ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو امر مقصد کے فوت کا باعث ہو، اس کی اجازت فقہائے کرام کس طرح دے سکتے ہیں۔

۴۔ حاجۃ الانسان کا لفظ عرفاً بھی بول وبراز کھانا پینا وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے؛ لیکن غسلِ جمعہ پر اس کا اطلاق عرفاً نہیں ہوتا۔

۵۔ لفظِ حاجت پر اگر غور کیا جائے تو اس سے مراد حاجتِ لازمہ ہی ہو سکتی ہے، ورنہ حاجاتِ غیر لازمہ بے شمار ہیں، ان سب کو مستثنی کرنا پڑے گا۔

۶۔ فقہائے کرام نے حاجت کی بناء پر خروج کی جو علت لکھی ہے، وہ بھی غسلِ مستحب میں نہیں پائی جا رہی ہے؛ چنانچہ بدائع میں اس کی وضاحت ہے:

لأنَّ في الخروج لهذه الحاجةتحقيقَ هذه القربةِ؛ لأنّه لا يَتَمكَّنُ المرأُمن أداءِ هذه القُربةِ إلا بالبقاء ولا بقاءَ بدون القُوتِ عادةً، ولابدَّ لذلك من الاستفراغ على ما عليه مجرَى العادةِ. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۸۲) ظاہر بات ہے کہ یہ علت غسلِ مستحب میں بالکل نہیں پائی جا رہی ہے؛ لہذا حاجت میں داخل ہی نہیں۔

۷۔ ممکن ہے کہ اس کو حاجتِ شرعیہ میں شمار کیا جائے، مگر اس کا حاجتِ شرعیہ میں ماننا تسلیم نہیں؛ اس لیے کہ جس مقام پر فقہاء نے حاجتِ شرعیہ کو بیان کیا ہے، وہاں جمعہ کو سب نے بالاتفاق بیان کیا ہے، مگر اس کے غسل کو بیان نہیں کیا ہے۔

۸۔ آنحضرت ﷺ نے ہر سال مسجدِ نبوی ﷺ میں اعتکاف فرمایا اور اعتکاف میں جمعہ بھی لازماً آتا تھا؛ لیکن ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ غسلِ جمعہ کے لیے اعتکاف سے باہر تشریف لے گئے ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے یہاں تک تو بتا دیا کہ آپ ﷺ اپنا سرِ اقدس حجرے کی طرف جھکا دیتے اور میں اندر بیٹھ کر کنگھی کر دیا کرتی تھی؛ لیکن غسلِ جمعہ کے لیے نکلنے کا کہیں ذکر نہیں فرمایا، اگر آپ ﷺ کبھی اس کے لیے نکلتے تو یہ خروج ضرور منقول ہوتا۔

ان وجوہ کی بنا پر اعتکافِ مسنون میں غسلِ جمعہ کے لیے خروج، جائز نہیں معلوم ہوتا۔

جہاں تک ان اقوال کا تعلق ہے، جو جواز پر دلالت کرتے ہیں، ان کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ان میں تو بعض کتب قطعاً نا قابلِ اعتبار ہیں، جبکہ اصولِ افتاء میں مذکور ہے کہ ہر کتاب سے فتوی دینا درست نہیں؛ بلکہ فتوی انھیں کتابوں سے دینا درست ہے، جو متداول اور محقق ہیں اور جن کے مؤلفین سے اہلِ علم واقف ہیں؛ چنانچہ علامہ عبدالحیؒ فرنگی محلی ''عمدۃ الرعایہ'' میں لکھتے ہیں:

لایجوز الإفتاءُ من الکُتُبِ الْمُخْتَصَرَةِ کالنَّهرِ وشرحِ الکنْزِ للعینِي، و الدُّرِّ الْمُخْتارشرحِ تنویرِ الأبْصارِأو لعدمِ الاطِّلاعِ علىٰ حالِ مصنِّفِیْها کشرحِ الکنْزِ للمنلا مِسْکین،وشرحِ النُّقایةِللقُهستانِي أولِنقْلِ الأقوالِ الضَّعِیفةِ فیها، کالْقِنْیَةِللزَّاهدي،فلا یَجوزُ الإفتاءُ من هذه إلا إذا عُلِمَ المنقولُ عنه وأخذُه منه.(عمدة الرعایة علی شرح الوقایة)

اسی طرح ایک اور موقع پر نقل کرتے ہیں:''من القواعد الکلِّیَّةِ،أنَّ نقلَ الأحادیثِ النَّبْوِیَّةِوالمسائلِ الفِقْهِیَّةِ،لا یجوزُ إلّا من کُتُبٍ متداولةٍ'' . اس سے معلوم ہوا کہ کتبِ متداولہ بین الفقہاء کے علاوہ کسی کو معیار نہ بنایا جائے،اسی طرح اگر کسی کتاب میں اصول اور کتبِ معتبرہ کے خلاف کوئی مسئلہ ہو تو اسے بھی اختیار نہ کیا جائے؛ چنانچہ''النافع الکبیر''میں ہے:

واعلَمْ أنه یَنبغِي لِلْمُفْتِي أن یَجْتهِد في الرُّجوعِ إلی الکُتُبِ الْمُعْتَمَدةِ،ولا یعتمِدَ کلَّ کتابٍ،لاسیَّما الفتاویٰ الّتي هي کا لصَّحاری مالم یَعْلَمْ حالَ مؤلِّفه،وجلالةَ قدرِه،فإن وَجَدَ مسئلةًفي کتابٍ لم یوجدْ لها أثرٌ في الکُتُبِ الْمُعْتَمَدَةِینبغِي أن یَّتَفَصَّحَ ذلك فیها،فإنْ وَجد،َفبِها وإلا لایَجْتَرِئُی علی الإفتاءِ بها.(النافع الکبیر:۲۹)

حاصل یہ ہے کہ ہر کتاب سے فتویٰ دینا درست نہیں؛ بلکہ دوسری معتمد کتابوں کو دیکھے،اسی طرح ایک اور موقع پر اصولِ افتاء بیان کرتے ہوئے نہایت فیصلہ کن قاعدہ لکھتے ہیں:

والحکم أن لا یوخذَ منهاما کان مخالفاًلکتُب الطَّبَقةِ الأعلیٰ،ویتوقَّف فِیما وُجِد فیها ولم یُوجَد في غیرِهاما لم یَدخُل ذلك في أصلٍ شرعيٍّ.(النافع الکبیر:۳۳)

مطلب یہ کہ کسی کتاب میں کوئی جزئیہ ہو اور اس کے خلاف کسی بڑی کتاب میں ہو تو اس سے نہیں لیا جائے گا،اسی طرح اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہو،تب بھی نہیں لیا جائے گا؛ تاوقتیکہ اس کی حیثیت اور مرتبہ عند الفقہاء معلوم نہ ہو اور کسی اصلِ شرعی کے تحت نہ آتا ہو۔

چنانچہ جن کتابوں کے حوالے اجازت کے سلسلے میں مذکور ہیں،ان میں بعض وہ ہیں جن کا غیر معتبر اور واہی موضوعات کا ڈھیر ہونا مصرَّح ہے،مثلاً''خزانۃ الروایات'' کے بارے میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں:من الکُتُبِ الغیرِ المُعْتَبَرةِ.........خزانةُالرِّوایاتِ.(النافع الکبیر: ۳۲،۳۳)' آگے لکھتے ہیں:''والحکم أن لا یوخذَ منها،ما کان مخالفاًلکتُب الطَّبَقةِ الأعلیٰ ویتوقَّف فِیما وُجِد فیها ولم یوجَد في غیرِها،ما لم یَدخُل ذلك في أصلٍ شرعيٍّ''(النافع الکبیر:۳۳) اسی طرح''کنز العباد'' کے بارے میں لکھا ہے کہ :'وکذا ''کَنْزُالْعُبَّاد'' فإنَّه مملوءٌ من المسائلِ الواهیةِ،والأحادیثِ الضَّعِیفَةِ،لا عبرةَ له عند الفقهاءِ ولا عند المحدِّثین.(النافع الکبیر: ۳۲)؛ لہٰذا غیر معتبر اور اصلِ شرعی میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر فتویٰ درست نہیں،اس کے علاوہ جن کا حوالہ اس سلسلے میں ملتا ہے، وہ بھی غیر معروف کتابیں ہیں؛ لہٰذا ان کی مراجعت کر کے تحقیق نہیں کی جا سکتی۔

ممکن ہے کہ اس کے جواز میں''اشعۃ اللمعات'' کی یہ عبارت پیش کی جائے:

87

''اما غسلِ جمعہ روایتے صریح دراں اصول نمی یابم جز آنکہ در شرح او گفتہ است کے بر می آید برائے غسلِ فرض باشد یا نفل'(أشعة اللّمعات: ۲/ ۱۲۰) لیکن اس میں بھی یہ مذکور نہیں کہ شرح سے کون سی شرح مراد ہے؟ اور شرح کی اس بات کی بنیاد کیا ہے؟ لہٰذا اس پر اصلِ شرعی اور ظاہر الروایت کے برخلاف فتویٰ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

فتاویٰ کی کتابوں میں صرف تاتارخانیہ میں یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے'ویخرج للوضوءِ والاغتسال، فرضاًکان أو نفلاً.(تاتارخانیه: ۲/۳۱۳ کراچی) مجیزین کا یہی اہم مستدل ہے،مگر تفتیشی نگاہ سے دیکھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہائے کرام اسے کیوں قبول نہیں کر رہے ہیں اور اپنی کتابوں میں کیوں نہیں نقل کر رہے ہیں،تاتارخانیہ ۷۸۶ھ سے قبل کی تالیف ہے،اس سے قبل کی کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں پایا جا رہا ہے،اسی طرح تاتارخانیہ کے بعد کی متداول کتابوں میں جن میں انکا حوالہ اور اس سے ماخوذ مسائل مذکور ہیں یہ مسئلہ نہیں ہے،مثلاً: ابنِ نجیم کی البحر الرائق، حصکفي کی درمختار، منحۃ الخالق (حاشیہ بحر)طحطاوی علی الدر المختار،شامی، عالمگیری وغیرہ، جبکہ یہ حضرات اسی میدان کے شہسوار ہیں،علامہ شامی وطحطاوی نے تاتارخانیہ کے حوالہ سے بہت سے جزئیات کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اسے کیوں نہیں نقل کیا آخر کیا بات ہے؟ کیا ان کے سامنے یہ جزئیہ نہیں تھا؟ یہ بیّن دلیل ہے کہ یہ جزئیہ قابلِ قبول نہیں اسی وجہ سے جمہور فقہاء نے بھی اجازت نہیں دی، دیکھیے اسی باب میں تاتارخانیہ کے ایک جزئیہ کو بعد کے فقہاء نقل کر رہے ہیں؛ چنانچہ شامی میں ہے:

وفي التَّاتارخانیةعن الحجة:لوشَرَطَ وقت النَّذرِوالالتزامِ أن یخرُجَ لعیادةِ المریضِ وصلاةِالجنازةِ وحضورِ مجلس العلمِ، یجوزُله ذلك.(۲/۱۳٤) ہندیہ نے بھی اسی حوالہ سے نقل کیا ہے۔(۲/۲۱۲)

آخر اسی باب میں غسلِ مستحب کی اجازت ہے،تو اسے علامہ شامی یا مؤلفینِ ہندیہ کیوں نہیں نقل کر رہے ہیں؟ جب کہ یہ ایسا مسئلہ ہے جو اور جگہ نہیں۔آخر' لوشرط وقت النذر'' جو اسی کتاب میں ہے،نقل کر رہے ہیں؛ لہٰذا بعد کے فقہاء کا نقل نہ کرنا بھی دلیل ہے کہ یہ حضرات اس قول میں ان کو منفرد مان رہے ہیں، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسئلہ کوئی جدید مسئلہ ہے۔

بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بول وبراز کے لیے مسجد کے باہر جائے تو ضمناً غسل بھی کرتا آئے،اس کی اجازت ہے؛ لیکن اس اجازت کی بھی کوئی بنیاد احقر کو فقہ یا حدیث میں نہیں ملی، ؛ بلکہ حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد اس کے خلاف ہے کہ ''کان رسولُ اللّٰه ﷺ یَمرُّ با لمریضِ وهو معتکفٌ فیَمُرُّ کما هوولایُعَرِّجُ یَسْأَلُ عنه''(أبو داؤد /الصیام/المعتکف یعود المریض ۱/۳۳۵رقم: ۲٤۷۲)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے لیے بھی نہیں ٹھہرتے تھے اور ظاہر ہے کہ غسلِ جمعہ کے لیے ٹھہرنا پڑے گا، جو اعتکاف کے منافی ہے۔

اکابر حضرات مفتیان رحمہم اللہ کے فتاویٰ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (جن کی صراحت اوپر کر دی گئی ہے)۔

لہٰذا اعتکافِ مسنون میں غسلِ جمعہ کے لیے خروج کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔واللّٰه سبحانه و تعالی أعلم بالصّواب وإلیه المرجع والمآب. (احکامِ اعتکاف:۶۱ تا ۶۵،آدابِ اعتکاف:۱۰۷ تا ۱۱۸)

غسلِ مستحب یا غسلِ تبرید کے لیے نہانے کا
ایک جائز طریقہ

تقریباً ڈیڑھ دو میٹر لمبا اور دو ڈھائی میٹر چوڑی پلاسٹک لے، پھر مسجد کی حد جہاں ختم ہوتی ہے، مثلاً صحن کے آخر میں وہ پلاسٹک بچھا دے، اس کے تینوں طرف نیچے سے اینٹ لگا دے اور مسجد کے باہر کی طرف یونہی چھوڑ دے؛ تاکہ ڈھال ہو جائے، اب تین جانب کچھ اونچائی ہو جائے گی اور پانی ان تینوں جانب سے مسجد کی طرف نہ آئے گا؛ بلکہ ڈھال کی طرف سے مسجد سے باہر کی جانب چلا جائے گا، اب معتکف اس پلاسٹک کے اندر بیٹھ کر نہائے کہ مسجد کی جانب چھینٹیں نہ آئیں، اس طرح مسجد کے اندر غسل بھی ہو جائے گا اور مسجد کی زمین پر پانی بھی نہ گرے گا، اور نہ پانی سے مسجد آلودہ ہوگی، حسبِ موقع وضرورت گرمی کی وجہ سے اور غسلِ جمعہ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔ قال في الهندية: ثمّ إن أمكنه الاغتسالُ في المسجدِ من غير أن يتلوّثَ المسجدُ، فلا بأس به. (الهندية: ۱/۲۱۳). (آداب الاعتکاف: ۷۵)

معتکف کا مسجد کے کنارے بیٹھ کر غسل کرنا

سوال: کیا حالتِ اعتکاف میں معتکف (مسجد کے کنارے بیٹھ کر) حالتِ پاکی میں صرف سستی اور جسم کے بوجھل پن کو دور کرنے کے لیے غسل کرسکتا ہے اور کیا اس سے اعتکافِ مسنون ٹوٹ جاتا ہے، جبکہ یہ غسل مسجد کے حدود کے اندر ہو اور کیا اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

جواب: غسل اور وضو سے مسجد کو ملوث کرنا جائز نہیں۔ قال في البدائع: فإن کان بحيث يتلوّثُ بالماءِ المستعملِ يُمْنَعُ منه؛ لأنّ تنظيفَ المسجدِ واجبٌ. (شامي: ۳/۴۳۵) اگر صحن پختہ ہے اور وہاں سے پانی باہر نکل جاتا ہے تو گنجائش ہے کہ کونے میں بیٹھ کر نہالے اور پھر جگہ کو صاف کردے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۱۸، فتاوی محمودیہ: ۶/۵۰۲)

مسجد کے غسل خانوں میں غسلِ جمعہ کے لیے جانا

مسجد سے ملحق غسل خانے جو مسجد میں نہیں ہوتے؛ لیکن مسجد کی ملکیت میں ہوتے ہیں، حدودِ مسجد سے باہر ہیں، ان میں بھی غسلِ جمعہ یا ٹھنڈک کے لیے غسل کی خاطر جانا اعتکافِ مسنون میں جائز نہیں؛ لہٰذا جائز طریقے پر غسل کی صورت یہی ہے کہ مسجد میں ٹب رکھ کر اس میں غسل کریں، یا مسجد کے کنارے پر اس طرح بیٹھیں کہ مستقل پانی مسجد میں نہ گرے۔ (فتاوی عثمانی: ۲/۱۹۵، ۱۹۶)

دیہاتی معتکف کا نمازِ جمعہ کے لیے شہر جانا

اعتکاف کے لیے شہر، یا شرائط جمعہ کا پایا جانا ضروری نہیں؛ بلکہ ہر وہ جگہ خواہ شہر ہو یا گاؤں ان کے باشندوں پر مسنون علی الکفایہ ہے؛ البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو، هو لُبثُ ذَكَرٍ، ولو مُميِّزاً في مسجدِ جماعةٍ، هو ما له إمامٌ و مؤذّنٌ أُدِّيَتْ فيه الخمسُ أوْلا، وعن الإمامِ اشتراطُ أداءِ الخمسِ فيه. (در مختار مع شامي: ۳/۴۲۸). گاؤں والوں پر نہ جمعہ فرض ہے، نہ سنتِ مؤکدہ؛ لہٰذا اس کو جمعہ کے لیے شہر جانا جائز نہیں، اگر جائے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۴۱، ۲۶۰، کفایت المفتی: ۴/۲۴۴، امداد الاحکام: ۳/۱۴۲)

معتکف کے لیے خارجِ مسجد نماز ادا کرنے کا حکم

سوال: مسجد کے سامنے جو صحن ہے، جس میں موسم گرما میں نمازِ مغرب وعشاء ادا کرتے ہیں؛ لیکن اس کو لوگ نہ داخلِ مسجد سمجھتے ہیں، نہ اس کی حرمت مسجد کی سی کرتے ہیں اور بانی کے طرزِ عمل سے بھی خارجِ مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، جب ایسی جگہ جماعت ہو تو معتکفین، تراویح وفرائض ادا کرنے کے لیے وہاں آ جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جب بانی کے طرزِ عمل سے وہ جگہ خارجِ مسجد ہے، تو معتکفین اس جگہ میں نماز

نہیں پڑھ سکتے، ورنہ اعتکاف باطل ہوجائے گا، قال في الهندية: أما تفسيرُه: فهو اللُّبثُ في المسجد. (عالمگیری: ۱/ ۲۱۱) وإن خرج من غیر عذرٍ ساعةً فَسَدَ اعتكافُه. (عالمگیری :۱/۲۱۲)۔(امدادالاحکام:۳/۱۴۲)(۱)

مسجدِ نبوی کے معتکفین کا صلوۃ وسلام پیش کرنے کے لیے مسجد سے باہر جانا

مسجدِ نبوی میں بھیڑ کے اوقات میں حکومت کی طرف سے صلوۃ وسلام پیش کرنے کے لیے یہ نظام رہتا ہے کہ لوگ ''باب السلام'' سے داخل ہوتے ہیں اور ''باب البقیع'' سے باہر نکلتے ہیں اور اس وقت اس نظام کی خلاف ورزی کسی کے لیے ممکن نہیں رہتی؛ لہٰذا مسجدِ نبوی کے معتکفین پر لازم ہے کہ صلوۃ وسلام پیش کرنے کے لیے مسجد کی حدود سے باہر نہ جائیں؛ بلکہ ایسے وقت میں حاضری کا اہتمام رکھیں، جب کہ مسجد سے باہر نہ جانا پڑے، مثلاً اشراق کے بعد، عصر کے ایک گھنٹے کے بعد یا تراویح کے ایک گھنٹے کے بعد وغیرہ۔ فإن خَرَجَ من الْمَسجدِ و لو ناسیاً ساعةً بلا عذرٍ، فَسَدَ اعتكافُه عند الإمام ؛لوجودِ المُنافي ولو قليلاً (مجمع الأنهر : ۱/۳۷۸)(آئینہ رمضان:۲۹۸)

نوٹ: واضح ہو کہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے باہری صحن مسجدِ شرعی میں داخل نہیں ہیں۔(کتاب المسائل:۲/۱۸۶)

---

(۱) اگر وہ جگہ خارجِ مسجد ہے تو وہاں تراویح وفرائض کا انتظام نہ کرنا چاہیے؛ البتہ اگر وہاں فرض وتراویح کی نماز ہو رہی ہو تو معتکف کے لیے اس میں شامل ہو کر نماز ادا کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ امداد الفتاوی میں ہے: ''اگر راجح ہی لیا جائے کہ اس کا حکم مسجد کا نہیں ہے؛ تاہم معتکف کو ضرورت کی وجہ سے خروج عن المسجد جائز ہے، خواہ وہ ضرورت طبعی ہو یا دینی، اور ادراک جماعت مثل ادراکِ جمعہ ضروریاتِ دینیہ ہے؛ اس لیے خروج جائز ہے'' (امداد الفتاوی:۲/۱۵۲) نیز فقہاء کا عیدین کے لیے نکلنے کی اجازت دینے کا مقتضی بھی یہی ہے کہ جماعت کے لیے خروج جائز ہو؛ کیوں کہ عیدگاہ خارجِ مسجد ہوتی ہے؛ اسی وجہ سے عیدگاہ میں اعتکاف درست نہیں۔

حافظ معتکف کا تراویح پڑھانے دوسری جگہ جانا

حافظ معتکف اگر تراویح پڑھانے کے لیے دوسری مسجد میں جائے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا؛ البتہ اگر اس نے آخری عشرہ کا اعتکاف بطورِ نذر واجب کرلیا اور زبان سے واجب کرتے وقت ہی یہ اظہار کردیا کہ میں روزانہ تراویح کے لیے دوسری مسجد جایا کروں گا، اس کی صورت یہ ہوگی کہ زبان سے یہ کہہ دے کہ ''میں اللہ تعالیٰ کے لیے آخری عشرہ کے اعتکاف کی نذر مانتا ہوں؛ البتہ تراویح میں قرآن سنانے کے لیے جایا کروں گا''، تو ایسی صورت میں اس کا استثناء درست ہوگا، اور اس کا اعتکاف (واجب بالنذر) تراویح کے لیے دوسری مسجد میں جانے کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا،(۱) ایسی صورت میں اس کو چاہیے کہ تراویح کے وقت سے بالکل قریب جایا کرے اور فارغ ہوتے ہی اعتکاف والی مسجد میں آجایا کرے، راستے میں آتے جاتے کسی جگہ کھڑا نہ ہو۔ ولو شَرَطَ وقتَ النَّذرِ والالتزامِ أن يخرُجَ إلى عيادةِ المريضِ وصلاةِ الجنازةِ وحضورِ مجلسِ العلم، يجوزُ ذلك. (الهندية : ۱/ ۲۱۲). (کتاب المسائل،۲/۱۱۴، خیر الفتاوی:۴/۱۴۰، فتاوی محمودیہ:۱۰/ ۲۳۳ ۲۷۰، فتاوی دارالعلوم:۵۱۲، فتاوی حقانیہ:۴/۱۹۷)

اعتکافِ مسنون میں استثناء کی تحقیق

(۱) اعتکافِ مسنون میں بیٹھتے وقت اگر کوئی شروع ہی سے یہ نیت کرلے اور زبان سے بھی اس کا تلفظ کردے کہ وہ مریض کی عیادت، نمازِ جنازہ کی حاضری، یا مجلسِ علم میں شرکت کے لیے نکلا کرے گا، تو کیا اس کے بعد اس کے لیے نکلنا درست ہوجائے گا یا نہیں؟ اور یہ نکلنا مفسدِ اعتکاف ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں بہت سے اکابر کی رائے یہ ہے کہ شرطِ مذکور کے بعد معتکف کے لیے مذکورہ بالا امور کے لیے نکلنا درست ہوجائے گا، ان حضرات نے اعتکافِ منذور کی طرح اعتکافِ مسنون میں بھی استثناء کو معتبر مانا ہے؛ چونکہ بہت سے امور میں اعتکافِ مسنون اعتکاف منذور کی طرح ہے۔ مثلاً:

(۱)۔اعتکافِ مسنون شروع کرنے کے بعد منذور کی طرح لازم ہوجاتا ہے۔

(۲)۔اعتکافِ مسنون میں مثل واجب کے روزہ ضروری ہے۔

(۳)۔اعتکافِ منذور کی طرح اعتکافِ مسنون بھی بغیر حاجتِ طبعیہ، شرعیہ اور ضروریہ کے مسجد سے نکلنے سے فاسد ہوجاتا ہے اور اس کی قضاء لازم ہوتی ہے، انہیں وجوہ کی بناء پر اعتکافِ منذور کی طرح اعتکافِ مسنون میں بھی استثناء کو معتبر مانا ہے۔

ایک سوال کے جواب میں فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی تحریر فرماتے ہیں:

’’اگر اعتکاف واجب ہے تو تراویح کے لیے ایسی جگہ جانے سے فاسد ہوجائے گا، ہاں! اگر بوقت نذر ایسی جگہ جانے کی نیت کرلیتا ہے تو پھر اجازت ہے اور نفلی اعتکاف اس سے منتہی ہوجاتا ہے، اعتکافِ مسنون کو بھی بعض فقہاء نے واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۲۳۴/۱۰، ۲۳۵) اور اس کے حاشیہ پر ہے: ’’سنت اعتکاف کا واجب اعتکاف کے ساتھ الحاق کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء نے نیت میں واجب اعتکاف کے ساتھ ملحق کیا ہے، جیسے سوال کے جملے ’’اگر اعتکاف کے وقت نیّت کی ہو تو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں‘‘۔ اور حضرت مفتی صاحب کے جواب میں اسی مذکورہ جملے کے جواب کہ ’’ہاں! اگر بوقت نذر ایسی جگہ کی نیت کرلیتا ہے تو پھر اجازت ہے‘‘ سے معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر اعتکافِ مسنون میں کسی جگہ کے لیے نکلنے کی نیت کرے تو بظاہر گنجائش ہے۔ (حاشیہ محمودیہ: ۲۳۴/۱۰) اور جواہر الفتاوی میں ہے:

’’اعتکافِ نذر میں نذر کے وقت اگر غسلِ تبرید، کسی کی نمازِ جنازہ میں شرکت، عیادتِ مریض کو زبانی مستثنیٰ کر لیتا ہے تو ان امورِ مذکورہ کے لیے نکلنا جائز ہے، اس سے اعتکافِ نذر فاسد نہ ہوگا، اسی طرح اعتکافِ مسنون (جو کہ شروع کرنے کے بعد ایک طرح لازم بن جاتا ہے) کو شروع کرنے سے قبل اگر زبانی طور پر غسلِ تبرید کو، جنازہ کے واسطے نکلنے کو، عیادتِ مریض کو، یا مجلسِ تعلیم میں شرکت کرنے کو مستثنیٰ کرلیتا ہے، تو حالتِ اعتکاف میں مذکورہ امور کے لیے نکلنے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا، جیسا کہ فقہائے کرام کے اصول اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے۔ (جواہر الفتاوی: ۳۸، ۳۹) اس کے علاوہ امداد الفتاوی، فتاوی دار العلوم، خیر الفتاوی وغیرہ میں استثناء کی صورت میں نکلنے کی اجازت مذکور ہے۔ ’’المغنی لابن قدامہ‘‘ سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے، مغنی میں ہے، **وإذاشْتَرَطَ فَعْلَ ذلك في اعتكافه، فله فَعْلُه، واجباً كان الاعتكافُ أو غيرَ واجب.... (المغني: ۱۳۸/۳)**

اس کے بالمقابل حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مسنون اعتکاف میں استثناء درست نہیں، اعتکافِ منذور میں درست ہے، مسنون اعتکاف کی ابتداء میں استثناء کی صورت میں مسنون اعتکافِ مسنون نہیں رہے گا؛ بلکہ نفل بن جائے گا؛ کیونکہ عشرۂ اخیرہ کا مکمل اعتکافِ مسنون ہے اور استثناء کی صورت میں مکمل عشرہ کی نیت نہیں رہی؛ لہٰذا ایسی صورت میں مسنون اعتکاف ادا نہ ہوگا۔ اور نذر میں استثناء اس وجہ سے معتبر ہے کہ نذر بندہ کی طرف سے ہے؛ لہٰذا اس کو اختیار ہے کہ وہ کسی وقت کا استثناء کرلے۔ **قال في شرح المهذَّب: ودليلُ المذْهبِ أنه إذا شرط الخروجَ لعارضٍ فكأنَّه شَرَطَ الاعتكافَ في زمانٍ دون زمانٍ وهذا جائزٌ بالاتفاق. (المجموع: ۳۶۷/۶)**. جبکہ عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف منجانبِ شریعت مقرر ہے؛ لہٰذا اس میں استثناء کر کے عشرہ سے کم کرنا جائز نہ ہوگا، حضرت مولانا مفتی ارشاد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’فقہائے کرام نے اعتکافِ منذور میں استثناء کا جزئیہ ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اعتکافِ واجب میں یعنی منذور میں یہ کہہ دے کہ میں مریض کی عیادت کو جاؤں گا، یا فلاں کام کے واسطے نکلوں گا، اور اسے زبان سے بھی ادا کردے تو اسے اجازت ہوگی کہ وہ حسبِ استثناء، مسجد سے باہر جائے اور پھر چلا آئے۔ **قال في الهندية: ولو شَرَطَ وقتَ النَّذرِ والالتزامِ أن يخرُجَ إلى عيادةِ المريضِ وصلاةِ الجنازةِ وحضورِ مجلسِ العلمِ يجوزُله ذلك. (عالمگيري: ۲۱۲/۱)**

اعتکافِ منذور میں تو شرط لگا کر کسی امر کا استثناء کرنا اور اس کا جائز و درست ہونا، بالکل واضح ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں، صاحبِ درمختار وغیرہ نے بھی اسے ذکر کیا اور قبول کیا ہے اور اس کی اجازت بالکل ظاہر ہے، نذر بندے کی طرف سے ہے؛ لہٰذا بندے کا استثناء معتبر ہوگا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اعتکافِ مسنون، یعنی رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں بوقت آغاز اگر کوئی استثناء کرے کہ مثلاً: ’’میں فلاں سبق پڑھنے جاؤں گا‘‘ یا فلاں کام کے لیے فلاں وقت نکلوں گا، آیا اعتکاف سنتِ مؤکّدہ میں اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ عشرۂ اخیرہ میں بھی اگر کوئی قید لگالے کہ ’’میں فلاں وقت فلاں کام سے نکلوں گا‘‘ تو اس کی اجازت ہوگی اور اس کا نکلنا درست ہوگا، اس سے اعتکاف پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ عشرۂ اخیرہ میں بھی اگر کوئی قید لگالے کہ ’’میں فلاں وقت فلاں کام سے نکلوں گا‘‘ تو اس کی اجازت ہوگی اور اس کا نکلنا درست ہوگا، اس سے اعتکاف پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

تحقیقی نقطۂ نظر سے یہ درست نہیں، اعتکافِ مسنون جو من جانب الشارع ہے، اس کو قیاس کرنا منذور پر جو بندے کے واجب کرنے سے واجب ہوتا ہے درست نہیں، ایجابِ بندہ میں بندہ کو اس کی کیفیت میں اختیار رہے گا اور جو سنت سے ثابت ہے، اس میں سنت ہی کی رعایت کی جائے گی اور اس قسم کا استثناء سنت وحدیث سے ثابت نہیں؛ لہٰذا علی وجہ السنۃ ادا کرنے کے لیے علی طریق السنۃ ہونا چاہیے، پس علی طریق السنۃ ادا کرنے کے لیے استثناء کی گنجائش نہیں سمجھ میں آتی؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اس قسم کا استثناء کرے گا کہ ’’میں فلاں کام مثلاً تراویح پڑھنے، سننے یا پڑھانے کے لیے نکلوں گا‘‘ تو یہ اعتکاف نفلی ہوجائے گا۔ خیال رہے کہ یہاں خروج سے قضاء واجب نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہ شروع وقتِ انعقاد سے نفلی ہے اور نفل میں قضاء نہیں۔ (آداب الاعتکاف: ۱۱۸۔۱۲۰)

اور مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ مسئلہ اعتکافِ منذور کے بارے میں تو درست ہے کہ نذر کے وقت ان اشیاء کا استثناء معتبر ہوتا ہے؛ لیکن اعتکافِ مسنون کے بارے میں یہ استثناء درست نہیں معلوم ہوتا‘‘ فتاوی عالمگیری کی یہ عبارت ہے:

ولو شَرَطَ وقتَ النَّذرِ والالتزامِ أن يخرُجَ إلى عيادةِ المريضِ وصلاةِ الجنازةِ وحضور مجلسِ العلم، يجوزُله ذلك، كذا في التّتارخانية، ناقلاً عن الحجَّة. (الهندية: ۲۱۲/۱)

اس عبارت میں ’’وقت النذر‘‘ کا لفظ بتا رہا ہے کہ مراد اعتکافِ منذور ہے، نیز آگے دو، تین مسائل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

وهذا كلُّه في الاعتكافِ الواجبِ، أما في النَّفلِ، فلا بأس بأن يخرُجَ بعذرٍ وغيرِه. (أيضاً: ۲۱۳/۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مسئلہ واجب سے متعلق ہے اور اعتکافِ مسنون کا حکم یہاں بیان نہیں کیا گیا۔

اور چونکہ آنحضرت ﷺ سے اس قسم کا کوئی استثناء ثابت نہیں ہے؛ اس لیے اعتکافِ مسنون میں صحتِ استثناء کے لیے دلیل مستقل چاہیے، جو مفقود ہے؛ لہٰذا اعتکاف کو علی الوجہ المسنون ادا کرنے کے لیے استثناء کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، ظاہر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اعتکافِ مسنون شروع کرتے وقت یہ نیت کرلے تو پھر اس کا اعتکافِ مسنون نہ رہے گا؛ بلکہ نفلی بن جائے گا اور جتنی دیر مسجد کے باہر رہے گا، اتنی دیر اعتکاف شمار نہیں ہوگا؛ لیکن چونکہ شروع ہی میں نیت مسنون کے بجائے نفلی کی ہوگئی تھی؛ اس لیے نکلنے سے قضاء بھی واجب نہیں ہوگی، البتہ فرق یہ پڑے گا کہ اگر مسجد کے تمام معتکفین اسی نیت کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھیں گے تو سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ادا نہ ہوگی، غور کرنے سے احقر کو اس مسئلہ کی حقیقت یہ سمجھ میں آئی ہے اور اس کے مطابق رسالہ کے متن میں مسئلہ لکھ دیا ہے، اس مسئلے میں دوسرے علماء سے رجوع کرلیا جائے تو بہتر ہے اور اگر کسی اہلِ علم کو اعتکافِ مسنون میں استثناء کی دلیل معلوم ہو تو احقر کو بھی مطلع فرمادیں ممنوں ہوں گا۔ (احکامِ اعتکاف: ٦٧)

اور صاحبِ احسن الفتاوی لکھتے ہیں:

''اعتکاف کی نذر میں نمازِ جنازہ، عیادتِ مریض، اور مجلسِ علم میں حاضری کے لیے خروج کا استثناء صحیح ہے، اور نکلنا جائز ہے؛ بشرطیکہ نذر کی طرح استثناء بھی زبان سے کیا ہو، صرف دل کی نیت کافی نہیں، مگر مسنون اعتکاف میں یہ نیت کی تو وہ نفل ہوجائے گا، سنت ادا نہ ہوگی، مسنون اعتکاف صرف وہی ہے، جس میں کوئی استثناء نہ کیا ہو، اس میں نکلنا مفسد ہے''۔ (احسن الفتاوی: ۵۰۹/۴)

دلیل کے اعتبار سے بظاہر یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے، اور احتیاط بھی اسی میں ہے، فتاوی حقانیہ میں ہے:

''تراویح میں قرآن کا ختم بلاشک سنت ہے؛ البتہ بصورتِ استثناء (اعتکاف میں چند امور کی نیت سے) مسجد سے نکلنا مرخص ہے؛ لیکن بہتر عدمِ خروج ہے؛ تاکہ اعتکاف کے تقدُّس پر کوئی اثر نہ پڑے۔ (فتاوی حقانیہ: ۱۹۷، ۱۹۸)۔

اس لیے اعتکافِ مسنون میں اس طرح کا استثناء نہ کیا جائے، اگر استثناء کرنا ہو تو پہلے بصیغۂ نذر عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو لازم کرلیا جائے (جیسا کہ اصل مسئلہ میں اس کی صراحت کردی گئی ہے) پھر زبان سے ان چیزوں کے لیے نکلنے کا استثناء کرلیا جائے، مگر اس صورت میں اعتکاف فاسد ہونے پر نذر کے احکام جاری ہوں گے۔

معتکف کا ہوٹل یا گھر میں چائے پینے کا حکم

چائے پینا، نہ ضرورتِ طبعیہ ہے، نہ ضرورتِ شرعیہ ہے؛ لہٰذا اس کے لیے مسجد سے باہر جانا درست نہیں، اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ ہاں اگر معتکف شدت سے اس کا عادی ہے اور کوئی انتظام نہیں، یا لانے والا نہیں تو گھر یا ہوٹل جاکر چائے پینے کی گنجائش ہے، بہتر یہ ہے کہ وہاں سے لاکر مسجد میں پیے۔ وأكلُه وشُربُه ومبايَعَتُه فيه: يعني يَفْعلُ الْمُعْتَكِفُ هذه الأشياءَ في المسجدِ، فإن خرَجَ لأجلها بَطَلَ اعتكافُه ؛ لأنَّه لاضرورةَ إلى الخروجِ حيثُ جازتْ فيه .....وقيل: يخرجُ بعدالغُروبِ للأكلِ والشُّربِ ويَنْبغِي حملُه علىٰ ما إذا لم يجِدْ من يأتي له به، فحِينَئِذٍ يكونُ من الحوائجِ الضّروريَّةِ كالبولِ والغائطِ. (البحر الرائق: ٢/ ٥٣٠). (مستفاد فتاوی محمودیہ: ۲۸۳/۱۰)

سحر کے ختم کی اطلاع دینے کے لیے بیل بجانے باہر جانا

بیل بجانے کے لیے معتکف کا جماعت خانہ سے باہر جانا جائز نہیں، اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (فتاوی دینیہ: ۸۹/۳)

معتکف کا جنریٹر اسٹارٹ کرنے مسجد سے باہر جانا

معتکف کا جنریٹر اسٹارٹ کرنے کے لیے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ لأنه خروجٌ من غير عذرٍ.

کھانے کے بعد ہاتھ دھونے یا منجن کے لیے مسجد سے نکلنا

معتکف کا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لیے مسجد سے نکلنا جائز نہیں ہے، مسجد میں ہی کسی برتن میں دھولے، منجن یا مسواک وغیرہ وضو کے ساتھ کرسکتا ہے، صرف منجن وغیرہ کے لیے مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ قال في المُغْنِي : ويَغْسِلُ يدَه في الطَّستِ؛ لِيُفرغَ

خارجَ المسجدِ ، ولایجوزُ أن یخرجَ لغسلِ یدِہ ؛لأنّ من ذلك بُدّاً.
(المغني: ۱۵۱/۳).(احسن الفتاوی:۵۱۰/۴،۵۱۱)

سحری کھانے کے بعد کُلّی کرنے کے لیے معتکف کا مسجد سے نکلنا

سحری کرنے کے بعد کلی کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، اگر کلی کی ضرورت ہوتو کسی برتن میں کلی کرلی جائے ، یا مسجد میں رہ کر اس طور پر کلی کرنا ممکن ہو کہ پانی خارجِ مسجد گرے، تو اس شکل کو اختیار کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔ قال في المُغْنِي : ویَغْسِلُ یدَہ في الطَّستِ؛لِیُفرِغَ خارجَ المسجدِ ، ولایجوزُ أن یخرجَ لغسلِ یدِہ ؛لأنّ من ذلك بُدّاً. (المغني: ۱۵۱/۳)

معتکف کا بیڑی، سگریٹ یا حقہ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا

اگر معتکف کو بیڑی، سگریٹ یا حقہ پینے کی عادت ہوتو اس کو چاہیے کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے ان اشیاء کے استعمال کو ترک کردے، اگر اس میں کامیابی نہ ہوتو تعداد اور مقدار کم کرلے ؛ کیوں کہ بیڑی ،سگریٹ وغیرہ کا استعمال عام حالت میں بھی کراہت سے خالی نہیں ہے؛ چہ جائیکہ مسجد میں اس کا استعمال ہو۔قال ط:ویوخذُمنہ کراھةُ التَّحرِیمِ في المسجدِ؛للنَّھيِ الوارِدِ في الثُّومِ والبصلِ وھوملحقٌ بھما . (شامي: ۴۴/۱۰) اگر کچھ پینی ہی پڑے، تو جس وقت استنجاء اور طہارت کے لیے نکلے، اس وقت بیڑی، سگریٹ، حقہ وغیرہ کی بھی حاجت پوری کرلے، خاص کر بیڑی وغیرہ پینے کے لیے نہ نکلے ،کہ اس کی وجہ سے خروج سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔(فتاوی دارالعلوم :۵۰۵/۶،فتاوی حقانیہ:۲۰۴/۴، کتاب المسائل:۱۰۹/۲،فتاوی محمودیہ:۲۴۶/۱۰)

بیڑی، سگریٹ کے عادی شخص کا بیڑی سگریٹ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا

اگر کوئی شخص بیڑی، سگریٹ وغیرہ کا ایسا عادی ہو چکا ہو کہ اس کے استعمال کے بغیر چین نہ آتا ہو، اور طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو، یا کوئی ایسا خوگر ہو کہ اس کے بغیر اجابت نہ ہوتی ہو، تو اس کی حیثیت کھانے پینے کی طرح طبعی ضرورت کی ہوگی ،ایسی حالت میں مسجد سے نکلنا مفسدِ اعتکاف نہ ہوگا۔سُئِل ابنُ حجر المکِّيُّ عمّن ابتُلِي بمأکلٍ،نحوَ الأُفیُونِ وصار إن لم یأکلْ منه هَلَكَ،فأجابَ إن علم ذلك قطعاً حلَّ له؛ بل وَجَبَ لاضطرارِہ إلی إبقاءِ رُوحه کالمیتة للمضطرِّ،ویجب علیه التدریجُ في تنقیصه شیئاً فشیئاً،حتّی یزولَ تَوَلُّعَ المِعْدَة به من غیر أن تشعُر ،فإن ترك ذلك فھو آثمٌ فاسقٌ .قال الرملي: وقواعدُ نا لا تُخالِفُه.(شامي : ۴۵/۱۰) وحرُم علیه .....الخروجُ إلالحاجةِالإنسان طبعیَّةً کبولٍ،غائطٍ ،وغسلٍ. (درمختارمع شامي: ۴۳۴/۳)؛ البتہ اس کو چاہیے کہ اچھی طرح منھ کو صاف کرکے مسجد میں آئے ؛ کیونکہ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ہے۔"مَنْ أَکَلَ من ھذہ الشَّجَرةِ، یعني الثُّومَ، فلا یقْرُبنَّ مسجدَنا.(البخاري /الأذان/ماجاء في الثوم .. ۱۱۸/۱رقم:۸۵۳). (کتاب الفتاوی:۲۵۷/۳،فتاوی رحیمیہ:۲۷۷/۷،۲۷۸،فتاوی محمودیہ:۲۳۸،۲۷۳/۳،فتاوی رشیدیہ:۲/۲، کتاب المسائل:۱۰۹/۲)

ہڈی یا کھجور کی گٹھلی پھینکنے مسجد سے باہر جانا

سوال :اعتکاف کی حالت میں ہاتھ دھونے کا پانی اور دسترخوان پر ہڈی یا کھجور کی گٹھلی وغیرہ مسجد کے باہر پھینک سکتا ہے، اسی طرح بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً :مسجد ہی سے گٹھلی پانی وغیرہ باہر پھینک سکتا ہے اور مسجد ہی سے بوریا وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے۔(فتاوی محمودیہ:۲۴۸/۱۰) معتکف کا مسجد سے نکلنا ،صرف

انہیں ضروریات کے لیے جائز ہے، جن کے بغیر چارہ نہ ہو اور جن کا مسجد میں پورا کرنا ممکن نہ ہو، قال في المغني: وكلُّ ما لا بُدَّ له منه ولا يُمكنُ فعلُه في المسجدِ فله الخروجُ إليه .(المغني : ۳/ ۱۳۳) ہڈی یا کھجور کی گٹھلی پھینکنے، یا بوریا وغیرہ دھوپ میں ڈالنے کے لیے نکلنا جائز نہیں؛ کیونکہ یہ ان ضروریات میں داخل نہیں، جن کے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح ان کی تکمیل بھی مسجد میں ہوسکتی ہے، جس کی صورت جواب میں مذکور ہے۔

معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد کے باہر جانا

سوال: معتکف نے جوتے مسجد کے باہر اتار دیئے، چوری کیے جانے کا ڈر ہے، اب اٹھانے باہر جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: صحن کے متصل ہی تو ہوں گے، اٹھالے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۲۷۲، ۲۸۳) یعنی اس کے لیے مسجد سے باہر نہ جائے، ورنہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔

معتکف کا شادی میں شرکت کرنا

معتکف کا خارجِ مسجد شادی میں شرکت کے لیے جانا جائز نہیں ہے۔ قال في التبيين: ولا يخرُجُ منه إلا لحاجةٍ شرعيةٍ أو طبعيةٍ . (تبيين الحقائق : ۱/ ۳۵۰). (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۲۷۰) اگر جائے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔

معتکف کا کپڑا اٹھانے باہر نکلنا

معتکف کا کپڑا اٹھانے کے لیے باہر نکلنا جائز نہیں، اگر نکلے گا تو اس کا اعتکاف ختم ہوجائے گا۔ إن خَرَجَ بغير عذرٍ ساعةً ،فَسَدَ اعتكافُه .(الهندية: ۱/ ۲۱۲)

معتکف کا سر منڈانے کے لیے مسجد سے نکلنا

معتکف کا سر منڈانے کے لیے مسجد سے نکلنا درست نہیں، مفسد اعتکاف ہے، سر منڈانے کی ضرورت ہو تو اعتکاف کی جگہ میں چادر وغیرہ رکھ کر منڈا سکتا ہے اور پوری احتیاط

رکھے کہ بال وغیرہ مسجد میں گرنے نہ پائے۔ سُئِلَ أبو حنيفةَ عن الْمُعْتَكِفِ إذا احتاجَ إلى الفصدِ والحجامةِ هل يخرُجُ ؟فقال :لا .(الهندية: ۵/ ۳۲۱). (فتاوی رحیمیہ: ۷/ ۲۷۷)

معتکف کا سبق سنانے مدرسہ جانا

معتکف طالب علم کے لیے سبق سنانے مدرسہ جانا جائز نہیں ہے، اس سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ و فيه إشارةٌ إلى أنَّه لا يخرُجُ لعيادةِ المريضِ ،ومجلسِ العلمِ.....فإنه يفسد .(مجمع الأنهر: ۱/ ۳۷۹). (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۲۷۳، فتاوی حقانیہ: ۴/ ۲۰۱)

معتکف کا پڑھانے کے لیے مدرسہ جانا

معتکف کا پڑھانے کے لیے مدرسہ جانا درست نہیں ہے، اگر جائے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ و فيه إشارة إلى أنه لا يخرج لعيادة المريض ،ومجلس العلم .....فإنه يفسد .(مجمع الأنهر: ۱/ ۳۷۹). (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۲۷۴) جواہر الفتاوی میں ہے: ''مدرسین، مقررین، ملازمین، کے لیے اپنی تدریس، تقریر، ملازمت کے لیے مسجد سے نکلنا درست نہیں، اس سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے''۔ (جواہر الفتاوی: ۳۹)

معتکف کا وعظ سننے کے لیے باہر جانا

معتکف کا تقریر اور وعظ سننے، یا ختمِ قرآن کی تقریب میں شرکت کرنے کے لیے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، اگر جائے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ و فيه إشارةٌ إلى أنَّه لا يخرُجُ لعيادةِ المريضِ ،ومجلسِ العلمِ.....فإنه يفسد .(مجمع الأنهر: ۱/ ۳۷۹). (جواہر الفتاوی: ۳۹، کتاب المسائل: ۲/ ۱۱۶، فتاوی محمودیہ: ۳/ ۲۷۳)

معتکف کا محفلِ قرآن مجید میں جانا

سوال: ایک شخص نے پورے رمضان المبارک کے مہینے کے اعتکاف کی نیت کرلی، چند

روز گزرنے کے بعد چند احباب نے اس کو محفلِ قرآن مجید میں شرکت کی دعوت دی اور وہ لوگ اس کی شرکت کو بہت ضروری سمجھتے ہیں؛ بلکہ بعض احباب کہتے ہیں کہ اگر آپ نہ آئے تو اس سال محفلِ قرآن نہیں کرائیں گے،تو اگر وہ شخص اعتکاف کو توڑے تو قضاء یقیناً ہوگی؛ لیکن قضاء بھی رمضان میں ضروری ہے یا غیر رمضان میں بھی ہوسکتی ہے؟

الجواب: اگر یہ اعتکاف نفلی ہے،یعنی نذر وغیرہ نہیں مانی تو اس کے قطع سے قضاء لازم نہیں ہوگی ،جس قدر ہوگیا وہ ہوگیا؛ کیونکہ بر بناء روایت اصل ،ادنی مدتِ اعتکاف ایک ساعت ہے اور اس کے لیے صوم بھی شرط نہیں،بخلاف واجب کے کہ اس کے قطع کردینے سے قضاء لازم آتی ہے اور صوم بھی اس کے لیے شرط ہے۔**فلو شرع في نفله ثم قَطَعَهُ، لايلزمه قضاؤه؛لأنَّه لايُشْترطُ له الصَّومُ على الظَّاهِرِ من المذْهبِ وما في بعضِ الْمُعْتَبَراتِ أنَّه يَلْزَمُ بالشُّروعِ مُفَرَّعٌ على الضَّعِيفِ، قاله الْمُصَنِّف وغيرُه. (درمختار: ۳/ ٤٣٤)** (خیر الفتاوی:۴/ ۱۳۲،۱۳۱) چونکہ یہ مسئلہ ابتدائے رمضان میں پیش آیا؛اس لیے مذکورہ بالا تفصیل درست ہے، اگر یہی واقعہ عشرۂ اخیرہ میں عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی نیت سے بیسویں رمضان کے غروب آفتاب سے پہلے بیٹھنے کے بعد پیش آیا ہوتا،تو ایسی صورت میں ایک دن کی قضا لازم ہوتی، جس کو رمضان یا غیر رمضان میں روزہ رکھ کر ادا کردینا کافی ہوتا۔ازمرتب

ٹیوشن پڑھانے کے لیے معتکف کا نکلنا

ٹیوشن پڑھانے کے لیے معتکف کا نکلنا جائز نہیں،اس سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔**وفيه إشارةٌ إلى أنَّه لا يخرُجُ لعيادةِالمريضِ،ومجلسِ العلمِ.....فإنه يفسد.(مجمع الأنهر: ۱/ ۳۷۹)**.(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۷۴)

معتکف کا عدالت کی تاریخ پر حاضر ہونا

اگر معتکف کا کوئی مقدمہ زیرِ سماعت ہو اور دورانِ اعتکاف عدالت میں حاضری کی تاریخ پیش آجائے اور حاضر نہ ہونے کی شکل میں سخت نقصان کا اندیشہ ہو،یا کسی مقدمہ

میں گواہی کی ضرورت ہو اور معتکف کے علاوہ کوئی گواہ موجود نہ ہو اور عدالت میں حاضر نہ ہونے کی صورت میں صاحبِ حق کا حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو،ایسی صورت میں ضرورۃً صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے ،ایسے معتکف کے لیے مسجد سے باہر جانے کی گنجائش ہے۔**وفي شرحِ الصَّومِ للفقيه أبي اللَّيثِؒ:المعتكفُ يخرجُ ،لأداءِ الشَّهادةِ،وتأويلُه إذالم يكن شاهدٌ آخَرَفيَتْوىٰ حقُّه.(فتح القدير بيروت : ۲/ ۳۹٦)من الضرورةِ أداءُ الشَّهادَةِ (الدُّرُّالمنتقى: ۱/ ۳۷۸)ولايخرجُ منه إلا لحاجةٍ شرعيَّةٍ.....وأداء شهادةٍ تَعَيَّنَتْ عليه.قال الطحطاوي: فيه إن هذامن الحوائجِ الشَّرعيَّةِ.(مراقي الفلاح مع الطحطاوي : ۳۷۳)**

نوٹ:اس مسئلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ شہادت دینے کے لیے معتکف کا مسجد سے باہر آنا بہر حال مفسدِ اعتکاف ہے، یہ الگ بات ہے کہ ضرورت کی بناء پر اس اقدام کی وجہ سے وہ گنہگار نہ ہوگا۔(فتح القدیر:۲/۳۹۶)(کتاب المسائل:۲/۱۱۳،خیر الفتاوی:۴/۱۳۴،فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۷۱)

معتکف کا میٹنگ میں جانا

اگر معتکف خارجِ مسجد کسی میٹنگ میں شرکت کرنے جائے تو اس سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۷۱)؛ کیونکہ یہ کسی معتبر ضرورت میں داخل نہیں،جس کے لیے خروج کی اجازت ہو۔

معتکف کا ووٹ ڈالنے کے لیے نکلنا

معتکف شخص اگر ووٹ ڈالنے کے لیے مسجد سے باہر جائے گا تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا؛ کیونکہ یہ کسی معتبر ضرورت میں شامل نہیں ہے۔**فإن خرج ساعةً بلا عذرٍ،فَسَدَ؛لوجودِ المُنافِي .(البحر الرائق : ۲/ ۵۲۹، الهندية: ۱/ ۲۱۲، خانية: ۱/ ۲۲۲،درمختار: ۳/ ٤۳۷)**. (کتاب المسائل:۲/۱۱۷،فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۷۱،خیر الفتاوی:۴/۱۴۱)

معتکف کا اپنے پیر سے ملاقات کے لیے جانا

معتکف کا اپنے پیر سے ملاقات کے لیے خارجِ مسجد جانا جائز نہیں ہے،اگر جائے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔لو خَرَجَ لزيارةِ القادمِ من سفرٍ، بَطَلَ اعتكافُه المنذورُ،فإن خَرَجَ لقضاءِ الحاجةِ،فزاره في طريقِه فحُكمُه حكمُ عيادةِ المريض. (المجموع: ٦/ ٣٤٩). (فتاویٰ محمودیہ:۲۷۱/۱۰)

معتکف کا مسجد کے پڑوس میں لگی آگ بجھانے جانا

معتکف مسجد کے پڑوس میں لگی آگ بجھانے نہیں جاسکتا ہے،اس سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔وفي التبيين :أو لإنْجاءِ الغريقِ ،أو الحريقِ .....كل ذلك مُفْسِدٌ.(تبيين الحقائق: ١/ ٣٥١). (فتاویٰ محمودیہ:۲۷۲/۱۰)

”جو عذر کثیر الوقوع نہ ہوں،ان کے لیے اپنے معتکَف کو چھوڑ دینا منافیٔ اعتکاف ہے،مثلاً: کسی مریض کی عیادت کے لیے،یا کسی ڈوبتے ہوئے کو بچانے کے لیے یا آگ بجھانے کو،یا مسجد کے گرنے کے خوف سے،گو ان صورتوں میں معتکَف سے نکل جانا گناہ نہیں؛ بلکہ جان بچانے کی غرض سے ضروری ہے،مگر اعتکاف قائم نہ رہے گا“۔(احکامِ اعتکاف رمفتی زید صاحب:۴۱)

معتکف کا رپورٹ لکھوانے کے لیے مسجد سے نکلنا

معتکف رپورٹ لکھوانے کے لیے مسجد سے باہر نہیں جاسکتا،اس سے اعتکاف ختم ہوجائے گا۔لأنّه خروجٌ من غير حاجةٍ. (فتاوی محمویہ:۲۷۳/۱۰)

ارتداد مفسدِ اعتکاف ہے

نعوذ باللہ اگر کوئی معتکف شخص بحالتِ اعتکاف مرتد ہوجائے اور بدعقیدگی کے ساتھ کفریہ کلمات بکنے لگے،تو اس کا اعتکاف فوراً ٹوٹ جائے گا۔ويَفْسُدُ الاعتكافُ بالرِّدَّة؛لأنَّ الاعتكافَ قُربَةٌ والكافرُ ليس من أهلِ القُربةِ.(بدائع

الصنائع: ٢/ ٢٨٦). (کتاب المسائل:۱۲۰/۲) واضح رہے کہ ردت سے اعتکاف باطل ہونے کی صورت میں بعد اسلام قضاء کا حکم نہ ہوگا۔ بِخلافِ أكلِه عمداً ورِدَّتِه. (درمختار) وفي الشامي: وإذا بطلَ بها لم يجبْ قضاؤه. (شامي: ٣/ ٤٤٣)

کن صورتوں میں اعتکاف توڑنا جائز ہے؟

مندرجہ ذیل صورتوں میں اعتکاف توڑنا جائز ہے:

(۱) اعتکاف کے دوران کوئی بیماری پیدا ہوگئی،جس کا علاج مسجد سے باہر نکلے بغیر ممکن نہیں تو اعتکاف توڑنا جائز ہے۔

(۲) کسی ڈوبتے یا جلتے ہوئے آدمی کو بچانے یا آگ بجھانے کے لیے بھی اعتکاف توڑ کر باہر نکل آنا جائز ہے۔

(۳) ماں،باپ،بیوی،بچوں میں سے کسی کی سخت بیماری کی وجہ سے بھی اعتکاف توڑنا جائز ہے۔

(۴) کوئی شخص زبردستی باہر نکال کر لے جائے،مثلاً حکومت کی طرف سے گرفتاری کا وارنٹ آجائے تو بھی اعتکاف توڑنا جائز ہے۔

(۵) اگر کوئی جنازہ آجائے اور کوئی نماز پڑھانے والا نہ ہو،تب بھی اعتکاف توڑنا جائز ہے۔

ان تمام صورتوں میں باہر نکلنے سے گناہ تو نہیں ہوگا؛لیکن اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔وإن خَرَجَ بعذرٍ يَغْلِبُ وقوعُه .....لا يُفْسدُ ، أمّا مالايغلبُ كإنجاءِ غريقٍ وانهدامِ مسجدٍ فمُسْقِطٌ للإثمِ،لا للبُطلانِ. (درمختار مع شامی:۴۳۸/۳)۔(احکامِ اعتکاف:۴۶،۴۷)

بوقتِ ضرورت اعتکاف سے نکلنا

سوال :اہل وعیال کی بیماری یا کسی بہت بڑے حادثے کی وجہ سے اعتکاف کا چھوڑنا،جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جان ومال یا اہل وعیال کے کسی ممکنہ یقینی خطرے کی وجہ سے اعتکاف کو چھوڑنا جائز ہے،ایسی حالت میں ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے اگر معتکف باہر چلا جائے تو اعتکاف فاسد

ہوجائے گا؛ لیکن گنہ گار نہ ہوگا، تاہم اگر مسجد کے انہدام کی وجہ سے یا جبراً مسجد سے نکالے جانے کی صورت میں فوراً دوسری مسجد میں داخل ہوجائے تو اعتکاف برقرار رہے گا۔

لِما قال العلامة فخر الدين الزيلعيؒ: وكذا لو خَرَجَ للجنازةِ، يَفْسُدُ اعتكافُه، وكذا لصلاتِها ولو تَعَيَّنَتْ عليه، أو لإنجاءِ الغريقِ، أو الحريقِ، أو الجهاد، إذا كان النفيرُ عاماً، أو لأداءِ الشَّهادةِ، كلّ ذلك مفسدٌ، بخلاف الخروجِ لحاجة الإنسان؛ لأنَّها معلومةُ الوقوعِ فتكون مستثناةً، ولهذا لو انْهدَمَ المسجدُ الَّذي هو فيه فانْتَقَلَ إلى مسجدٍ آخرَ، لم يَفْسُدْ اعتكافُه للضّرورة؛ لأنَّه لم يَبْقَ مسجداً بعد ذلك ففات شرطُه، وكذا لو تَفَرَّقَ أهلُه لعدم الصَّلواتِ الخمسِ فيه، لو أخْرجَه ظالمٌ كُرهاً أو خاف على نفسِه أو مالِه من المُكابرين فخرج، يَفْسُدُ اعتكافُه. (تبيين الحقائق: ۱/ ۳۵۱ ط: امدادیه ملتان). (فتاویٰ حقانیہ: ۴/۲۰۲)

اعتکاف میں غسلِ میت کے لیے نکلنا

کسی کے انتقال پر (خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو) وہاں جاکر غسل وکفن کرنا اور ان لوگوں کو صبر دلانا بہت اجر وثواب کی چیز ہے؛ لیکن اعتکاف سے نکلنا اس مقصد کے لیے بھی درست نہیں ہے، اگر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ فإن خرج ساعةً بلا عذرٍ فسد ..... وعن هذا فسد إذا عاد مريضاً، أو شَهِدَ جنازةً تَعَيَّنَتْ إلا أنَّه لا يأثم؛ بل يجبُ عليه الخروجُ.............. فالظَّاهرُ أنَّ العذرَ الذي لا يغلِبُ مسقِطٌ للإثْم، لا البطلان. (النهر الفائق: ۲/ ۴۶، ۴۷ ط: امدادیه، ملتان). (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۵۶)

مجبوری کی وجہ سے مردے کو غسل دینے نکلا تو؟

سوال: معتکف مسجد سے ضرورۃً نکلے، مثلاً میت کو غسل دینے والا کوئی نہ ہو، نمازِ جنازہ پڑھانے والا دوسرا کوئی نہ ہو؛ اس لیے مسجد سے نکلے تو اعتکاف باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: طبعی اور شرعی حاجت کے سوا، دیگر ضرورت سے نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے، مثلاً: صورتِ مسئولہ میں غسلِ میت یا نمازِ جنازہ کے لیے یا گواہی دینے کے لیے متعین ہوجانے پر کہ اگر اس نے گواہی نہ دی تو اس شخص کا حق مارا جائے گا، اسی طرح کسی ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے کو بچانے کی نیت سے نکلے، تب بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا، مگر گنہ گار نہ ہوگا؛ بلکہ ان صورتوں میں نکلنا ضروری ہوجائے گا (فإن خرج ساعةً بلا عذرٍ مُعْتَبَرٍ (فسد الواجبُ) ولا إثمَ عليه به (مراقي الفلاح) (قوله بلا عذرٍ مُعْتَبَرٍ) أي في عدمِ الفسادِ، فلو خرج لجنازةِ محرمهِ أو زوجتِهِ فَسَدَ؛ لأنه وإن كان عذراً إلا أنه لَمْ يُعْتَبَرْ في عدم الفساد (قوله ولا اثمَ عليه) أي بالعذرِ وأما بغيرِ العذرِ فيأثَمُ؛ لقولِه تعالىٰ: "وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ" (طحطاوي على مراقي الفلاح: باب الاعتكاف: ۴۰۸، ۴۰۹) أو تعيّن لصلوة الجنازة، ففي هذه الصُّوَرِ يفْسُدُ الاعتكافُ وإن لم يأثم بالخروج والإفساد. (رسائل الأركان: ۲۲۹). (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/۲۸۱، ۲۸۲)

معتکف کا نمازِ جنازہ یا عیادت کے لیے نکلنا

معتکف کا نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے یا کسی بیمار کی مزاج پرسی کے لیے مقصوداً نکلنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ السُّنَّةُ على الْمُعْتَكِفِ أنْ لَا يَعُودَ مَرِيْضاً ولا يَشْهَدَ جنازةً .. (سنن أبي داؤد شريف / الصيام / المعتكف يعود المريض: ۱/۳۳۵ رقم: ۲۴۷۳) وفي الهندية: ولو خرج لجنازةٍ، يفسد اعتكافُه وكذا لصلاتِها ولو تَعَيَّنَتْ عليه. (عالمگيري: ۱/۲۱۲) اگر کوئی معتکف بالقصد نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے یا مریض کی عیادت کے لیے مسجد کی حدود سے باہر نکلے گا، تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا؛ البتہ اگر طبعی یا شرعی ضرورت کی وجہ سے باہر نکلا تھا اور واپسی میں نمازِ جنازہ میں شریک ہوجائے یا مریض کی عیادت کرلے تو اعتکاف برقرار رہے گا، مگر شہودِ جنازہ اور عیادت کے لیے بھی ضروری ہے کہ راستے سے ہٹنا نہ پڑے، نیز نماز سے فراغت کے بعد باہر بالکل نہ ٹھہرے؛ بلکہ فوراً مسجد میں آجائے اور عیادت مریض چلتے چلتے کرلے، اس کے لیے نہ

ٹھہرے؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلتے بیمار پرسی کر لیتے تھے، اس غرض کے لیے رکتے نہ تھے۔ عن عائشة ــ رضي اللّٰه عنها ـ قالت : كان النَّبيُّ ــ صلى اللّٰه عليه وسلَّم ـ يَمُرُّ بالمريضِ وهو معتكفٌ فَيَمُرُّ كما هو ولا يعرِّجُ يَسأَلُ عنه ..... الحديث (أبوداؤد الصيام / المعتكف يعود المريض: ١/ ٣٣٥ رقم: ٢٤٧٢) وأفادأنَّه لايخرجُ لعيادةِ المريضِ لعدم الضّرورةِ المُطْلَقَةِ للخروج.. .....وأشار إلى أنه لوخَرَجَ لحاجة الإنسانِ، ثم ذهب لعيادة المريضِ من غيرِ أن يكون لذلك قصدٌ فإ نَّـه جائزٌ. (البحرالرائق : ٢/ ٥٢٩) وقال في المرقاة: وعندالأئِمَّة الأربعةِ إذاخرج لقضا ءِ الحاجةِ واتّفق له عيادةُ المريض والصلاةُ على الميِّت فلم يَنْحَرِفْ عن الطَّرِيقِ ، ولم يَقِفْ أكثرَ من قدرالصَّلاةِ ،فلم يَبْطُل الاعتكافُ وإلا بَطَلَ. (المرقاة: ٤/ ٣٣٠) (کتاب المسائل :۲/۱۱۵، فتاوی محمودیہ:۱۰/ ۲۴۱، ۲۹۶، فتاوی رحیمیہ : ۷/۲۷۶ ، خیر الفتاوی : ۴/۱۲۹، احسن الفتاوی:۴/۵۰۹، فتاوی حقانیہ:۴/۱۹۹، درس ترمذی مع حاشیہ:۲/۶۴۸، ۴۹)

معتکف کا بیوی یا بچے کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرنا

معتکف اگر بیوی بچہ کی تجہیز وتکفین کے لیے باہر نکلتا ہے تو اس کی وجہ سے اعتکاف باقی نہ رہے گا، فاسد ہوجائے گا، اگرچہ ضرورت کی بناء پر ایسا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو؛ لیکن ضرورۃً نکلنے کی وجہ سے گنہ گار نہ ہوگا۔ وعن هذا فَسَدَ إذا عاد مريضاً. وفي الهندية: ولو خَرَجَ لجنازةٍ يَفْسُدُ اعتكافُه ،وكذا لصلاتِهما ولو تعيَّنَتْ عليه. (عالمگيري: ١/ ٢١٢)

معتکف کا اپنے یا اپنی بیوی کے علاج کے لیے باہر جانا

معتکف کا اپنے یا اپنی بیوی کے علاج کی غرض سے باہر جانا، اگرچہ ضروری ہو؛ لیکن اس سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے؛ کیونکہ یہ ایسا عذر ہے جو نادر الوقوع ہے، والذي في الخانية والخلاصة: أنه لوخرج ناسياً.....أو لمرضٍ ،فسد عنده. و علَّلَ في الخانيةِ

المرضَ بأنه لايَغْلِبُ وقوعُه فلم يصر مستَثْنًى عن الإيجاب، فأفادَالفسادَ في الكلِّ . (شامي: ٣/ ٤٣٨)

معتکف کا روزانہ اپنی بیوی کی دوا لینے شفاء خانہ جانا

معتکف کا روزانہ صبح اپنی بیوی کی دوا لینے شفاء خانہ جانا، جائز نہیں ہے، اس سے اس کا اعتکاف ختم ہوجائے گا۔ لما قال العلامة فخرالدين الزيلعيؒ : وكذا لوخَرَجَ للجنازةِ يَفْسُدُ اعتكافُه وكذا لصلاتِها و لو تَعَيَّنَتْ عليه، أولإنجاءِ الغريقِ، أوالحريقِ، أوالجهاد ،إذا كان النفيرُ عاماً أو لأداءِ الشَّهادةِ ،كلُّ ذلك مفسدٌ. (تبيين الحقائق : ١/ ٣٥١ ط: امداديه ملتان) (فتاوی رحیمیہ :۱۰/۲۷۲)

سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے والے کے لیے دوسرے گاؤں میں جانا

اگر معتکف سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے کا عمل جانتا ہو اور پاس والے گاؤں میں کسی کو سانپ نے کاٹ لیا تو لوگوں کے بلانے پر اگر وہ اس کے گاؤں میں جاتا ہے تو اس سے اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ وإن خَرَجَ من غيرعذرساعةً، فَسَدَ اعتكافُه . (عالمگيري: ١/ ٢١٢). (فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۷۲) یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی دوسرا جھاڑنے والا نہ ہو تو جان کی حفاظت کی غرض سے اس کا جانا ضروری ہے۔

حالتِ اعتکاف میں پاگل ہوجانے کا حکم

اگر معتکف شخص خدانخواستہ پاگل ہوجائے کہ اسے کچھ ہوش نہ رہے تو اس کا اعتکاف باقی نہ رہے گا، و منها: الإغماءُ والجنونُ . (عالمگيري: ١/ ٢١٣) والجنونُ يُفْسِدُ الاعتكافَ. (بدائع الصنائع: ٢/ ٢٨٧) . (کتاب المسائل:۲/۱۲۰، فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۶۹) نفسِ اغماء یا جنون مفسدِ اعتکاف نہیں ہے؛ البتہ اگر بے ہوشی یا پاگل پن اس قدر دراز ہوجائے کہ وہ نیتِ صوم کے لیے مانع بن جائے تو اس مدہوشی اور جنون سے اعتکاف

فاسد ہوجائے گا،مثلاً کسی معتکف کو آج مدہوشی اور جنون لاحق ہوگیا اور دوسرے دن زوال سے پہلے پہلے افاقہ ہوگیا اور اس نے روزے کی نیت کی تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا؛ کیونکہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے اور زوالِ شرعی سے پہلے روزے کی نیت کرنا صحیح ہے اور اگر زوالِ شرعی کے بعد اسے افاقہ ہوا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا؛ کیونکہ زوالِ شرعی کے بعد روزے کی نیت صحیح نہیں؛لہذا جب روزہ نہیں ہے تو اعتکاف بھی صحیح نہ ہوگا۔ قال في الهندية: نفسُ الإغماءِ والجنونِ لا تفسد بلا خلافٍ حتى لايَنْقَطِعَ التَّتَابُعُ ، وإن أُغْمِيَ عليه أياماً أو أصابَه لَمٌّ يفسدُ اعتكافُه. (عالمگيري: ۲۱۳/۱)وفي الشامي: المراد بالأيام أن يفوتَه صومٌ بسبب عدم إمكان النِّيَّة. (شامي:۴۴۳/۳)

لمبے وقت تک بے ہوش رہنے سے اعتکاف کا فساد

اگر معتکف پر ایک دن سے زیادہ بے ہوشی طاری رہی، جس کی وجہ سے روزہ رکھنا اس کے لیے ممکن نہ رہا تو اس کا اعتکاف باقی نہ رہے گا۔ وكذا إغماؤُه وجنونُه ،إن دام أيَّاماً(درمختار)وفي الشامي: المرادُ با لأيامِ أن يفوتَه صومٌ بسبب عدمِ إمكانِ النِّيَّة.(شامي زكريا: ۴۴۳/۳)وإن أغمِيَ عليه أياماً أو أصَابَه لَمٌّ فَسَدَ اعتكافُه. (بدائع الصنائع :۲۸۶/۲،الهندية: ۱/ ۲۱۳)

پولس کا معتکف کو جبراً لے جانے سے اعتکاف کا حکم

پولس اگر معتکف کو جبراً اٹھا کر لے جائے تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ لو خرج ناسياً أو مُكْرَهاً أو لبولٍ،فحَبسَه الغريمُ ساعةً أو لمرضٍ فَسَدَ عنده .(شامي: ۴۳۸/۳).(فتاوی محمودیہ:۱۰/ ۲۷۶)اور''احکامِ اعتکاف رمفتی زید صاحب''میں ہے:

''اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے، تب بھی اس کا اعتکاف قائم نہ رہے گا،مثلاً:کسی جرم کی وجہ سے حاکمِ وقت کی طرف سے وارنٹ جاری ہو اور سپاہی اس کو گرفتار کر کے

لے جائیں، یا کسی کا قرض چاہتا ہو اور وہ اس کو باہر نکالے،اسی طرح اگر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے نکلے اور راستے میں کوئی قرض خواہ روک لے یا بیمار ہوجائے اور پھر معتکَف تک پہونچنے میں دیر ہوجائے،تب بھی اعتکاف قائم نہ رہے گا''۔(احکامِ اعتکاف رمفتی زید صاحب:۴۱)

حالتِ اعتکاف میں جماع یا دواعی جماع کا حکم

معتکف اگر حالتِ اعتکاف میں جماع کرلے تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا،خواہ جماع عمداً کرے یا سہواً، دن میں کرے یا رات میں،مسجد کے باہر کرے یا مسجد کے اندر، انزال ہو یا نہ ہو، بہرصورت اعتکاف باطل ہوجائے گا۔اور جو چیزیں جماع کے تابع ہیں،جس کو دواعیٔ جماع میں شمار کیا جاتا ہے، مثلاً: بوسہ لینا،شہوت سے چھونا،تفخیذ کرنا وغیرہ یہ سب امور ناجائز ہیں؛لیکن جب تک منی کا خروج نہیں ہوگا، وہاں تک فسادِ اعتکاف کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ وبَطلَ بوطءٍ في فرجٍ أنْزَلَ أم لا ،ولو كان وطؤُهُ خارجَ المسجدِ ليلاً أو نهاراً، عامداً أو ناسياً في الأصحِّ؛لأن حالتَه مُذَكِّرةٌ،وبَطَلَ بإنزالٍ بقبلةٍ أو لَمْسٍ أو تفخيذٍ،ولو لم يُنْزِلْ، لم يَبْطُلْ وإن حَرُمَ الكلُّ.(در مختار:۴۴۲/۳)

امورِ غیر مفسدہ کا بیان

جن امور کے لیے معتکف کو نکلنا جائز ہے

معتکف کو حاجتِ طبعیہ، شرعیہ اور حاجتِ ضروریہ کی وجہ سے مسجد سے نکلنا جائز ہے، اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا؛ البتہ حاجتِ ضروریہ (ناگہانی حادثات جن کی تفصیل آرہی ہے) کی بناء پر باہر نکلنے کی صورت میں فوراً دوسری مسجد میں داخل ہونا ضروری ہے۔ **و حرُم علیه، أي علی المعتکِف، الخروجُ إلا لحاجةالإنسانِ طبعيَّةً کبولٍ، وغائطٍ، وغسلٍ لو احتلم....، أوشرعيَّةً کعيدٍ،و أذانٍ، والجمعةِ وقتَ الزَّوالِ. (در مختار مع شامي :۳/ ۴۳۴. ۴۳۶)**

حاجتِ طبعیہ، شرعیہ اور ضروریہ سے مراد

حاجتِ طبعیّہ: وہ امور ہیں جو انسانی طبیعت کے تقاضے ہیں اور اس کا مسجد میں پورا کرنا جائز نہیں، جیسے: پاخانہ، پیشاب اور غسلِ جنابت؛ چنانچہ پاخانہ، پیشاب اور غسلِ جنابت کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے۔ **و حرُم علیه، أي علی المعتکِف الخروجُ إلا لحاجةالإنسانِ طبعيَّةً کبولٍ، وغائطٍ، وغسلٍ لو احتلم(درمختار) وفي الشامي: وفسَّر ابنُ الشَّلبيِّ الطبعيَّةَ، بمالابُدَّ منها وما لايُقضٰی في المسجد.(درمختارمع شامي :۳/ ۴۳۴،۴۳۵)**

حاجتِ شرعیہ: وہ امور ہیں، جوازروئے شرع واجب ہوں اور جس مسجد میں وہ معتکف ہو، وہاں ادا نہ کرسکتا ہو، جیسے: جمعہ کی نماز، عید کی نماز، اور اذان بھی حاجتِ شرعیہ میں سے ہے، ان کے لیے مسجد سے نکلنا درست ہے۔ **وفي الدُّرالمختار :أو شرعيةٍ، کعيدٍ وأذانٍ والجمعةِ وقتَ الزوال، ومن بَعُد منزلُه أي مُعتَکَفُه، خرج**

في وقتٍ يُدرِکُها مع سنَّتِها،يُحَکَّمُ في ذلك رأيُه.(درمختار مع شامي: ۳/ ۴۳۵،۴۳۶)

حاجتِ ضروریہ: حاجتِ ضروریہ سے وہ ناگہانی حادثات مراد ہیں، جن کے پیش آجانے کی صورت میں معتکف کے لیے مسجد سے نکلنا، ناگزیر ہو، ایسی صورت میں اگر وہ فوراً دوسری مسجد کی طرف منتقل ہوجائے تو اس سے اس کا اعتکاف بدستور باقی رہے گا، وہ امور یہ ہیں:

(۱) مسجد کی عمارت منہدم ہونے لگے۔

(۲) مسجد کے ارد گرد آباد لوگ، سب وہاں سے چلے جائیں اور مسجد میں باجماعت نماز موقوف ہوجائے۔

(۳) کوئی زور آور شخص، معتکف کو زبردستی مسجد سے نکال دے۔

(۴) کوئی ظالم معتکف کو گرفتار کرلے۔

(۵) اس مسجد میں رہتے ہوئے اپنی جان یا مال کا دشمنوں کی طرف سے سخت خطرہ ہو۔ **يجوز له أن يتحوَّلَ إلی مسجدٍ آخرَ في خمسةِ أشياءَ:أحدُها :أن ينهدِمَ مسجدُه،الثاني:أن يتفرَّقَ أهلُه فلا يجتمعون فيه ،الثالث :أن يُخرِجَه سلطانٌ ،الرابع:أن يأخذَه ظالمٌ، الخامس :أن يخافَ علی نفسِه ومالِه من المُکابِرين.(البناية: ۴/ ۱۲۸، ۱۲۹)**.(آداب الاعتکاف:۶۵،۶۸)،(کتاب المسائل:۲/۱۱۲)

طبعی وشرعی ضرورت کے وقت معتکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت پر دلیل

اعتکاف کی حالت میں ضرورتوں کو خدا نے منع نہیں کیا، ان کے پورا کرنے کے لیے مسجد سے باہر نکلنے کی بھی اجازت دے دی ہے، پھر اگر کسی سے اعتکاف نہ ہوسکے، تو اس کا قصور ہے اور اس اجازت کی طرف آیت ﴿وَلَاتُبَاشِرُوْهُنَّ﴾ (یعنی حالتِ اعتکاف میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو) میں اشارہ ہے؛ کیونکہ ممانعت اسی شئ کی ہوتی ہے، جو پہلے سے محتمل ہو (ہوسکتی ہو) اور یہ ضروریاتِ شرع سے معروف ہے (سب ہی جانتے ہیں) کہ

مسجد کے اندر مباشرت (ہمیشہ) ناجائز ہے، (پس مطلب یہ ہوگا کہ مباشرت کے لیے حالتِ اعتکاف میں مسجد سے باہر مت نکلو، اس سے معلوم ہو گیا کہ مباشرت کے علاوہ دوسری ضروریات کے لیے نکل سکتے ہیں) اگر اعتکاف میں کسی طرح (اور کسی ضرورت) سے نکلنا جائز نہ ہوتا، تو پھر اس ممانعت کی ضرورت ہی نہ تھی (وہ تو پہلے ہی سے منع ہے؛ لیکن پھر بھی) ممانعت ہوئی ہے، پس یہ خود دلیل ہے اس بات کی کہ بعض اوقات نکلنا جائز ہے اور اسی میں مباشرت کا بھی احتمال تھا؛ اس لیے اس سے منع فرمادیا، اتنا تو قرآن سے معلوم ہو گیا، آگے حدیث نے تفصیل کردی کہ کس کس ضرورت سے نکلنا جائز ہے، مباشرت کا ناجائز ہونا تو خود قرآن سے ثابت ہے اور دوسری طبعی وشرعی ضرورتوں کے لیے نکلنے کا جواز، دوسرے شرعی دلائل سے جائز ہے۔ اب رہا دونوں میں فرق، سو چونکہ مباشرت میں حاجت خفیف ومعمولی ہے؛ اس لیے مباشرت کی ممانعت کردی اور کھانے پینے کی حاجت شدید ہے؛ اس لیے اس کی اجازت دے دی، مسجد کے اندر بھی کھانے کی اجازت ہے (اور گھر جا کر خود کھانا) لانے کی بھی اجازت دے دی؛ جب کہ کوئی لانے والا نہ ہو، یا اجرت گراں مانگتا ہو، یا کسی سے درخواست کرنے میں اس کی زیادہ خوشامد کرنے کی ضرورت واقع ہو، الغرض اگر کوئی کھانا لانے میں نخرے کرے یا اجرت زیادہ مانگے تو خود جا کر لے آئے۔ (احکامِ اعتکاف مفتی زید صاحب: ۳۳-۳۴)۔

حالتِ اعتکاف میں عورتوں سے مباشرت کی ممانعت اور کھانے پینے کی اجازت کی وجہ

اعتکاف کی حالت میں کھانا بھی جائز ہے، پینا بھی جائز ہے، مگر مباشرت ناجائز ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ یعنی اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت جائز نہیں اور "تباشروا" فرمایا جو بَشَرہ سے ماخوذ ہے؛ اس لیے (شہوت سے) عورت کو ہاتھ لگانا بھی (حالتِ اعتکاف میں) جائز نہیں؛ کیوں کہ دواعیٔ وطی، وطی کے حکم میں ہیں؛ اسی لیے ان سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔

اور دیکھیے حق تعالیٰ کی کیسی رحمت ہے، کیسی خوبصورتی سے اعتدال کیا کہ اس کا عکس نہیں ہوا، یعنی یہ کہ مباشرت تو جائز ہوتی اور کھانا پینا، ناجائز ہوتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر ایک میں دو حیثیتیں ہیں: حاجت اور لذت، مگر فرق اتنا ہے کہ کھانے پینے میں تو عادۃً حاجت (ضرورت) غالب اور لذّت مغلوب ہوتی ہے اور مباشرت میں لذّت غالب اور حاجت مغلوب ہوتی ہے، دیکھیے فطری جذبات کی شریعت نے کس قدر رعایت کی ہے، اگر کھانا پینا، دس دن چھڑا دیں تو سخت تکلیف ہو اور اس میں (ترکِ مباشرت میں) کچھ بھی تکلیف نہیں، زائد سے زائد لذّت نہیں اور کھانے پینے کے متعلق فرمایا "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا" یعنی کھاؤ اور پیؤ۔

دوسرے کھانے پینے کے ساتھ تو ممکن ہے کہ اللہ کی طرف توجہ باقی رہے، مگر مباشرت کے وقت توجہ اِلی اللہ عادۃً ضعیف ہوجاتی ہے؛ کیونکہ اس وقت طبعی نشاط کی وجہ سے اس کی طرف اس قدر توجہ ہوتی ہے کہ پھر دوسری طرف توجہ نہیں رہتی، تو اگر اس کی اجازت ہوتی تو ایک زمانہ ایسا ہوتا کہ مخلوق کی طرف توجہ ہوتی اور خالق کی طرف سے غفلت ہوتی، تو غیرتِ حق اس کو گوارہ نہیں کرتی کہ ہمارا حاضر باش دربان ہو کر کسی اور طرف منہ کرے؛ اس لیے صرف دس دن کے لیے غیرتِ حق نے ہمیں روک دیا، بخلاف کھانے پینے کے، گو اس میں حاجت زیادہ ہے، مگر اتنی مستی سوار نہیں ہوتی کہ کچھ یاد نہ رہے؛ بلکہ دوسری طرف توجہ رہنا بھی ممکن ہے۔ (احکامِ اعتکاف / مفتی زید صاحب: ۳۴، ۳۵)۔

ان ضروریات کی تفصیل جن کی وجہ سے نکلنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا

وہ ضروریات جن کی بناء پر مسجد سے نکلنا، شریعت نے معتکف کے لیے جائز قرار دیا ہے اور اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) پیشاب پاخانے کی ضرورت۔ (۲) غسلِ جنابت جبکہ مسجد میں غسل کرنا ممکن نہ ہو۔ (۳) وضو جبکہ مسجد میں رہتے ہوئے ممکن نہ ہو۔ (۴) کھانے پینے کی اشیاء باہر سے لانا، جبکہ کوئی اور شخص لانے والا موجود نہ ہو۔ (۵) اذان دینے کے مقصد سے باہر جانا۔ (۶) جس

مسجد میں اعتکاف کیا ہے، اگر اس میں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو تو جمعہ کی نماز کے لیے دوسری مسجد میں جانا۔(۷) مسجد گرنے وغیرہ کی صورت میں دوسری مسجد میں منتقل ہونا۔ان ضروریات کے علاوہ کسی اور مقصد سے باہر جانا معتکف کے لیے جائز نہیں ہے۔(احکامِ اعتکاف:۳۷)

بعض ایسی صورتیں جن سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا

سوال: مندرجہ ذیل صورتوں میں اعتکاف کا کیا حکم ہے؟ باقی رہے گا یا فاسد ہو جائے گا؟

۱۔وضو سے قبل ہاتھ کی گھڑی وضوخانے پر ہاتھ سے نکال کر جیب میں رکھنا، پھر وضو شروع کرنا، یا وضوخانے پر وضو کے لیے چڑھتے ہوئے ہاتھ میں سے گھڑی نکال کر جیب میں رکھنا۔

۲۔پیشاب خانہ میں لائن لگی ہو تو وہاں انتظار میں کھڑے ہونا۔

۳۔وضو سے قبل وضوخانہ میں چڑھ کر اپنی ٹوپی یا رومال وضوخانہ کی مچان یا کھونٹی پر رکھنا۔

۴۔گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو کھانے کے لیے گھر جانا۔

۵۔کھانے کے لیے جانے پر معلوم ہوا کہ کھانے کی تیاری میں معمولی دیر ہے، مثلاً سالن کو بگھار لگ رہا ہے، اس کا انتظار کرنا۔

۶۔احتلام ہو گیا اور ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہے تو پانی گرم کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا، یا گرم پانی کے لیے گھر جانا اور وہاں پانی گرم ہونے کے انتظار میں ٹھہرنا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً! مندرجہ بالا صورتوں میں اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔(احسن الفتاویٰ:۴/۵۱۷، آئینۂ رمضان:۲۹۰)

معتکف کا کھانا کھانے کے لیے گھر جانا

معتکف کے لیے اگر مسجد میں کھانے پینے کا انتظام ہو سکتا ہے تو اسے کھانے کے لیے گھر جانا جائز نہیں؛ البتہ اگر معتکف کے گھر سے یا کسی اور جگہ سے کھانا آنے کا کوئی اور نظم نہیں ہے تو وہ حسبِ ضرورت غروب کے بعد کھانا لانے کے لیے اپنے گھر جا سکتا ہے؛ اس لیے کہ یہ بھی طبعی ضرورت میں داخل ہے؛ لیکن کھانا مسجد میں لا کر کھانا چاہئے، نیز ایسے شخص کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایسے وقت مسجد سے نکلے، جب اسے کھانا تیار مل جائے؛ تاہم

اگر کچھ دیر کھانے کے انتظار میں ٹھہرنا پڑے تو مضائقہ نہیں۔ **وأكلُه وشُربُه ومبايَعتُه فيه: يعني يَفعلُ المُعتَكِفُ هذه الأشياءَ في المسجدِ؛ فإن خَرَجَ لأجلها بَطَلَ اعتكافُه؛ لأنَّه لاضرورةَ إلى الخروجِ حيثُ جازتْ فيه .....وقيل: يخرجُ بعدالغُروبِ للأكلِ والشُّربِ ويَنْبغِي حملُه علىٰ ما إذا لم يجدْ من يأتي له به، فحِينَئِذٍ يكونُ من الحوائجِ الضّروريَّةِ كالبولِ والغائطِ. (البحر الرائق: ۲/۵۳۰).** (احکامِ اعتکاف:۴۱، کتاب المسائل:۲/۱۰۹، خیر الفتاوی:۴/۱۴۶، فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۳۶،۲۶۳)(فتاوی حقانیہ:۴/۲۰۹)

حرمین شریفین میں معتکفین کا کھانے کے لیے باہر نکلنا

حرمین شریفین میں کھانے کا سامان اندر لانے کی اجازت نہیں ہوتی؛ لہٰذا رمضان المبارک میں وہاں اعتکاف کی سعادت حاصل کرنے والے حضرات اگر مغرب کے بعد قریبی ہوٹل پر جا کر کھانا کھا آئیں، یا باہری صحن میں نکل کر کھانا کھائیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ طبعی ضرورت میں داخل ہے؛ البتہ کھانے کے بعد وہاں بیٹھے نہ رہیں؛ بلکہ فارغ ہو کر فوراً مسجد میں آ جائیں۔ **و قيل: يخرجُ بعد الغُروبِ للأكلِ و الشُّربِ. و قال في البحرِ: يَنْبغِي حملُه علىٰ ما إذا لم يجدْ من يأتي له به، فحِينَئِذٍ يكونُ من الحوائجِ الضّروريَّةِ.(طحطاوي على المراقي: ۳۸۴، البحر الرائق: ۲/۳۰۳، شامي: ۳/۴۴۰، تاتارخانية: ۳/۴۴۵)**(آئینہ رمضان:۲۹۹، کتاب المسائل:۲/۱۸۵)

معتکف کھانے جائے تو راستے میں کوئی چیز خریدنے کا حکم

سوال: ایک شخص حالتِ اعتکاف میں مسجد سے گھر کو رفعِ حاجت کے لیے جاتے ہوئے راستے میں سے برف کا ٹکڑا خرید کر لے گیا، یا سحری کے وقت رفعِ حاجت کے لیے گیا، ضمناً کھانا کسی روزے دار کو دے دیا اور اپنا کھانا مسجد میں لا کر کھایا، ان دونوں صورتوں میں اعتکاف تو فاسد نہیں ہوا؟ اگر فاسد ہو گیا تو قضاء لازم ہے؟

جواب: اگران دونوں صورتوں میں معتد بہ توقف کرنے کی نوبت نہیں آئی (جس سے کہ کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا، غیر معتکف کا کام نہ سمجھے)؛ بلکہ چلتے چلتے یہ کام کیے گئے تو پھر اعتکاف فاسد نہیں ہوا؛ ورنہ فاسد ہوا اور قضاء لازم ہوگی۔ فإذا خَرَجَ لبولٍ و غائطٍ، لابأس بأن يدخُلَ بيتَه ويرجِعَ إلى المسجدِ، كما فَرَغَ من الوضوءِ، ولومَكَثَ في بَيتِه، فَسَدَ اعتكافُه وإن كان ساعةً. (عالمگيري: ۱/ ۲۱۲). (خیر الفتاوی:۴/۱۴۲)

طبعی ضرورت کے لیے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا

طبعی ضرورت کے لیے مثلاً: پیشاب، پاخانہ، ازالۂ نجاست، غسلِ جنابت اور وضو کے لیے اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر جانا درست ہے۔ ولايخرجُ المعتكفُ من المسجدِ، إلا لحاجة الإنسان الطبعيَّةِ، كالبولِ، والغائطِ، وإزالة النَّجاسة. (اللباب: ۱۸۰)

مسجد کا بیت الخلاء چھوڑ کر گھر جانا

اگر مسجد کے ساتھ کوئی بیت الخلاء بنا ہوا ہے اور وہاں قضائے حاجت کرنا ممکن ہے تو اسی میں قضائے حاجت کرنا چاہیے، کہیں اور جانا درست نہیں؛ لیکن اگر کسی شخص کے لیے اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ قضائے حاجت طبعاً ممکن نہ ہو، یا سخت دشوار ہو، مثلاً: مسجد کا بیت الخلاء نہایت ہی گندہ اور باعث تکلیف ہے اور معتکف کی عادت صاف میں جانے کی ہے، تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس غرض کے لیے اپنے گھر چلا جائے؛ خواہ مسجد کے قریب بیت الخلاء موجود ہو۔ فإذا كان لايأْلَفُ غيرَه، بأنْ لا يَتَيَسَّرَ له إلاّ في بيتِه فلا يَبْعُدُ الجوازُ بلاخلافٍ. (شامي: ۳/ ۴۳۵) وفي المغني: وإن كان يحتشم من دخولِها، أو فيه نقيصَةٌ عليه، أو مخالفةٌ لعادته، أو لايمكنُه التَّنَظُّفُ فيها، فله أن يمضِيَ إلى منزِله؛ لما عليهِ من المشقَّةِ في تركِ المُرُوءَةِ. (المغني: ۳/ ۱۳۵)؛ لیکن جس شخص کو یہ مجبوری نہ ہو، اسے مسجد کا بیت الخلاء ہی استعمال کرنا چاہیے، اگر ایسا شخص مسجد کا بیت الخلا چھوڑ کر چلا جائے تو بعض علماء کے نزدیک اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ و اختُلِف فيما لو كان له بيتانِ، فأتى البعيدةَ منها قيل: فسد، وقيل: لا، وينبغي أن يُخرَّج على

القولين، ما لو ترك بيتَ الخلاء للمسجد القريبِ وأتى بيتَه. (شامي: ۳/ ۴۳۵) (احکامِ اعتکاف: ۳۸، آداب الاعتکاف: ۶۶)

قضائے حاجت کے لیے مسجد سے قریب بیت الخلاء کو چھوڑ کر گھر جانا

معتکف اگر قضائے حاجت کے لیے مسجد کے قریب بیت الخلاء چھوڑ کر اپنے یا کسی عزیز کے گھر جائے تو جا سکتا ہے، اس کی وجہ سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ وينبغي أن يخرج على القولين، ما لو ترك بيتَ الخلاء للمسجدِ القريبِ وأتى بيتَه. ......؛ لأن الإنسانَ قد لايألَفُ غيرَ بيتِه، "رحمتي" أي فإذا كان لا يأْلَفُ غيرَه، بأنْ لا يَتَيَسَّرَ له إلاّ في بيتِه فلا يَبْعُدُ الجوازُ بلاخلافٍ. (شامي: ۳/ ۴۳۰). (کتاب المسائل: ۲/ ۱۰۸، فتاوی محمودیہ: ۱/ ۲۷۵)

اور احکامِ اعتکاف میں ہے:

"اگر مسجد کے قریب، کسی دوست یا عزیز کا گھر موجود ہو، تو قضائے حاجت کے لیے اس کے گھر جانا ضروری نہیں؛ بلکہ اس کے باوجود اپنے گھر جانا جائز ہے؛ خواہ گھر اس دوست یا عزیز کے مکان کے مقابلے میں دور ہو۔ ولو كان بقُربِ المسجدِ بيتُ صديقٍ له لم يلزَمْ قضاءُ الحاجةِ فيه. (عالمگيري: ۱/ ۲۱۲). (احکامِ اعتکاف: ۳۸)"

معتکف کا استنجاء کے بعد استبراء کے لیے نکلنا

اگر معتکف کو پیشاب کے قطرات آنے کا اندیشہ رہتا ہے اور وہ اطمینان حاصل کرنے کے لیے کچھ دیر ٹہل کر مٹی کا ڈھیلا یا جاذب (ٹشو پیپر) استعمال کرتا ہے، تو بحالت اعتکاف ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بأن الأولٰى تفسيرُ ها بالطهارةِ ومقدِّماتِها؛ ليَدْخُلَ الاستنجاءُ و الوضوءُ. الخ (شامي: ۳/ ۴۳۵). (کتاب المسائل: ۲/ ۱۰۸)

بار بار بیت الخلاء جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا

اگر معتکف دست لگنے کی وجہ سے بار بار بیت الخلاء جائے ،تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔لو كثُر خروجُه للحاجةِ،لعارضٍ يقْتَضِيهِ كإسهالٍ ونحوِه فوجهان: .....أصحُّهما وهو مُقتضٰى إطلاقِ الجمهورِ،لايَضُرُّه،نظراً إلىٰ جنْسِهِ.(المجموع شرح المُهذَّب: ٦/ ٣٤٢). (فتاوی محمودیہ:۱۰/ ۲۳۹)

کیا قضائے حاجت کو جانے کے لیے شدید تقاضہ شرط ہے؟

قضائے حاجت کو جانے کے لیے،شدَّتِ حاجت یا شدید تقاضے کا ہونا شرط نہیں ؛ کیوں کہ اس میں ضرر ہے؛ بلکہ جیسی ضرورت محسوس ہونے پر وہ عادتاً جایا کرتا ہے،اسی طرح حالتِ اعتکاف میں بھی جانے کی اجازت ہے۔قال أصحابُنا: لايُشْترطُ في الخروجِ لقضاءِ الحاجةِ شدَّةُ الحاجة؛لأن في اعتبارِه ضرراً بيِّناً. (المجموع : ٦/ ٣٤٢)

بیت الخلاء خالی ہونے کا انتظار کرنا

اگر بیت الخلاء مشغول ہو تو خالی ہونے کے انتظار میں ٹھہرنا جائز ہے ؛لیکن ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی ٹھہرنا جائز نہیں،اگر ٹھہرا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ويرجعُ إلى المسجدِ كما فرغَ من الوُضوءِ ، ولو مَكَثَ في بيتِه،فَسَدَ اعتكافُه وإن كان ساعةً.(عالمگيري : ١/ ٢١٢). (احسن الفتاوی:۴/ ۵۱۱،احکامِ اعتکاف:۳۸)

معتکف کا قضائے حاجت کے لیے آتے جاتے سلام کرنا

اگر معتکف قضائے حاجت کے لیے یا شرعی ضرورت کے لیے مسجد سے باہر جائے،تو آتے جاتے راستے میں کسی کو سلام کرنا،سلام کا جواب دینا،یا مختصر بات چیت کرنا جائز ہے،بشرطیکہ اس بات چیت کے لیے ٹھہرنا نہ پڑے،اگر کھڑے کھڑے ٹھہر کر باتیں کرنے لگا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔مستفاد :لو خرج لحاجةِ الإنسانِ،

ثم ذَهَبَ لعيادةِ المريضِ أو لصلاةِ الجنازةِ من غيرِ أن يكون لذلك قصدٌ،فإنَّه جائز،بخلافِ ما إذا خَرَجَ لحاجةِ الإنسانِ ومَكَثَ بعد فراغِه أنه يَنْتَقِضُ اعتكافُه عند أبي حنيفةؒ،قلَّ أو كثُر.(البحر الرائق : ٢/ ٥٢٩). (کتاب المسائل :۲/ ۱۰۹،فتاوی محمودیہ:۱۰/ ۲۵۳،۲۶۸،فتاوی حقانیہ:۴/ ۲۰۴)

معتکف بیت الخلاء کے لیے نکل کر کتنا کام کر سکتا ہے

سوال: معتکف کا بیت الخلاء کر کے گھر میں جانا، بیوی بچوں سے بات چیت کرنا،کوئی کتاب اٹھا کر لانا ، حساب وغیرہ کے کاغذات اٹھا کر لانا ،باہر سے آئی ہوئی ڈاک پڑھنا،مہمانوں سے بات چیت کرنا،جو باہر سے آئے ہوں سلام ودعاء خیر وعافیت دریافت کرنا،کپڑے بدلنا،نہانا اور کپڑے دھونا خطوط کے جواب لکھنا وغیرہ پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بیت الخلاء سے فارغ ہو کر ان کاموں کے لیے مستقل مکان پر نہ ٹھہرے، چلتے چلتے ضروری بات سلام ودعاء مہمان سے کر سکتا ہے،ڈاک مسجد میں لاکر پڑھے،مسجد میں ہی جواب لکھے،بیت الخلاء سے فارغ ہونے کے بعد خارج مسجد دوسرے کسی عمل میں مشغول ہونے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔بخلافِ ما إذا خَرَجَ لحاجةِ الإنسانِ ومَكَثَ بعد فراغِه،أنه يَنْتَقِضُ اعتكافُه عند أبي حنيفةؒ،قلَّ أو كثُر .(البحرالرائق: ٢/ ٥٢٩)

صرف استنجاء کے لیے باہر جانا

قضائے حاجت میں استنجاء بھی داخل ہے؛لہٰذا جن لوگوں کو قطرے کا مرض ہوتا ہے،وہ اگر صرف استنجاء کے لیے باہر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں؛اسی لیے فقہاء نے استنجاء کو قضائے حاجت کے علاوہ خروج کا مستقل حکم قرار دیا ہے۔بأن الأولىٰ تفسيرُها بالطَّهارةِ ومقدِّماتِها؛ليدخل الاستنجاءُ والوضوءُ .(شامي :٣/ ٤٣٥). (احکامِ اعتکاف:۴۰)

قضاءحاجت کے بعد وہیں وضو کرنا

اگر کوئی شخص قضاءحاجت کے لیے اپنے گھر گیا ہو تو قضاءحاجت کے بعد وہاں وضو کرنا بھی جائز ہے۔ إذافَرَغ من قضاءِ الحاجةِ واسْتَنْجى، فله أن يَّتَوَضَّأ خارجَ المسجدِ؛ لأنَّ ذلك يقعُ تابعاً، ونَقَلَ إمامُ الحرمينِ الاتِّفاقَ علىٰ هٰذا. (المجموع: ٦/ ٣٤٢) . وفي الهندية: فإذاخرج لبولٍ أو غائطٍ، لابأس بأن يدخُلَ بيتَه ويرجِعَ إلى المسجدِ كما فرغ من الوضوءِ .(عالمگيري: ١/ ٢١٢). (احکام اعتکاف:۳۹)

ضرورت سے نکلنے کی صورت میں جاتے یا آتے وقت تیز چلنا

معتکف اگر کسی ضروت سے نکلے تو جاتے یا وہاں سے آتے وقت تیز چلنا ضروری نہیں، مناسب رفتار سے چلنا چاہیے۔ وإن خرج لحاجةِ الإنسانِ، له أن يمشِي على التُّؤدَةِ، كذا في النِّهاية. (عالمگيري: ١/ ٢١٢). (احکام اعتکاف:۳۹)

قضاءحاجت سے واپسی پر ہر مرتبہ اعتکاف کی دعاء پڑھے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟

معتکف پاخانہ یا پیشاب کے لیے، جب جب مسجد سے باہر نکلے تو واپسی پر ہر مرتبہ اعتکاف کی دعاء پڑھنا ضروری نہیں، پہلی دعاء کافی ہے، ہر دفعہ پڑھ لینا بھی بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ:۲۷۶/۱۰، ۲۸۵)؛ کیونکہ ضرورت سے نکلنے سے اعتکاف برقرار رہتا ہے اور وہ حکماً مسجد میں ہی رہتا ہے؛ لہٰذا ہر دخول کے وقت نیت اور دعاء کی ضرورت نہیں۔ قال في البدائع: فكان الخروجُ لها من ضروريات الاعتكافِ، ووسائلِه وماكانَ من وسائلِ الشيءِ، كان حكمُه حكمَ ذلك الشيءِ، فكان المعتكِفُ في حال خروجِه عن المسجدِ لهذه الحاجةِ، كأنَّه في المسجدِ . (بدائع الصنائع: ٢/ ٢٨٢)

اعتکاف میں حدث

جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے، اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے؛ اس لیے مسجد میں ریح خارج کرنا یقیناً بے ادبی ہے؛ تاہم اگر معتکف کو اخراج ریح کی ضرورت ہو تو وہ مسجد میں رہے گا یا اس مقصد کے لیے باہر جائے گا، اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ مسجد میں خارج کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے جب ضرورت ہو مسجد سے باہر چلا جائے (جیسا کہ پیشاب اور پاخانہ کے لیے جاتا ہے) اور صحیح قول یہی ہے کہ وہ باہر چلا جائے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں "وكذا لا يُخرِجُ فيه الرِّيْحَ من الدُّبرِ، كذا في الأشباه، واخْتَلَفَ فيه السَّلَفُ، فقيل: لابأسَ، وقيل: يُخرج إذااحتاج إليه، وهو الأصحُّ .(شامي: ٢/ ٤٢٩) اس سے معلوم ہوا کہ گنجائش مسجد کے اندر بھی ہے، مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل جانا چاہیے اور روایت اپنے اطلاق سے معتکف وغیر معتکف دونوں کو شامل ہے۔ (امداد الفتاوی:۲/۲۵۲، کتاب المسائل:۲/۱۱۱، فتاوی محمودیہ:۵/۲۴۵، ۲۶۲، ۲۶۳، فتاوی رحیمیہ:۷/۲۸۵، امداد الاحکام:۳/۱۵۰)(۱)

---

(۱) حکیم الامت حضرت تھانویؒ وغیرہ کی رائے کے برخلاف بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم غیر معتکف کے لیے ہے، معتکف اس میں شامل نہیں، جہاں تک شامی وغیرہ کی عبارت کا تعلق ہے، تو اس سے استدلال تام نہیں؛ کیونکہ یہ عبارت باب الاعتکاف کی نہیں ہے؛ بلکہ احکامِ مسجد کی عبارت ہے، اگر معتکف کو یہ حکم شامل ہوتا تو فقہاء حضرات "باب الاعتکاف" میں اس مسئلہ کو ضرور ذکر کرتے، یا کم از کم اسی مقام پر "سواء كان معتكفاً" کا اضافہ فرمادیتے۔ ایک سوال کے جواب میں صاحبِ احسن الفتاوی تحریر فرماتے ہیں، سوال وجواب کو نقل کیا جارہا ہے:

سوال: معتکف ریح خارج کرنے کے لیے مسجد سے باہر جاسکتا ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ "آداب المساجد" میں بحوالہ عالمگیریہ لکھتے ہیں کہ اخراجِ ریح کے لیے معتکف کو مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہے، اس بارے میں آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب: عالمگیریہ میں حتی المقدور تلاش کے بعد جو عبارت ملی، اس میں معتکف کی تصریح نہیں، عام عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صورت میں معتکف کے لیے مسجد سے خروج جائز نہیں، نیز اس میں اخراجِ ریح کا اظہار ہے، جو طبعاً، عقلاً اور شرعاً قبیح ہے۔ (احسن الفتاوی:۴/۵۱۵، ۵۱۶) بقیہ آئندہ صفحہ پر......

معتکف کا اخراجِ ریح کے لیے بیت الخلاء جانا

سوال: معتکف اگر ہوا خارج کرنے کے لیے بیت الخلاء جائے تو کیا اعتکاف فاسد ہو جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً: اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ إذا فَسَا في المسْجدِ لم يَرَ بعضُهم به بأساً، وقال بعضُهم: إذا احتاجَ إليه، يَخرُجُ منه وهو الأصحُّ. (شامي: ۱/ ۳۱۳). (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۴۵، کتاب الفتاوی: ۳/۳۵۶)

قے آنے کی صورت میں مسجد سے باہر نکلنا

اگر معتکف کو قے ہونے کا اندیشہ ہو، تو اس مقصد سے مسجد سے باہر جا سکتا ہے،، قے کے لیے باہر جانے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ قال في المُغنِي: وإن بغته القيء، فله أن يخرُجَ لِيَتَقَيّأَ خارجَ المسجد. (المغني: ۳/ ۱۳۳)

معتکف کا وضو کے لیے مسجد سے نکلنا

اگر مسجد میں وضو کرنے کی ایسی جگہ موجود ہے کہ معتکف خود تو مسجد میں رہے؛ لیکن وضو کا پانی مسجد کے باہر گرے، تو وضو کے لیے مسجد کے باہر جانا جائز نہیں؛ چنانچہ اس صورت میں معتکف کو وضو خانہ تک جانا بھی جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر کسی مسجد میں ایسی کوئی صورت نہ

بقیہ گذشتہ صفحہ کا............

ویسے بھی خروج از مسجد مقصدِ اعتکاف کے خلاف ہے، بسا اوقات ریح کا خروج مسلسل تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ ہوتا رہتا ہے، ہر مرتبہ مسجد کے باہر جانا پڑے گا، خصوصاً رمضان میں اوقاتِ طعام کی تبدیلی اور قریب ہونے کی وجہ سے ریح کا خروج زیادہ ہوتا ہے، بار بار مسجد سے باہر جانا، دشوار اور حرج کے ساتھ مقصدِ اعتکاف ''لبث'' کے بھی خلاف ہے، اور بول وبراز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے، جن حضرات کے یہاں اخراجِ ریح کے لیے خارجِ مسجد جانے کی اجازت نہیں، ان کے نزدیک اس کے لیے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور قضاء واجب ہوگی؛ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کسی ایک قول کے اعتبار سے بھی فاسد ہونے کی شکل اختیار نہ کی جائے۔ (آداب الاعتکاف: ۱۲۴، ۱۲۵)

ہو تو وضو کے لیے مسجد سے باہر وضو خانے یا وضو خانہ موجود نہ ہو تو کسی اور قریبی جگہ جانا، جائز ہے۔ واضح رہے کہ صرف وضو کے لیے نکلنا اسی وقت جائز ہے، جب کہ معتکف ایسی عبادت کرنا چاہتا ہو، جس کے لیے وضو شرط ہے، مستحب وضو کے لیے نکلنا جائز نہیں۔ وأما إذا احتاج إلى الوضوء بغير بولٍ وغائطٍ، ومن غير حاجةٍ إلى استنجاءٍ، فإن لم يُمْكنْه في المسجدِ، جازَ الخروجُ له، ولا يَقْطَعُ الاعتكافَ، وإن أمكنَه في المسجدِ فوجهانِ: أصحُّهما لا يجوزُ الخروجُ له، ونَقَلَه الإمامُ عن الأكثرين، ثُمَّ قال: ولا شكَّ أن هذا الاختلافَ في الوضوءِ الواجبِ، يعني أنَّ التَّجْدِيدَ لا يجوزُ له الخروجُ وجهاً واحداً، (المجموع: ۶/ ۳۴۲). و في الشَّامي: بأنَّ الأولٰى تفسيرُها بالطَّهارةِ ومقدِّماتِها؛ ليَدخُلَ الاستِنْجاءُ والوُضوءُ. (شامي: ۳/ ۴۳۵). (احسن الفتاوی: ۴/۵۱۰، فتاوی رحیمیہ: ۷/۲۷۷، فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۳۵، خیر الفتاوی: ۴/۱۳۵)(۱)

فرض کے علاوہ سنن اور نوافل کے وضو کے لیے مسجد سے نکلنا

معتکف فرض نماز کے علاوہ، سنن اور نوافل مثلاً: اشراق، چاشت، اوّابین، تہجد وغیرہ یا قضاء نماز کے لیے وضو کرنے وضو خانے میں جا سکتا ہے؛ کیونکہ نماز بغیر وضو کے درست ہی نہیں؛ لہٰذا اس کے لیے نکلنا حاجتِ شرعیہ کے لیے نکلنا شمار ہوگا۔ (آداب الاعتکاف: ۷۱)

(۱) بعض مسجدوں کے معتکفین کے لیے الگ پانی کی ٹونٹیاں اس طرح لگائی جاتی ہیں کہ معتکف خود مسجد میں بیٹھتا ہے؛ لیکن ٹونٹی کا پانی مسجد کے باہر گرتا ہے، اگر ایسا انتظام موجود ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اگر انتظام نہیں ہے تو نل سے وضو کرنے کے بجائے کسی غیر معتکف سے لوٹے میں پانی منگوا کر مسجد کے کنارے پر اس طرح وضو کر لے کہ پانی مسجد کے باہر گرے، یا بڑا ٹب یا برتن رکھ کر اس میں وضو کر لے اور اسے بعد میں باہر ڈال دے، غرضیکہ ہر ممکن کوشش کے بعد ہی وضو کے لیے مسجد سے باہر جائے، ابتداء ہی میں باہر نہ جائے۔ (احکامِ اعتکاف: ۴۱، آداب الاعتکاف: ۷۱)

تلاوتِ کلام پاک کے لیے وضو کرنے جانا

معتکف تلاوتِ کلام پاک کے لیے وضو کرنے جاسکتا ہے؛اس لیے کہ تلاوتِ کلام پاک میں قرآن مجید کو چھونے کی ضرورت پڑتی ہے،اور بے وضو قرآن کا چھونا درست نہیں،اسی طرح اگر معتکف قرآن کی تلاوت کررہا تھا وضو ٹوٹ گیا،مثلاً: ریح خارج ہوگئی تو وضو کرنے کے لیے جاسکتا ہے۔(آداب الاعتکاف:۷۲،۷۳)

اور جواہر الفتاوی میں ہے:

’’نماز (خواہ فرض ہو یا غیر فرض) تلاوتِ کلام پاک وغیرہ،ادا کرنے کے واسطے اگر وضو کرنا ہو تو اس کے لیے باہر جاکر وضو کرنے کی اجازت ہے۔(جواہر الفتاوی:۳۹)

معتکف کا وضو کے لیے گھر جانا

مسجد میں وضو کا پانی ختم ہوگیا تو جہاں سے جلدی ہوسکتا ہو،وہاں جاکر پانی لاسکتا ہے،اگر گھر جانا پڑے تو وہاں بھی جانا جائز ہے،خواہ وہیں وضو کرکے آئے یا مسجد میں آکر وضو کرے۔لابأسَ بأن یدخُلَ بیتَه،ویرجِعَ إلی المسجدِ کما فرَغَ من الوُضُوءِ.(الهندية: ۱/ ۲۱۲)

مسجد میں وضو کا انتظام نہ ہو تو ندی پر وضو کرنا

سوال:مسجد میں وضو کے لیے پانی کا انتظام نہیں،قریب ۵۰،۶۰/قدم پر ندی ہے،سب لوگ ندی سے وضو کرکے آتے ہیں،معتکف بھی ہر نماز کا وضو کرنے،غسل کرنے،کپڑا دھونے جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: ایک دفعہ جائے آئندہ کے لیے پانی لیتا آئے،فرشِ مسجد کے کنارے بیٹھ کر وضو کرلیا کرے،جب پانی ختم ہوجائے اور کوئی لانے والا نہ ہو تو خود چلا جائے،کپڑے بھی مسجد کے کنارے بیٹھ کر دھوئے۔(فتاوی محمودیہ:۱۰/۲۷۰_۲۸۱)

وضو کے لیے نکلنے کی صورت میں منجن وغیرہ کرنا

جن صورتوں میں معتکف کے لیے باہر نکلنا جائز ہے،ان میں وضو کے ساتھ مسواک،منجن یا پیسٹ سے دانت مانجنا،صابن لگانا اور تولیہ سے اعضاء خشک کرنا بھی جائز ہے؛لیکن وضو کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی باہر ٹھہرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی راستے میں رکنا جائز ہے۔(احکامِ اعتکاف:۴۲)

غسلِ جنابت کے لیے معتکف کا خروج

معتکف کے لیے احتلام ہوجانے کی صورت میں غسلِ جنابت کے لیے باہر جانا جائز ہے،اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مسجد کے اندر رہتے ہوئے غسل کرنا ممکن ہو،کسی برتن میں بیٹھ کر اس طرح غسل کرسکتا ہو کہ پانی مسجد میں نہ گرے تو باہر جانا جائز نہیں؛لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یا سخت دشوار ہو تو غسلِ جنابت کے لیے باہر جاسکتا ہے۔وفي الفتح: ولَوِ احتَلَمَ لایفسُد اعتکافُه ، فإن أمْکنَه أن یغتَسلَ في المسجدِ من غیر تلویثٍ فعَل ، وإلا خرج فاغتسل ثم یعُود. (فتح القدير: ۲/ ۴۰۲) اور اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اگر مسجد میں کوئی غسل خانہ موجود ہے تو اس میں جاکر غسل کرے؛لیکن اگر مسجد کا کوئی غسل خانہ نہیں ہے،یا اس میں غسل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہیں یا سخت دشوار ہے تو اپنے گھر جاکر بھی غسل کرسکتا ہے۔والتفصیلُ قدمرَّ في الخروج للبولِ والغائطِ .(احکام اعتکاف:۴۰)

جنبی کے لیے مسجد سے باہر غسل کے لیے جاتے وقت تیمّم کرنا

جنبی ہونے کی صورت میں مسجد سے باہر غسل کے لیے جانے کے وقت تیمّم کرلینا مستحب ہے۔ولو کان نائماً فیه،فاحتلَم والماءُ خارجَه وخَشِيَ من الخروجِ ،یَتَیَمَّمُ وینامُ فیه إلی أن یمکنُه الخروجُ . (شامي: ۱/ ۴۱۰).(آداب الاعتکاف:٦٧)

کیا معتکف باہر جا کر کپڑے دھوسکتا ہے؟

معتکف کے لیے کپڑے دھونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کے پاس دوسرے کپڑے موجود نہ ہوں تو اس کے لیے کپڑے سے نجاست زائل کرنے کے لیے نکلنا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ حاجتِ انسان میں داخل ہے۔ **ولایخرجُ المعتکِفُ من المسجدِ إلالحاجةِ الإنسانِ الطبعيَّةِ، کالبولِ، والغائطِ، وإزالةِ النجاسةِ.** (اللباب: ۱۸) . (کفایت المفتی: ۲۴۶/۴)

کیا معتکف حاجتِ ضروریہ کے بعد غسلِ جمعہ کرسکتا ہے؟

اگر معتکف قضائے حاجت کے لیے نکلے اور فراغت کے بعد غسل جمعہ کی نیت سے دو چار لوٹے بدن پر ڈال لے تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اس کو چاہیے کہ پہلے کسی خادم یا دوست کے ذریعے غسل کا پانی بھروا کر رکھ دے؛ تاکہ زیادہ دیر نہ ہو اور اگر کوئی کام کرنے والا نہ ہو تو خود بھی گھڑا بھر سکتا ہے، مگر جہاں تک ممکن ہو جلدی کرے، اس طرح کپڑے بھی مسجد میں اتار کر جائے؛ تاکہ غسل خانہ میں کپڑے اتارنے کی مقدار بھی ٹھہرنا نہ پڑے۔ **قال في ردِّ المُحتار: ولیس کالمکثِ بعدها ما لو خرج لها، ثم ذَهَبَ لعیادةِ مریضٍ، أو صلاة جنازةٍ من غیر أن یکون خرج لذلك قصداً، فإنَّه جائزٌ کما في البحرِ عن البدائع.... وفیه أیضاً: ویجوزُ حَمْلُ الرُّخصةِ علی ما لو خرج لوجهٍ مُباحٍ کحاجة الإنسانِ أو الجمعةِ، وعادمریضاً أو صلّی علی جنازةٍ من غیر أن یکون لذلك قصداً وذلك جائزٌ اه. وبه عُلِمَ أنه بعدالخروجِ لوجهٍ مباحٍ إنما یَضُرُّ المکثُ، لوفي غیرِ مسجدٍ لغیر عبادةٍ اه (شامي: ۴۳۵/۳) قلتُ: ولایَخفٰی أن غسلَ الجمعةِ عبادةٌ فلا یَضُرُّه إذاخرج لحاجة الإنسانِ، أن یمْکُثَ لغُسلِ الجمعةِ فافْهَمْ.** (امداد الاحکام: ۱۴۲/۳، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۱۸/۳، فتاوی محمودیہ: ۲۴۳/۱۰)

نوٹ: آج کل اٹیچ باتھ روم بنانے کا رواج ہے، اگر کوئی شخص ایسے باتھ روم میں قضائے حاجت کے بعد فوراً ٹوٹی کھول کر غسل کرلے تو اس طرح غسل کرنے میں کوئی

ممانعت اور فساد نہیں ہے، جو حضرات غسل کے لیے پریشان رہتے ہیں، وہ یہ طریقہ اختیار کرسکتے ہیں۔(۱)

مسجد میں پانی نہ ہو تو غسلِ جنابت میں تیمّم کرے یا باہر جا کر غسل کرے؟

سوال: معتکف کو غسل کی حاجت ہوگئی مسجد میں پانی نہیں ہے کیا حکم ہے تیمّم کرے یا باہر جا کر غسل کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: تیمّم کرکے باہر نکلے اور غسل کرے۔ **ولَواحْتلَمَ فیه إنْ خرَجَ مُسْرِعاً یَتیَمَّمُ نُدُباً، وإنْ مَکَثَ لخوفٍ فوجوباً (درمختارمع الشامي: ۳۱۳/۱)**

معتکف کا اذان کے لیے نکلنا

اگر کوئی مؤذن اعتکاف میں بیٹھا ہوا ہے تو اس کا اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص باقاعدہ مؤذن تو نہیں ہے؛ لیکن کسی وقت کی اذان دینا چاہتا ہے، تو اس کے لیے بھی صحیح قول کے مطابق مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ **قال في الهندیة: ولو صَعِدَ الْمِئْذَنَةَ، لم یفسُدْ اعتکافُه بلا خلافٍ، وإن کان بابُ الْمِئْذَنَةِ خارجَ المسجدِ کذافي البدائع، والمؤذِّنُ وغیرُه فیه سواءٌ، هو الصحیح هٰکذا في الخلاصة وفتاوی قاضي خان. (عالمگیري: ۲۱۲/۱، ۲۱۳)**

(۱) حضرت مفتی تقی صاحب، دامت برکاتہم العالیہ، ضمناً غسل کے طریقے کو بھی بلا دلیل فرماتے ہیں، احکامِ اعتکاف میں تحریر فرماتے ہیں ”بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بول و براز کے لیے مسجد کے باہر جائے تو ضمناً غسل بھی کرتا آئے، اس کی اجازت ہے؛ لیکن اس اجازت کی بھی کوئی بنیاد احقر کو فقہ یا حدیث میں نہیں ملی، بلکہ حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد اس کے خلاف ہے کہ ”**کان رسولُ الله ﷺ. یَمُرُّ با لمریْضِ وهو معتکِفٌ فیَمُرُّ ولایُعَرِّجُ یَسأَلُ عنه**“(**أبو داؤد/الصیام/المعتکف یعود المریض: ۳۳۵/۱ رقم: ۲۴۷۲**) معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے لیے بھی نہیں ٹھہرتے تھے اور ظاہر ہے کہ غسلِ جمعہ کیلیے ٹھہرنا پڑے گا، جو اعتکاف کے منافی ہے“(احکامِ اعتکاف: ۶۵)

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لیے نکلنا

شرعی ضرورت مثلاً جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر جانا جب کہ معتکف کی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو، اعتکاف کے لیے مفسد نہیں؛ لیکن اس غرض کے لیے ایسے وقت اپنی مسجد سے نکلے، جب اندازہ ہو کہ جامع مسجد پہونچنے کے بعد وہ چار رکعت سنت ادا کرے گا تو اس کے فوراً بعد خطبہ شروع ہو جائے گا اور یہ مسجد کے قُرب وبُعد کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے اور نماز کی سنتِ مؤکدہ پڑھ کر جلد واپس آ جائے، دیر تک وہاں ٹھہرنا مکروہ ہوگا۔ **ولا يخرُج منه إلَّا لحاجةٍ شرعيَّةٍ كالجمعةِ، والعيدينِ الخ. (مراقي الفلاح: ۳۷۳، خانية: ۱/ ۲۲۱، تبيين الحقائق: ۲/ ۲۲۶) خَرَجَ في وقتٍ يُدْرِكُها سُنَّتُها يُحَكَّمُ في ذٰلك رأيُه ويَسْتَنُّ بعدَها أربعاً، أو ستّاً على الخلافِ ولو مَكَثَ أكثَرَ لم يَفْسُدْ؛ لأنَّه محلٌّ له وكُرِهَ تنزيهاً.** (کتاب المسائل: ۲/ ۱۱۴)

اور ''احکامِ اعتکاف / مفتی زید صاحب'' میں ہے:

جمعہ کی نماز کے لیے ایسے وقت جائے کہ تحیۃ المسجد اور سنتِ جمعہ وہاں پڑھ سکے اور بعد نماز کے بھی سنت پڑھنے کے لیے ٹھہرنا جائز ہے، اس مقدارِ وقت کا اندازہ اس شخص کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے، اگر اندازہ غلط ہو جائے، یعنی کچھ پہلے سے پہونچ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (احکامِ اعتکاف / مفتی زید صاحب: ۴۱)

جمعہ کے لیے دوسری جگہ گیا پھر وہیں رہ گیا

معتکف کی مسجد میں جمعہ نہ ہونے پر وہ دوسری مسجد میں گیا، پھر وہیں جا کر معتکف ہو گیا اور اپنی مسجد میں واپس نہیں آیا تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے، بہتر یہی ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف شروع کرے، وہیں مکمل کرے۔ **فإن مَكَثَ يوماً وليلةً، لا يَفْسُدُ ويُكرهُ.** (الهندية: ۱/ ۲۱۲) **في التَّبْيِينِ: وإن مَكَثَ أكثرَ من**

ذلك لايَضُرُّه؛ لأنَّ المُفْسِدَ للاعتكافِ الخروجُ من المسجد، لا المُكْثُ فيه، إلَّا أنَّه لايُسْتَحَبُّ له ذلك؛ لأنَّه الْتَزَمَ الاعتكافَ في مسجدٍ واحدٍ، فلايُتِمُّه في غيرِه. (تبيين: ۱/ ۳۵۰، ۳۵۱). (کتاب المسائل: ۲/ ۱۱۴)

معتکف کے لیے دوسری مسجد میں جمعہ کی سنتیں پڑھنے کا بیان

اعتکاف کرنے والے کو ان سنّتوں کا جامع مسجد میں ہی پڑھنا لازمی نہیں ہے؛ بلکہ اپنے اعتکاف کی مسجد میں واپس آ کر بھی پڑھ سکتا ہے؛ لیکن افضل یہ ہے کہ جمعہ سے پہلے کی چار سنتیں اور بعد کی چار یا چھ سنتیں جامع مسجد میں ہی ادا کرے؛ کیونکہ جمعہ کی سنتیں بھی فرضِ جمعہ کے تابع ہیں؛ اس لیے اس کے ساتھ ملحق ہوں گی۔ (آئینۂ رمضان: ۲۸۵)

معتکف کا وعظ سننے کے لیے جامع مسجد میں دیر تک بیٹھنا

معتکف کے لیے جمعہ کی سنتوں کے بعد وعظ سننے کے لیے کچھ دیر ٹھہرنا مکروہ ہے، بہتر یہ ہے کہ بعد فراغ عن السنن البعدیہ مسجد میں چلا آوے۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۱۴۸، بحوالہ آئینہ رمضان: ۲۹۵)

جمعۃ الوداع میں معتکف کہاں تک جا سکتا ہے؟

سوال: جمعہ، الوداعی جمعہ، عیدین کی نماز بالاخانوں، چھتوں، سیڑھیوں اور سڑکوں پر تک ہوتی ہے، معتکف کہاں کہاں تک چل پھر کر آ جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: جو جگہ نماز کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے، وہ مسجد ہے، معتکف کو اس جگہ رہنے کا حکم ہے، **قال في الهندية: أما تفسيرُه فهو اللُّبثُ في المسجد مع نِيَّةِ الاعتكافِ.** (الهندية: ۱/ ۲۱۰، ۲۱۱) اور عید کی نماز سے تو پہلے ہی اعتکاف ختم ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۲۴۲)؛ چونکہ یہ حکم اعتکافِ مسنون کے بارے میں ہے؛ اس لیے حضرت نے یہ حکم لکھا ہے؛ لیکن اگر کسی نے اس طور پر اعتکاف کیا ہے کہ اس میں عید، بقرعید بھی شامل ہے تو ایسی صورت میں اس کا عید کی نماز کے لیے عیدگاہ یا

جہاں عید کی نماز ہوتی ہو، جانا درست ہوگا۔ قال في الدُّرِّ المختار: أو شرعيَّةً كعيدٍ...... (در مختار مع شامي: ۳/۴۳۵)

معتکف کا قریبی جامع مسجد چھوڑ کر دور والی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے جانا

سوال: زید جس مسجد میں معتکف ہے، وہاں سے ایک جامع مسجد تو قریب ہے اور دوسری کچھ فاصلے پر ہے اور زید کا معمول پہلے سے بعید کی مسجد میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا تھا، کیا اب زید حالتِ اعتکاف میں قریب کی مسجد ہوتے ہوئے، اپنی کسی مصلحت سے بعید کی مسجد میں نمازِ جمعہ کے لیے جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً! اس کا جزئیہ تو نظر سے نہیں گذرا؛ لیکن عالمگیریہ میں ہے۔ وإن كان له بيتانِ قريبٌ وبعيدٌ قال بعضُهم: لا يجوزُ أن يَمْضِيَ (أي للخلاء) إلى الْبَعيدِ فإن مضىٰ، بَطَلَ اعتكافُه كذا في السراج الوهاج. (عالمگيري: ۱/۲۱۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلۂ مسئولہ میں اختلاف ہے، اور احتیاط اسی میں ہے کہ قریب کی مسجد میں جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد الاحکام: ۲/۱۴۸ بحوالہ آئینہ رمضان: ۲۳۷، ۲۳۸)

معتکف کا نماز باجماعت کے لیے نکلنا

سوال: جس مسجد میں نماز پابندی کے ساتھ نہ ہوتی ہو، یا سرے سے جماعت نہ ہوتی ہو، تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: مرد کے اعتکاف کے لیے جماعت والی مسجد ضروری ہے؛ البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت کی کوئی ممکن صورت نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جانا درست ہے؛ البتہ اگر نہ جائے تو اس کے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ قال في الشامي: لَمْ يَذْكُرْ جوازَ خُرُوجِه لجماعةٍ، وقدّمنا عن النَّهْرِ والفتحِ ما يُفِيْدُه، ويأتِي في كلامِه مايُفِيدُه أيضاً. (شامي: ۳/۴۳۷) ۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۴/

۲۰۰) اور امداد الفتاویٰ میں ہے:

''اگر راجح ہی لیا جائے کہ اس کا حکم مسجد کا نہیں ہے؛ تاہم معتکف کو ضرورت کی وجہ سے خروج عن المسجد جائز ہے؛ خواہ وہ ضرورت طبعی ہو یا دینی۔ اور ادراکِ جماعت مثل ادراکِ جمعہ ضروریاتِ دینیہ ہے؛ اس لیے خروج جائز ہے'' (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۵۲)

کیا مدرسہ کے طلباء ضرورت کے وقت کھانا لانے کے لیے جاسکتے ہیں؟

سوال: اگر طلبۂ دار العلوم، مسجد دار العلوم میں اعتکاف کریں اور دوسرا بغیر کہے، ان کو مطبخ دار العلوم سے ان کا کھانا نہیں پہنچاتا ہے تو ایسی صورت میں دوسرے کو تکلیف نہ دے کر معتکفین، خود مطبخ میں حاضر ہو کر اپنا کھانا لا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر مسجد میں کھانا پہونچانے والا کوئی نہ ہو تو کھانا لینے کے لیے جانا اور کھانا لے کر فوراً واپس آجانا درست ہے، مسجد کے اندر کھانا کھایا جائے اور مسجد میں کھانا پہنچنے کی سبیل ہو تو پھر کھانا خود لینے بھی نہ جائے۔ وأكلُه وشُربُه ومبايَعَتُه فيه: يعني يَفْعلُ الْمُعْتَكِفُ هذه الأشياءَ في المسجدِ؛ فإن خَرَجَ لأجلها، بَطَلَ اعتكافُه؛ لأنَّه لاضرورةَ إلى الخروجِ حيثُ جازتْ فيه ..... وقيل: يخرجُ بعدالغُروبِ للأكلِ والشُّربِ ويَنْبغِي حملُه علىٰ ما إذا لم يجدْ من يأتي له به، فحِينَئِذٍ يكونُ من الحوائجِ الضّروريَّةِ كالبولِ والغائطِ. (البحر الرائق: ۲/۵۳۰). (کفایت المفتی: ۴/۲۴۶)

معتکف کا موئے زیر ناف صاف کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال: ایک آدمی اعتکافِ واجب تین ماہ کے لیے بیٹھتا ہے، اگر وہ اتنے طویل عرصہ میں زیر ناف کے بال، بغل کے بال اور ناخن وغیرہ نہ کاٹے تو یہ جرم تو نہیں؟ اگر ہے تو اب وہ شخص کیا کرے؟

الجواب: رویٰ مسلمٌ عن أنسِ بنِ مالكٍ ـرضي الله تعالىٰ عنه ـقال: وقَّت لنا في تقليمِ الأظفارِ وقصِّ الشَّارِبِ، ونَتْفِ الإبطِ، وحَلق العانةِ ،أن لانَتْرُكَ أكْثَرَمن أربعينَ لَيْلَةً.(مسلم/الطهارة/خصال الفطرة: ۱/۱۲۹رقم:۲۵۸) وفي الدُّرِّالمُختارِ وكُرِهَ تركُه وراء الأربعين.(درمختارمع شامي: ۹/۵۸۳)

حدیثِ ہٰذا اورفقہی جزئیہ سے معلوم ہوا کہ چالیس دن کے اندر اندر ناخن کاٹ لینا اور بال وغیرہ بنانا ضروری ہے، پس یہ ضرورتِ شرعیہ لازمہ سے ہوا اور ایسی ضرورت جو مسجد میں ادا نہ کی جاسکے،اس کے لیے خروج جائز ہے۔قال في المغني: وكلُّ مالا بد منه ولا يمكنه في المسجد،فله الخروج إليه.(المغني: ۳/۱۳٤) پس معتکف اگر موئے زیرناف صاف کرنے کے لیے مسجد سے باہر آئے تو اجازت ہوگی، باقی ناخن اور دیگر بال وغیرہ مسجد کے اندر ہی صاف کیے جاسکتے ہیں ،بال وناخن کپڑے میں لیتا رہے اور باہر پھینک دے،زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ ان بالوں کی صفائی کے لیے مستقل طور پر نہ نکلے؛ بلکہ جب پیشاب یا پاخانہ کے لیے نکلے تو اس کے ضمن میں موئے زیرناف بھی صاف کرلے؛ بلکہ اسی پر عمل کرے،اور قصداً اس کے لیے نہ نکلے؛ کیونکہ صریح جزئیہ نہیں مل سکا،ضرورتِ طبعیہ کے لیے نکلنے کے بعد عیادت مریض کا جواز ''بحر'' ج:۲ میں ''بدائع'' سے منقول ہے اسی سے یہ حکم ماخوذ ہے۔ قال في الشامي: وليس كالمكثِ بعدَها،مالوخَرَجَ لها،ثمَّ ذَهَبَ لعيادةِ مريضٍ أو صلاة جنازةٍ من غيرِ أن يكونَ خَرَجَ لذلك قصداً فإنه جائزٌ. (شامي:۳/٤۳۵)وقال الزُّرقاني :ويجوز له قَصُّ ظَفرِه أو شاربِه أوهما ونَتْفُ إبطٍ ،وإزالةِ عانةٍ تبعاً؛لخُروجه لحاجةٍ، ونحوِها،ولايخرُج لذلك استِقْلالاً.(الزُّرْقاني على المُوَطَّأ: ۲/۲۷٤) (خير الفتاوى:۴/۱۳۱)

بحالتِ اعتکاف احتلام ہوجائے

اگر معتکف کو احتلام کی صورت پیش آجائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا؛ تاہم اسے چاہیے کہ فوراً مسجد سے باہر جاکر طہارت حاصل کرلے۔ولو احْتَلَمَ المُعتكِفُ،لايفسُداعتكافُه (بدائع الصنائع زكريا : ۲/۲۸۷،فتح القدير : ۲/۳۹٦،بناية: ۱۳۳)ثم إن أمْكَنَه الاغتسالُ في المسجدِ من غيرِ أنْ يَّتَلَوَّثَ المسجدُ،فلا بأسَ به وإلَّا فيخرُج ويَغْتَسِلُ ويعودُ إلى المسجدِ.(الهندية: ۱/۲۱۳). (کتاب المسائل:۲/۱۱۱)

احتلام کے بعد مسجد سے نکلنے کا موقع نہ ہو؟

معتکف کو احتلام ہوجائے اور سرِدست مسجد سے نکلنے کا کسی عذر کی وجہ سے موقع نہ ہو تو وہ فوری طور پر تیمّم کرلے اور جب تک باہر جانے کی سہولت نہ ہو، وہیں ٹھہرا رہے۔ولو كان نائماً فيه فاحْتَلَمَ والماءُ خارجَه وخَشِيَ من الخروجِ ،يَتَيَمَّمُ وينامُ فيه إلى أن يُمْكنَه الخروجُ .(شامي زكريا: ۱/۳۱۰). (کتاب المسائل:۲/۱۸۸)

بحالتِ اعتکاف بدنظری سے انزال ہوگیا

اعتکاف کی حالت میں بدنگاہی یا غلط خیال جمانے سے انزال ہوگیا تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا؛لیکن ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ولايَبْطُلُ بإنزالٍ وبفكرٍأونظرٍ.(درّمختار زكريا: ۳/٤٤۳). (کتاب المسائل:۲/۱۱۹)

بعض امورِ مفسدہ اور غیر مفسدہ

سوال: مندرجہ ذیل امور، مفسد اعتکافِ مسنون ہیں یا نہیں؟

(۱) وضو سے قبل یا بلا قصدِ وضو، وضو خانے پر بیٹھ کر صابن سے ہاتھ منھ دھونا۔

(۲) وضو کے بعد وضو خانے پر کھڑے ہو کر رومال سے وضو کا پانی خشک کرنا۔

(۳) وضو سے قبل ہاتھ کی گھڑی وضو خانے پر ہاتھ سے نکال کر جیب میں رکھنا، پھر وضو شروع کرنا، یا وضو خانے پر وضو کے لیے چڑھتے ہوئے ہاتھ میں سے گھڑی نکال کر جیب میں رکھنا۔

(۴) پیشاب خانے میں لائن لگی ہو تو وہاں انتظار میں کھڑے ہونا۔

(۵) وضو سے قبل وضو خانے پر چڑھ کر اپنی ٹوپی یا رومال وضو خانے کی مچان یا کھونٹی پر رکھنا۔

(۶) گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو تو کھانا لانے کے لیے گھر جانا۔

(۷) کھانے کے لیے گھر جانے پر معلوم ہوا کہ کھانے کی تیاری میں معمولی دیر ہے، مثلاً: سالن کو بگھار لگ رہا ہے، اس کا انتظار کرنا۔

(۸) احتلام ہو گیا اور ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہے تو پانی گرم کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا یا گرم پانی کے لیے گھر جانا اور وہاں پانی گرم ہونے کے انتظار میں ٹھہرنا۔

کیا اس صورت میں یہ جائز ہے کہ تیمّم کر کے مسجد ہی میں رہے اور گھر سے گرم پانی آنے کا مسجد میں انتظار کرے؟

(۹) حالتِ اعتکاف میں بیمار ہو گیا اور دوا لا کر دینے والا کوئی نہ ہو، یا ڈاکٹر کے پاس جانا ضروری ہو تو دوا کے لیے مسجد سے نکلنا۔ بیّنوا توجروا!

الجواب باسم ملهم الصواب:

(۱)(۲) اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(۳ تا ۸) جائز ہے، احتلام کی صورت میں گرم پانی کے انتظار میں تیمّم کر کے مسجد میں ٹھہرنا، جائز نہیں، مسجد سے فوراً نکل جائے، مسجد سے باہر پانی گرم ہونے کے انتظار میں ٹھہرنا جائز ہے۔

(۹) دوا کے لیے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اس روز کی قضاء لازم ہے؛ البتہ سخت مجبوری کی صورت میں نکلنے سے گناہ نہیں ہوگا، اعتکاف بہر حال فاسد ہو جائے گا اور قضاء لازم ہوگی۔ قال في شرح التّنوير: وحرُم عليه الخروجُ إلالحاجةِ الإنسانِ طبعيَّةً كبولٍ وغائطٍ وغسلٍ لو احْتَلَمَ ولايُمْكِنُه الاغتسالُ في المسجِد، كذا في النَّهر، أو شرعيَّةً، فلو خَرَجَ ولو ناسياً ساعةً، زمانيَّةًلا رمليَّةً بلاعذرٍ، فسد فيقضِيه، وإن خَرَجَ بعذرٍ يَغْلِبُ وقوعُه وهومارَّلاغيرُ، لايفسد وأمّاما لايغلبُ كإنجاء غريقٍ وانهدام مسجدٍ، فمُسْقِطٌ للإثمِ، لا للبُطلان وإلا لكانَ النِّسيانُ أولٰى بعدمِ الفسادِ كما حقَّقَه الكمالُ الخ. (درمختار: ۳/۴۳۴، ۴۳۸). (احسن الفتاوی: ۴/۵۱۷)

پانی لانے کے لیے معتکف کا خارجِ مسجد جانا

سوال: اگر کوئی شخص پاس میں موجود ہو تو پھر بھی خود پانی لا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: اگر دوسرے سے منگا سکتا ہے تو خود جانا، جائز نہیں۔ قال في البحر: وأكلُه وشُربُه ومبايَعَتُه فيه: يعني يَفْعلُ الْمُعْتَكِفُ هذه الأشياءَ في المسجدِ؛ فإن خَرَجَ لأجلها، بَطَلَ اعتكافُه؛ لأنَّه لاضرورةَ إلى الخروجِ حيثُ جازتْ فيه .....وقيل: يخرجُ بعدالغُروبِ للأكلِ والشُّربِ ويَنْبغِي حملُه علىٰ ما إذا لم يجِدْ من يأتي له به، فحِينَئِذٍ يكونُ من الحوائجِ الضّروريَّةِ كالبولِ والغائطِ. (البحر الرائق: ۲/ ۵۳۰). (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۶۵)

معتکف کا پانی لینے کے لیے مسجد سے باہر جانا،
جبکہ معتکف کی طبیعت دوسرے سے پانی لینے کو نہ چاہتی ہو

سوال: معتکف کی طبیعت دوسرے سے پانی لینے کو نہیں چاہتی تو خود مسجد سے باہر ہو کر پانی لینا بہتر ہے، یا دوسرے ہی شخص سے لینا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلّماً! اگر دوسرے شخص سے بے تکلفی نہ ہو؛ بلکہ خدمت لینے سے اپنے اوپر یا اس پر گرانی کا شبہ ہو تو خود مسجد سے باہر جا کر پانی لینا اولی ہے، ہاں! بے تکلفی ہو تو خروج جائز نہیں۔ (آئینۂ رمضان: ۲۶۲)

معتکف کا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جانا

سوال: مسجد میں پانی نہیں ہے، معتکف وضو کرنے یا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً مصلیاً: جا سکتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰: ۲۵۱، ۲۷۰، ۲۸۱)

گرم پانی لینے کے لیے معتکف کا باہر جانا

سوال: اگر گرم پانی دور ہے اور سرد پانی نزدیک ہے تو گرم پانی لینے جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: اگر سرد پانی سے وضو کرنے میں زیادہ دقت ہوتی ہے اور حدوثِ مرض یا ازدیادِ مرض کا اندیشہ ہے تو جا سکتا ہے۔ **فلا یخرج المعتکفُ من مُعْتَکَفِه لیلاً ولا نهاراً إلا بعذرٍ، وإن خَرَجَ من غیر عذرٍ ساعةً، فَسَدَ اعتکافُه. (عالمگیري: ۱/۲۱۲)**. فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۶۳، ۲۶۵)

گرمی یا سردی کے لیے معتکف کا خارج مسجد جانا

سوال: احاطۂ مسجد میں گرمی یا سردی زیادہ ہے، تو وضو کے لیے باہر سایہ میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: زیادہ دقت کی حالت میں جا سکتا ہے، جبکہ تحمل نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۶۳، ۲۶۵)

پانی نہ ہونے کی صورت میں کنویں سے پانی لا کر غسل کرنا

اگر مسجد میں پانی نہ ہو، مگر غسل خانہ ہو اور کنواں دور ہو تو کسی کنویں سے پانی لا کر مسجد کے غسل خانے میں غسل کر سکتا ہے۔ (آداب الاعتکاف: ۶۸)

شدید سردی میں گرم پانی لانے دوسری جگہ جانا

غسل واجب ہو گیا شدید سردی ہے، مسجد میں نل کا پانی ٹھنڈا ہے، دوسری جگہ تازہ گرم پانی مل سکتا ہے، یا اس کا انتظام ہو سکتا ہے، تو شدّتِ ضرورت کی وجہ سے گرم پانی کا انتظام یا حاصل کرنے کے لیے اس مقام پر جا سکتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/۲۷۵)

سرکاری وظیفہ لینے کے لیے مسجد سے نکلنا

معتکف کا سرکاری وظیفہ لینے کے لیے مسجد سے باہر جانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وظیفہ کے بغیر معتکف کا گذارہ نہ ہو سکتا ہو، تب تو گنجائش ہے، کہ مسجد سے باہر جا کر دستخط کر کے فوراً مسجد میں آجائے اور احتیاطاً بعد میں ایک روز کے اعتکاف کی قضا بھی کر لے اور اگر اس پر گذر موقوف نہ ہو تو جانے کی اجازت نہیں، جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اور ابطالِ اعتکاف کا گناہ بھی ہوگا۔ (فتاوی رحیمیہ: ۷/۲۸۳) سخت حاجت کی صورت میں ممکن ہے کہ اس کا شمار حاجتِ طبعیہ میں ہو جائے، جس کے لیے خروج کی گنجائش ہے۔ **في الدُّر المُختار: وحرُم علیه، أي علی الْمُعْتَکِفِ ..... الخروجُ إلا لحاجة الإنسان ..... (درمختار) وفي الشّامي: وفسّر ابنُ الشِّلبِيِّ الطبعيَّةَ، بمالا بُدَّمنها وما لایُقْضٰی في المسجدِ (درمختار مع الشامي: ۳/۴۳۴، ۴۳۵)**

اعتکاف کی قضاء اور فدیہ

اعتکافِ مسنون توڑ دینے کی صورت میں قضاء کا حکم

اگر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کسی وجہ سے فاسد ہوجائے تو اب یہ اعتکافِ سنت باقی نہیں رہا، نفل ہوگیا؛ اس لیے اسے پورے دس دن کے اعتکاف کی قضاء کرنی ضروری نہیں، ایک دن کی قضاء کرلے یہ کافی ہے، اسی رمضان میں کرلے یا رمضان کے بعد کبھی ایک دن نفل روزہ رکھ کر اعتکاف کرلے دونوں صورتیں درست ہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی تحقیق ہے؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک اعتکاف کا ہر دن جداگانہ ہے۔

اور امام یوسفؒ کی تحقیق کے مطابق پورے دس ایام کی یا کم ازکم باقی دنوں کی قضاء واجب ہے، امام ابویوسفؒ کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ وعلیٰ کلٍّ فیَظْهَرُ من بحثِ ابنِ الهُمَامِ، لزومُ الاعتكافِ المسنونِ بالشُّروعِ، و أنَّ لزومَ قضاءِ جميعِه أو باقِيه مخرَّجٌ على قولِ أبي يوسفؒ، أمَّا على قولِ غيرِه فيَقضِي اليومَ الذي أفْسَدَهُ، لِاستِقْلالِ كلِّ يومٍ بنفسِه. (فتح: ۳۹۳/۲). (کتاب الفتاوی: ۴۵۲/۳، فتاوی رحیمیہ: ۲۷۵/۷، ۲۸۰، فتاوی محمودیہ: ۲۵۵/۱۰، خیر الفتاوی: ۱۲۷/۴، ۱۳۰، فتاوی عثمانی: ۱۹۶/۲، کتاب المسائل: ۱۲۱/۲، احسن الفتاوی: ۵۱۱/۴)

اعتکاف ٹوٹ جانے کی صورت میں اسی مسجد میں معتکف رہنا

اعتکافِ مسنون ٹوٹ جانے کے بعد مسجد سے باہر نکلنا ضروری نہیں؛ بلکہ عشرۂ اخیرہ کے باقی ماندہ ایام میں نفل کی نیت سے اعتکاف جاری رکھا جاسکتا ہے، اس طرح سنتِ مؤکدہ تو ادا نہیں ہو

گی؛ لیکن نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا اور اگر اعتکاف کسی غیر اختیاری بھول چوک کی وجہ سے ٹوٹا ہے تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ عشرۂ اخیرہ کا ثواب اپنی رحمت سے عطا فرمادیں؛ اس لیے اعتکاف ٹوٹنے کی صورت میں بہتر یہی ہے کہ عشرۂ اخیرہ ختم ہونے تک اعتکاف جاری رکھیں؛ لیکن اگر کوئی شخص اعتکاف جاری نہ رکھے تو یہ بھی جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ جس دن اعتکاف ٹوٹا ہے، اس دن باہر چلا جائے اور اگلے دن بہ نیتِ نفل پھر اعتکاف شروع کردے۔ (احکامِ اعتکاف: ۴۸)

گذشتہ اعتکاف کی قضاء دوسرے رمضان میں کرنا

گذشتہ رمضان کے توڑے ہوئے مسنون اعتکاف کی قضاء کے لیے دوسرے رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کافی نہیں، وہ اس میں ادا نہیں ہوگا۔ إن لَمْ يعتكِفْ حتّٰى دَخَلَ رمضانُ آخرَ فاعْتَكَفَ فيه لم يُجْزِئْه؛ لأنَّ الصَّوم صار ديناً في ذمَّتِه لما فاتَ عن وقْتِه و صار مقصوداً بنفسِه والمقصودُ لايتأدّٰى بغيرِه. (الهندية: ۲۱۱/۱). (محمودیہ: ۲۵۵/۱۰)

اعتکاف ٹوٹ جائے تو اس کی قضاء غیرِ رمضان میں کرنا

اعتکاف فاسد ہونے کی صورت میں قضاء چاہے رمضان میں کرے یا غیرِ رمضان میں، دونوں جائز ہے، غیرِ رمضان میں نفل روزہ رکھ کر قضاء کرنی ہوگی۔ (خیر الفتاوی: ۱۴۶/۴، کتاب الفتاوی: ۲۵۲/۳)

قضاء میں رات اور دن دونوں کی قضاء واجب ہے یا صرف دن کی؟

ایک دن کی قضاء میں رات دن دونوں کی قضاء واجب ہے یا صرف دن کی؟ اس سے متعلق صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، قواعد سے یوں مفہوم ہوتا ہے کہ اعتکاف دن میں فاسد ہوتو صرف دن کی قضاء واجب ہوگی، صبح صادق سے قبل شروع کرکے غروب آفتاب تک

کرلے اور اگر رات میں فاسد ہو تو رات اور دن دونوں کی قضاء واجب ہے، غروب آفتاب سے قبل شروع کرکے دوسرے روز غروب کے بعد ختم کرے، اگر ایک دن کے اعتکاف کی نذر کی تو صرف دن کا اعتکاف واجب ہے اور رات دن دونوں کی نذر میں چوبیس گھنٹے کا اعتکاف واجب ہے، اور قضاء اعتکاف بھی وجوب میں نذر کی طرح ہے، اس لیے اس کا بھی وہی حکم ہوگا۔ وهو المرادُ من مفهومِ القواعِدِ، قال في البحر: بَقِيَ حُكْمُ الْمفرِدِ فإن قال: "لِلّٰه عليَّ أن أعْتَكِفَ يوماً" لَزِمَهُ فقط، سواءٌ نواه فقط أو لم تكُن له نيَّةٌ، ولايدخلُ لَيْلَتُه ويدخُل المسجدَ قبل الفجر ويخرج بعد الغروب (البحر: ۲/ ۵۳۳) ولو قال: "لِلّٰه عليَّ أن أعْتَكِفَ ليلاً ونهاراً" لَزِمُه أن يَعْتَكِفَ ليلاً ونهاراً (أيضا: ۵۲٤). ومتٰى دَخَلَ في اعتكافِهِ اللَّيلُ والنَّهارُ فابتداؤُه من اللَّيلِ؛ لأنَّ الأصلَ أنَّ كلَّ ليلةٍ تَتْبَعُ اليومَ الَّذي بعدَها ..... فعلٰى هٰذا إذا ذَكَرَ الْمُثَنّٰى أو الْمَجْمُوعَ، يدخُل المسجدَ قبلَ الغُروبِ ويخرج بعدَ الغُروبِ من آخرِ يومِ نذرِه. (البحر الرائق: ۲/ ۵۳٤). (احسن الفتاوی: ۴/۵۱۱، ۵۱۲)(۱)

اعتکافِ مسنون کا فدیہ

اگر عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف فاسد ہوگیا، اب ضعف یا پیری کی وجہ سے ادا نہیں کرسکتا تو فدیہ واجب ہو جائے گا، واضح رہے کہ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی قضاء میں صرف ایک دن کا فدیہ واجب ہوگا؛ کیوں کہ قضاء صرف ایک دن کی لازم ہے، (آداب الاعتکاف: ۹۲)

☆☆☆☆☆☆☆

(۱) اس مسئلے کے بارے میں صاحب "نجم الفتاوی" کی رائے ہے کہ دن میں اعتکاف فاسد ہونے کی صورت میں رات اور دن دونوں کا اعتکاف کرنا ہوگا اور اس کی ابتداء رات سے ہوگی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، (نجم الفتاوی: ۳/۳۲۴-۳۲۵)۔

معتکفین کے لیے کچھ ضروری ہدایات

(۱) اعتکاف اگر اخلاص سے ہو تو اشرف الاعمال میں سے ہے، اعتکاف کے بے شمار فضائل احادیث میں مذکور ہیں؛ اس لیے اعتکاف کرنے والوں پر ضروری ہے کہ اعتکاف کے ایام کو قیمتی سمجھ کر ان ایام میں مسجد کے اندر خوب عبادت کرتے رہیں، ظاہری اعتبار سے جس طرح یکسو ہو کر اعتکاف میں بیٹھ گئے، معنوی اعتبار سے بھی دنیاوی مشغلوں اور جھمیلوں سے اپنے آپ کو فارغ کرکے زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگے رہیں۔

(۲) ہر معتکف اپنے کام کے واسطے ہر روز کے لیے ایک نظام الاوقات بنالے، مثلاً: نمازِ فجر کے بعد اتنی مقدار تلاوت کرنا ہے، پھر فلاں فلاں وظائف ادا کرنے ہیں؛ غرض پورے چوبیس گھنٹے میں ہر ہر کام کو نظم اور طریقے سے کرنے کا اہتمام کرے۔

(۳) جو لوگ علماء اور دینی علوم سے واقف ہیں، ان کے واسطے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں؛ لیکن جو لوگ دینی علوم سے زیادہ باخبر نہیں ہوتے، اگر وہ کسی مستند عالمِ دین اور بزرگ سے تعلق بیعت رکھتے ہیں تو اعتکاف کے ایام، اس عالمِ دین بزرگ کی ہدایات اور بتائے ہوئے طریقے کے مطابق معمولات اور وظائف ادا کرکے اعتکاف کے اوقات گذاریں۔

(۴) اگر یہ لوگ کسی مستند عالمِ دین اور بزرگ سے تعلقِ بیعت نہیں رکھتے ہیں تو اعتکاف کے مسائل کے واسطے، محقق مقامی عالم یا امامِ مسجد سے رابطہ کرکے معلومات حاصل کریں اور اگر معتکفین میں کوئی عالمِ دین موجود ہیں تو ان سے مسائل معلوم کرتے رہیں اور کچھ ضروری ہدایات لے لیں؛ تاکہ وقت صحیح گذرے۔

(۵) پڑھا لکھا آدمی ہو تو اعتکاف کے بارے میں مسائل کی کوئی کتاب ساتھ رکھے، خود بھی مطالعہ کرے اور دوسرے ناواقف لوگوں کو بھی مسائل بتاتا رہے۔

(٦) ایامِ اعتکاف کے اندر نمازوں میں پڑھی جانے والی سورتوں کی تصحیح کے واسطے،

ایک تعلیمی مجلس رکھے اور نماز، روزہ، زکوۃ اور دوسرے ضروری مسائل کے لیے بھی ایک مجلس رکھے، زیادہ مناسب ہے۔

(۷) اعتکاف کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد، شبِ قدر کا حصول ہے، حضور ﷺ خصوصیت سے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، آپ ﷺ کا مقصد شبِ قدر کی فضیلت کو حاصل کرنا تھا؛ اس لیے لیلۃ القدر کی حفاظت کے واسطے، ہر معتکف کو اکیسویں شب سے انتیسویں شب تک ہر طاق رات کا خیال رکھنا چاہیے، اور کوشش یہ کرنی چاہیے کہ پوری رات بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہا جائے، اگر پوری رات بیدار رہنے کا اتفاق نہ ہو تو رات کا زیادہ سے زیادہ حصہ بیدار رہنا چاہیے؛ تاکہ اس مبارک رات کے فضائل اور برکات سے مستفیض ہو سکے۔

(۸) اعتکاف کرنے کے بعد کوئی عمل ایسا نہ کرنا چاہیے، جس سے اعتکاف فاسد ہو جائے؛ اس لیے مسائلِ اعتکاف جاننے کے لیے کسی مستند کتاب کا بار بار مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۹) بہت سے لوگ حدودِ مسجد کا مطلب نہیں سمجھتے ہیں، اس بناء پر ان کا اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے؛ اس لیے حدودِ مسجد کا مطلب خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ مسجد کا تمام احاطہ عرفاً مسجد کہلاتا ہے؛ لیکن اعتکاف کے بیان میں جہاں مسجد کا لفظ آتا ہے، اس سے مراد وہی جگہ ہوتی ہے، جہاں تک سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے مقرر کی گئی ہے، یعنی مسجد کا اندرونی حصہ برآمدہ اور صحن، اس حد کے علاوہ شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر نکلنا جائز نہیں۔

(۱۰) معتکف کو جن مقامات پر جانا شرعی اور طبعی ضرورت کے بغیر جائز نہیں ہے، ان مقامات کو بار بار پوری توجہ سے پڑھنا چاہیے، اکثر و بیشتر معتکف حضرات بے دھیانی یا مسائل سے لاعلمی کی بناء پر، کبھی ہاتھ دھونے، کبھی کلی کرنے، کبھی ناک صاف کرنے، کبھی برتن دھونے اور اسی طرح دوسرے متفرق کاموں کے لیے چلے جاتے ہیں، جس سے ان کا اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور انھیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔

یاد رکھیے کہ شرعی اور طبعی حاجت کے بغیر مذکورہ بالا مقامات پر چلے جانے سے (خواہ ایک منٹ ہی کے لیے سہی) اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بعض خاص اعمال

اعتکاف کے دوران چونکہ انسان کو دوسرے کاموں سے منھ موڑ کر مسجد میں جانا پڑتا ہے؛ اس لیے اس وقت کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور اس کو فضول باتوں اور آرام طلبی کی نذر کرنے کے بجائے، زیادہ سے زیادہ تلاوت، عبادت، ذکر اللہ اور تسبیحات و اوراد میں صرف کرنا چاہیے۔

اعتکاف کے لیے کوئی خاص نفلی عبادتیں متعین نہیں ہیں؛ بلکہ جس وقت جس عبادت کی توفیق ہو جائے، اسے غنیمت سمجھنا چاہیے؛ البتہ بعض عبادتیں ایسی ہیں، جن کی عام حالات میں توفیق نہیں ہوتی، اعتکاف ان عبادتوں کی انجام دہی کا بہترین موقع ہے؛ اس لیے چند اعمال کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے؛ تاکہ معتکف حضرات کے لیے سہولت ہو۔

صلوۃ التسبیح

صلوۃ التسبیح نماز کا ایک خاص طریقہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو بڑے اہتمام کے ساتھ سکھایا تھا، اور فرمایا تھا کہ اس طرح کی نماز دن میں ایک بار پڑھ لیا کریں، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو ہر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ہر مہینے میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سال میں ایک مرتبہ، نیز اس نماز کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر تمہارے گناہ عالج کے ریت کے برابر ہوں، تب بھی (اس نماز کی بدولت) اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دیں گے'' (جامع ترمذی: ۱/۱۰۹رقم: ۴۸۲) عالج ایک جگہ کا نام ہے جو سخت ریتیلی جگہ میں واقع تھی، جہاں ریت بہت ہوتی تھی۔ (قاموس)؛ لہذا مطلب یہ ہے کہ گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اس نماز کی بدولت ان کی مغفرت کی امید ہے؛ چنانچہ بزرگانِ دین نے اس نماز کا اہتمام فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ روزانہ ظہر کے بعد اذان اور اقامت کے دوران یہ نماز پڑھتے تھے، اور حضرت عبدالعزیز

بن ابی داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ”جوشخص جنت میں جانا چاہے، وہ صلوۃ التسبیح کا اہتمام کرے“ اور حضرت ابوعثمان حیریؒ فرماتے ہیں کہ ”مصیبتوں اور غموں سے نجات کے لیے میں نے کوئی عمل صلوۃ التسبیح سے بڑھ کر نہیں دیکھا“ (معارف السنن :۲۸۲/۴)؛ لہذا اعتکاف کے دوران یہ نماز یا تو روزانہ یا جتنی مرتبہ توفیق ہو، ضرور پڑھنی چاہیے۔

نماز کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعت نفل صلوٰۃ التسبیح کی نیت سے پڑھی جائے، باقی تمام ارکان تو اور نمازوں کی طرح سے ہوں گے؛ البتہ اس نماز کے دوران ہر رکعت میں پچھتّر مرتبہ (سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ) مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق پڑھا جائے گا، اگر اس کے ساتھ (وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ) ملالیں تو اور اچھا ہے۔ طریقہ یہ ہوگا:

(۱) نیت باندھ کر حسبِ معمول ثناء، سورۂ فاتحہ اور کوئی اور سورۃ پڑھیں، جب قرأت سے فارغ ہوجائیں تو رکوع میں جانے سے پہلے کھڑے کھڑے مذکورہ بالا تسبیح پندرہ مرتبہ پڑھیں، پھر رکوع میں جائیں۔

(۲) رکوع میں جانے کے بعد حسبِ معمول تین مرتبہ ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ“ پڑھ لیں، پھر دس مرتبہ مذکورہ بالا تسبیح پڑھیں، اس کے بعد رکوع سے اٹھیں۔

(۳) رکوع سے اٹھ کر پہلے حسبِ معمول سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہیں، پھر کھڑے ہوکر مذکورہ بالا تسبیح پڑھیں، پھر سجدے میں جائیں۔

(۴) سجدے میں جا کر پہلے حسبِ معمول سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تین مرتبہ پڑھ لیں، پھر دس مرتبہ مذکورہ تسبیح دس مرتبہ پڑھیں، اس کے بعد سجدے سے اٹھیں۔

(۵) سجدے سے اٹھ کر بیٹھیں اور بیٹھے بیٹھے مذکورہ تسبیح پڑھیں، پھر دوسرے سجدے میں جائیں۔

(۶) سجدے میں جا کر حسبِ معمول سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تین مرتبہ پڑھ لیں، پھر دس مرتبہ مذکورہ تسبیح پڑھیں۔

(۷) اس کے بعد سجدے سے اٹھ کر کھڑے ہونے کے بجائے، دوبارہ بیٹھ

جائیں اور دس مرتبہ مزید مذکورہ تسبیح پڑھیں، اس کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں۔

اس طرح ایک رکعت میں پچھتّر مرتبہ یہ تسبیح پڑھی گئی، اس طرح باقی تین رکعت پڑھ لیں، یوں کل تین سو تسبیحات چار رکعتوں میں ہوں گی، دوسری اور چوتھی رکعت میں یہ تسبیح ”التحیات“ پڑھنے کے بعد پڑھی جائے۔

دوسرا طریقہ: یہ بھی جائز اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے ثابت ہے کہ شروع میں قرأت کے بعد یہ تسبیح پچیس مرتبہ پڑھ لیں، پھر دوسرے سجدے تک دس دس مرتبہ پڑھتے رہیں اور دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر نہ پڑھیں؛ بلکہ سیدھے کھڑے ہوجائیں، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں طریقوں سے صلوٰۃ التسبیح پڑھنی چاہیے، کبھی پہلے طریقے سے کبھی دوسرے طریقے سے۔

تسبیحات کی تعداد خود بخود یاد رہتی ہوں تو انگلیوں پر نہیں گننا چاہیے؛ لیکن اگر کسی کو بھول ہوجاتی ہو تو گننا جائز ہے، اگر کسی ایک رکن میں تسبیح پڑھنا بھول گئے تو اگلے رکن میں قضاء کریں، اس طرح کہ ایک رکعت میں پچھتّر تسبیحات پوری ہوجائیں؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ رکوع کی بھولی ہوئی تسبیحات قومہ میں قضاء نہ کریں؛ بلکہ سجدے میں جا کر قضاء کریں اور پہلے سجدے کی بھولی ہوئی تسبیحات، سجدوں کے درمیان جلسے میں قضاء نہ کریں؛ بلکہ دوسرے سجدے میں جا کر قضاء کریں۔ (شامی:۴۶۱/۱)

صلوٰۃ الحاجۃ

جب کسی انسان کو دنیا وآخرت کی کوئی ضرورت درپیش ہو تو آنحضرت ﷺ نے نمازِ حاجت پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے، نمازِ حاجت پڑھنے کے مختلف طریقے مشائخ سے منقول ہیں؛ لیکن اس کا جو مسنون طریقہ روایاتِ حدیث میں بیان ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ دو رکعت نفل صلوٰۃ الحاجۃ کی نیت سے پڑھیں، نماز کا طریقہ عام نفل نمازوں کی طرح ہوگا، کوئی فرق نہیں؛ البتہ نماز سے فارغ ہوکر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے، درود شریف پڑھے، پھر یہ دعاء پڑھے:

لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ

العالَمِينَ،أسْأَلُكَ مُوْجبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ ،وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ،والسَّلامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْباً إِلّا غَفَرْتَهُ وَلَاهَمًّا إِلّا فَرَّجْتَهُ ولاحاجةً هِيَ لَكَ رِضاً إِلّا قَضَيْتَها يا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ .(جامع الترمذي/ الوتر/ما جاء في صلوٰة الحاجة: ۱/۱۰۸ رقم: ۴۷۹)

اس کے بعد جو حاجت درپیش ہو، اپنی زبان میں اس کی دعاء مانگے ۔(صلوٰۃ الحاجۃ کی محدِّثانہ تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: معارف السنن: ۴/۲۷۵)

یوں تو صلوٰۃ الحاجۃ، ہر دنیوی واخروی ضرورت کے لیے پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن اگر اسے پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کی جائے کہ ’’یا اللہ مجھے اور میرے گھر والوں کو دین پر عمل کرنے اور اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرما، ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما اور جنت نصیب فرما‘‘ تو انشاء اللہ بڑا نفع ہوگا۔

بعض مستحب نمازیں

بعض مستحب نمازیں بڑی فضیلت اور ثواب کی حامل ہیں، یوں تو ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہمیشہ اس کا اہتمام کرے؛ لیکن خاص طور پر اعتکاف کے دوران ان کی پابندی آسان ہے اور اگر اعتکاف میں ان کی پابندی کرکے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی جائے کہ باقی دنوں میں بھی ان کی توفیق ہوجایا کرے تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اعتکاف کی برکت سے ان تمام مستحبات کا عادی بنادے۔

تحیۃ الوضو

ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو کے طور پر پڑھنا مستحب ہے، صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ :’’مامن أحد يتوضأ فيُحسن الوضوءَ ويصلي ركعتين،يُقْبل بقلبه ووجهه عليها إلا وجبت له الجنة.‘‘(ماخوذ از شامي: ۲/۴۶۴)

’’جو شخص بھی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ اپنے ظاہر اور باطن سے نماز ہی کی طرف متوجہ رہے تو اس کے لیے جنت واجب کردی جاتی ہے‘‘۔

اعتکاف کے دوران چونکہ آدمی مسجد میں ہی ہوتا ہے ؛اس لیے تحیۃ المسجد کا موقع نہیں ہوتا؛ لیکن جب بھی وضو کرے تحیۃ الوضو پڑھنے کا اہتمام کرلیں تو انشاء اللہ بہت فضیلت کا موجب ہوگا، تحیۃ الوضو کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے، عام نمازوں کی طرح یہ بھی پڑھی جائے گی؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ یہ نماز اعضاء خشک ہونے سے پہلے پڑھ لی جائے ۔(درمختار مع شامی: ۱/۴۵۸) اگر کسی وجہ سے تحیۃ الوضو کا وقت نہ ملے تو سنتِ مؤکدہ یا فرض نماز شروع کرتے وقت، اسی نماز میں تحیۃ الوضو کی بھی نیت کرلی جائے تو انشاء اللہ اس کی فضیلت سے محرومی نہ ہوگی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال حبشیؓ سے فرمایا کہ ’’اے بلال! مجھے بتاؤ کہ اسلام لانے کے بعد تمہارا وہ کون سا عمل ہے، جس کے بارے میں تمہیں سب سے زیادہ امید ہو (کہ اللہ تعالیٰ اس کی بدولت تم پر رحم فرمادیں گے)؛ اس لیے کہ میں نے جنت میں اپنے سامنے تمہارے جوتوں کی چاپ سنی ہے۔‘‘ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ ’’میں نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا، جس کے بارے میں مجھے زیادہ امید ہو (بہ نسبت اس کے کہ) میں نے دن اور رات کے، جس وقت میں بھی کبھی وضو کیا تو اس وضو سے جتنی بھی توفیق ہوئی نماز ضرور پڑھی‘‘۔(البخاري/ التهجد/فضل الطهور بالليل والنهار ۱/۱۵۴ رقم: ۱۱۴۹،و مسلم/ فضائل الصحابة/من فضائل بلال ۲/۲۹۲ رقم: ۲۴۵۸ كما في المشكوٰة: ۱۱۶)

نمازِ اشراق

نمازِ اشراق وہ نماز ہے، جو طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھی جاتی ہے، اشراق کی دو رکعت ہوتی ہیں، اور جب آفتاب نکل کر ذرا بلند ہوجائے تو یہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، اس میں افضل یہ ہے کہ نمازِ فجر کے بعد اپنی جگہ پر ہی بیٹھا، تسبیحات یا تلاوت میں مشغول رہے، اور جب آفتاب نکل کر ذرا بلند ہوجائے تو دو رکعت پڑھ لے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ’’جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور سورج نکلنے تک (وہیں) بیٹھا رہا اور اللہ کا ذکر کرتا

رہا، پھر دو رکعت (اشراق کی) نماز پڑھی تو اس کو ایک حج اور ایک عمرے کی مانند اجر ملے گا، پورے حج اور عمرے کا''۔(**الترمذي / الجمعة/ما ذكر مما يستحب من الجلوس في المسجد..۱/ ۱۳۰رقم:۵۸۶ ،الترغيب: ۱/ ۱۷۸**)

اور حضرت سہیل بن معاذؓ اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو شخص نماز صبح سے فارغ ہو کر اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے اور اشراق کی دو رکعت پڑھنے تک، خیر کے سوا کچھ زبان سے نہ نکالے تو اس کے گناہ، خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، معاف کر دیے جاتے ہیں۔(**مسند أحمد ۱/ ۴۳۹رقم:۱۵۶۲۳ ،أبو داؤد التطوع/صلوٰة الضحى ۱/ ۱۸۲رقم:۱۲۸۵ ، كما في الترغيب والترهيب للمنذري: ۱/ ۱۷۸**)

صلوٰۃ الضحیٰ

صلوٰۃ الضحیٰ کو اردو میں چاشت بھی کہتے ہیں، اس نماز کی بھی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے، اس کا مستحب وقت ایک چوتھائی دن گذرنے کے بعد شروع ہوتا ہے، یعنی صبح صادق اور غروب آفتاب کے درمیان جتنے گھنٹے ہوتے ہوں، ان کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ گذارنے کے بعد زوالِ آفتاب سے پہلے پہلے کسی وقت بھی یہ نماز پڑھ لیں، مستحب وقت تو یہی ہے؛ لیکن اگر اس سے پہلے مگر طلوعِ آفتاب کے بعد کسی بھی وقت پڑھ لیں تو یہ بھی جائز ہے۔(شامی:۲/ ۴۶۵، کبیری:۳۸۹)

صلوٰۃ الضحیٰ میں چار سے لے کر بارہ رکعت تک جتنی رکعت پڑھ سکتے ہوں، پڑھ لیں؛ بلکہ اس سے زائد بھی پڑھ سکتے ہیں، اور اگر دو رکعتیں بھی پڑھ لیں تو ادنیٰ فضیلت انشاء اللہ حاصل ہو جائے گی۔(شامی:۲/ ۴۶۵)

حدیث میں اس نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے؛ چنانچہ حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ: **''من صلىَّ الضُّحى ركعتين ،لم يُكتَبْ من الغافلين ،ومنْ صلّى أربعاً، كُتِبَ من العابِدين ،ومن صلّى ستًّا،كُفِي ذلك اليومَ ،ومن صلّى ثمانياً، كَتَبَه اللّهُ من القَانِتِيْن ،ومن صلّى ثِنْتَي عَشْرَةَ ركعةً،بنى اللّهُ له بيتاً في الجنَّةِ.''**

(**الترغيب والترهيب: ۱/ ۲۶۶**)

''جو شخص چاشت کی دو رکعت پڑھے، وہ غافلوں میں نہیں شمار ہوگا اور جو چار پڑھے، وہ عبادت گذاروں میں لکھا جائے گا اور جو چھ پڑھے، اس کے لیے (یہ چھ رکعت) دن بھر (نزولِ رحمت) کے لیے کافی ہو جائیں گی، اور جو آٹھ پڑھے اسے اللہ تعالیٰ خاشعین میں لکھ لے گا، اور جو بارہ رکعت پڑھے گا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنا دے گا''۔

ابن ماجہ اور ترمذی کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ صلوٰۃ الضحیٰ کی پابندی کرنے والے کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، تب بھی اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔(**الترمذي/ الوتر/ ما جاء فی صلوٰة الضحى: ۱/ ۱۰۸رقم:۴۷۶ ،ابن ماجه/ إقامة الصلوات /ما جاء فی صلوٰة الضحى: ۹۸،رقم:۱۳۸۲ كما في الترغيب : ۱/ ۲۳۵**)

صلوٰۃ الاوّابین

عام طور پر صلوٰۃ الاوّابین ان نفلوں کو کہتے ہیں، جو مغرب کے بعد پڑھی جاتی ہیں، یہ کم از کم چھ رکعات اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ چھ رکعت مغرب کی دو سنتِ مؤکدہ کے علاوہ پڑھی جائیں؛ تاہم اگر وقت کم ہو تو سنتِ مؤکدہ سمیت چھ پوری کر لیں جائیں، تب بھی انشاء اللہ اس نماز کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

حدیث میں اس نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **''من صلّى بعد المغربِ ستَّ ركعاتٍ،لم يتكلَّمْ فيما بينهُنَّ بسُوءٍ،عُدِلْنَ له بعبادةِ ثِنْتي عشرة سَنَةً ''(الترمذي/ الصلوٰة/ما جاء فی فضل التطوع ستّ ركعاتٍ بعد المغرب ۱/ ۹۸رقم:۴۳۵)**

''جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان کے درمیان کوئی بری بات زبان سے نہ نکالے تو یہ چھ رکعات اس کے لیے بارہ سال عبادت کے برابر شمار ہوں گی''۔

اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

"من صلّٰى بعدالمغربِ عشرين ركعةً، بنى اللّٰه له بيتاً في الجنَّةِ". (الترمذي الصلوٰة/ما جاء فى فضل التطوع ستَّ ركعات بعد المغرب ۱/ ۹۸رقم: ۴۳۵)

''جس شخص نے مغرب کے بعد بیس رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنادے گا''۔

علمائے امت اور بزرگانِ دین نے اس نماز کا بڑا اہتمام فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

نمازِ تہجد

تہجد کی نماز نوافل میں خاص طور پر سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے، افضل یہ ہے کہ یہ آخر شب میں پڑھی جائے، آنحضرت ﷺ اکثر تہجد کی چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اس میں بہتر یہ ہے کہ قیام، رکوع، اور سجدہ طویل کیا جائے، اور قیام میں قرآن کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جائے، جن حضرات کو طویل سورتیں یاد نہ ہوں، وہ اعتکاف کے موقع کو غنیمت سمجھ کر خاص خاص سورتیں یاد کرلیں، مثلاً: سورۂ یٰس، سورۂ مزمل، سورۂ ملک، سورۂ واقعہ، وغیرہ اور تہجد میں طویل سورتیں پڑھیں۔

اعتکاف کے دوران خاص طور پر تہجد کا اہتمام کرنا چاہیے، یہ وقت اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کے نزول کا ہوتا ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ واضح رہے کہ تہجد کی نماز صبح صادق سے پہلے پہلے ختم کرلینی چاہیے؛ کیونکہ صبح صادق کے بعد فجر کی سنتوں کے علاوہ کوئی اور نفل پڑھنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر صبح صادق سے پہلے نماز کی نیت باندھی ہوئی ہو اور نماز کے درمیان صبح صادق ہوجائے تو دو رکعتیں پوری کرلینا جائز ہے۔ (شامی: ۱/۲۷۶)

اللہ تبارک وتعالیٰ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو ان فضائل پر عمل کرنے کی توفیقِ کامل مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین (احکامِ اعتکاف: ۷۰تا۸۰)

☆☆☆☆☆☆☆

شبِ قدر کے فضائل ومسائل

اعتکاف کا مقصد شبِ قدر کا حصول

شبِ قدر کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا یقینی طریقہ اعتکاف سے بڑھ کر کوئی نہیں، ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ قدر کی تعیین کو پوشیدہ رکھا ہے اور اس کو پوشیدہ رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ عشرہ کی طاق راتوں میں اس کے پانے کے لیے عبادت میں مشغول رہیں؛ لیکن انسانی مزاج، اس کی مصروفیات، اس کے مشاغل وبشری تقاضے، اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ہمہ وقت، شب وروز عبادت اور ذکر ہی میں لگا رہے، اور ہر لمحہ عبادت میں صرف کرے، اس امت کو اعتکاف کی ایک ایسی دولت دی گئی ہے کہ وہ اعتکاف کی حالت میں؛ خواہ وہ رات کو سوتا ہی کیوں نہ ہو، یوں ہی بیٹھا ہی کیوں نہ ہو، اس کا ہر ہر وقت ہر ہر لمحہ عبادت میں شمار ہوگا۔ اس شبِ قدر کی دولت، اعتکاف کی صورت میں نصیب ہوگی، شبِ قدر کا ایک ایک لمحہ عبادت میں صرف کرنے کی فضیلت حاصل ہوگی۔ اعتکاف اس بیش بہا دولت اس عظیم الشان فضیلت کے حاصل کرنے کا آسان اور سہل طریقہ ہے۔

آپ ﷺ نے شبِ قدر ہی کے پانے کے لیے اعتکاف فرمایا ابتداء آپ ﷺ نے شروع کا پھر وسطِ عشرہ کا اعتکاف فرمایا پھر جب معلوم ہوا کہ شبِ قدر عشرۂ اخیرہ میں ہے تو آپ ﷺ نے عشرۂ اخیر کا اعتکاف فرمایا اور اپنے صحابہ کو بھی حکم دیا۔ پھر اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنے لگے؛ چنانچہ جسے شبِ قدر کے اعتکاف کی تمنا ہو، وہ ضرور اعتکاف کرے کہ شبِ قدر پانے کا اس سے آسان اور سہل طریقہ کوئی نہیں۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اپنے رسالہ ''الانصاف'' میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ خصوصیت سے اخیر عشرہ ہی کا اعتکاف فرماتے تھے،

آپ ﷺ کا مقصد لیلۃ القدر کی فضیلت کو حاصل کرنا تھا؛ اس لیے مشہور اور صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ (آداب الاعتکاف: ۴۴، ۴۵)

شبِ قدر کی حقیقت اور اس انعام کا سبب

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات، شبِ قدر کہلاتی ہے، جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے، کلام پاک میں اس کو ہزار مہینوں سے افضل بتایا ہے، ہزار کے تراسی برس چار ماہ ہوتے ہیں، خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے کہ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے، اس نے گویا تراسی برس چار ماہ سے زیادہ عبادت میں گزار دیا، اور اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔ اللہ جلّ شانہ کا حقیقتاً بہت ہی بڑا انعام ہے کہ قدر دانوں کے لیے یہ ایک بے نہایت نعمت مرحمت فرمائی۔ دُرِّ منثور میں حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ”شبِ قدر حق تعالیٰ جل شانہ نے میری امت کو مرحمت فرمائی ہے، پہلی امتوں کو نہیں ملی“۔ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ اس انعام کا سبب کیا ہوا؟ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت ہوئی ہیں اور آپ ﷺ کی امت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں، اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن ہے؛ اس لیے اللہ کے لاڈلے نبی کو رنج ہوا، اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہو جائیں اور ان کو عبادت میں گزار دے تو گویا آٹھ سو تینتیس برس چار ماہ سے بھی زیادہ کامل زمانہ عبادت میں گزار دیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستے میں جہاد کرتا رہا، صحابۂ کرام کو اس پر رشک آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی کے لیے اس رات کو نازل فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار حضرات کا ذکر فرمایا حضرت ایوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت یوشعؑ کہ یہ حضرات اسی اسی برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی، اس پر صحابۂ

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حیرت ہوئی، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور ”سورۃ القدر“ سنائی، اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، اس قسم کے اختلافاتِ روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانے میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو ہر واقعہ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔

بہر حال سببِ نزول جو بھی کچھ ہوا ہو؛ لیکن امتِ محمدیہ کے لیے یہ اللہ جل شانہ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، یہ رات بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے اور اس میں عمل بھی اسی کی توفیق سے میسّر ہوتا ہے، کس قدر قابلِ رشک ہیں وہ مشائخ، جو فرماتے ہیں کہ: ”بلوغ کے بعد سے مجھ سے شبِ قدر کی عبادت کبھی فوت نہیں ہوئی“۔ (فضائل رمضان: ۵۹۸)

سورۃ القدر کی تفسیر

کتبِ احادیث میں اس رات کی فضیلت، مختلف انواع اور متعدد روایات سے وارد ہوئی ہے، جن میں سے بعض کا ذکر آتا ہے، مگر چونکہ اس رات کی فضیلت خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے اور مستقل ایک سورۃ اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؛ اس لیے مناسب ہے کہ اول اس سورۂ شریفہ کی تفسیر لکھ دی جائے۔

ترجمہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہ کی تفسیر ”بیان القرآن“ سے ماخوذ ہے اور فوائد دوسری کتب سے ہیں:

بِسمِ اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم، ﴿إنَّا أنزَلْنَاہُ فِي لَیْلَةِ القَدرِ﴾ ”بیشک ہم نے قرآن کریم کو شبِ قدر میں اتارا ہے“۔

فائدہ: یعنی قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اسی رات میں اترا ہے، یہی ایک بات اس رات کی فضیلت کے لیے کافی تھی، کہ قرآن جیسی عظمت والی چیز اس رات میں نازل ہوئی؛ چہ جائیکہ اس رات میں اور بھی بہت سے برکات وفضائل شامل ہو گئے ہوں، آگے زیادتی شوق کے لیے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أدْرَاكَ مَا لَیْلَةُ القَدرِ﴾ ”آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شبِ قدر کیسی بڑی چیز

ہے"،یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے کہ کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں،اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں:

﴿لَیلَۃُ القَدرِ خیرٌ مِن ألفِ شَھرٍ﴾ "شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے"،یعنی ہزار مہینوں تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے،اس سے زیادہ شبِ قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی نہیں کہ کتنی زیادہ ہے﴿تَنَزَّلُ المَلٰئکۃُ﴾ "اس رات میں فرشتے اترتے ہیں۔

علامہ رازیؒ لکھتے ہیں کہ:

"ملائکہ نے جب ابتداء میں تجھے دیکھا تھا تو تجھ سے نفرت ظاہر کی تھی اور بارگاہِ عالی میں عرض کیا تھا کہ ایسی چیز کو آپ پیدا فرماتے ہیں، جو دنیا میں فساد کرے اور خون بہائے اس کے بعد والدین نے جب تجھے اوّل دیکھا تھا، جب کہ تو منی کا قطرہ تھا تو تجھ سے نفرت کی تھی؛ حتی کہ اگر کپڑے کو لگ جاتا تو کپڑے کو دھونے کی نوبت آتی؛ لیکن جب حق تعالیٰ شانہ نے اس قطرے کو بہتر صورت مرحمت فرمادی تو والدین کو بھی شفقت اور پیار کی نوبت آئی اور آج جبکہ تو توفیقِ الٰہی سے شبِ قدر میں معرفتِ الٰہی اور طاعتِ ربّانی میں مشغول ہے تو ملائکہ اپنے اس فقرے کی معذرت کرنے کے لیے اترتے ہیں"۔

﴿والرُّوحُ فِیھا﴾ "اور اس رات میں روح القدس،یعنی جبرئیلؑ بھی نازل ہوتے ہیں"۔

روح کے معنی میں مفسرین رحمہم اللہ کے چند اقوال ہیں،جمہور کا یہی قول ہے، جو اوپر لکھا ہے کہ اس سے حضرت جبرئیلؑ مراد ہیں،علامہ رازیؒ نے لکھا ہے یہی زیادہ صحیح ہے اور حضرت جبرئیلؑ کی افضلیت کی وجہ سے ملائکہ کے ذکر کے بعد خاص طور سے ان کا ذکر فرمایا۔بعض کا قول ہے کہ روح سے ایک بہت بڑا فرشتہ مراد ہے کہ تمام آسمان وزمین اس کے ایک لقمے کے بقدر ہیں،بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت ہے ،جو اور فرشتوں کو بھی لیلۃ القدر ہی میں نظر آتے ہیں۔چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اللہ کی کوئی خاص مخلوق ہے، جو کھاتے پیتے ہیں،مگر نہ فرشتے ہیں نہ انسان۔پانچواں قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ

مراد ہیں، جو امتِ محمدیہ کے کارنامے دیکھنے کے لیے ملائکہ کے ساتھ اترتے ہیں۔چھٹا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے،یعنی اس رات میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان کے بعد میری رحمتِ خاصّہ نازل ہوتی ہے۔ان کے علاوہ اور بھی چند اقوال ہیں،مگر مشہور قول پہلا ہی ہے۔

سننِ بیہقی میں حضرت انسؓ کے واسطے سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ "شبِ قدر میں حضرت جبرئیلؑ ایک گروہ کے ساتھ اترتے ہیں اور جس شخص کو ذکر وغیرہ میں مشغول دیکھتے ہیں تو اس کے لیے رحمت کی دعاء کرتے ہیں"۔

﴿بِإذنِ رَبِّھِم مِنْ کُلِّ أمرٍ﴾ "اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں"۔

مظاہر حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور اسی رات میں آدم کا مادہ جمع ہونا شروع ہوا،اسی رات میں جنت میں درخت لگائے گئے ،اور دعائے خیر کا مقبول ہونا تو بکثرت روایات میں وارد ہے،دُرِّ منثور کی ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰؑ آسمان میں اٹھائے گئے اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔﴿سَلامٌ﴾"وہ رات سراپا سلام ہے"،یعنی تمام رات ملائکہ کی طرف سے مؤمنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فوج آتی ہے اور دوسری جاتی ہے؛ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے۔یا یہ مراد ہے کہ رات سراپا سلامتی ہے،شر وفساد وغیرہ سے امن ہے۔

﴿ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ "وہ رات (ان ہی برکات کے ساتھ) تمام رات طلوع فجر تک رہتی ہے"۔

یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو اور کسی میں نہ ہو؛ بلکہ صبح ہونے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے۔اس سورۂ شریفہ کے ذکر کے بعد خود اللہ جل جلالہ کے کلام پاک میں اس رات کی کئی نوع کی فضیلتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں ،احادیث کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی؛ لیکن احادیث میں بھی اس کی فضیلت بکثرت وارد ہوئی ہیں۔(فضائلِ اعمال:۵۹۸۔۶۰۰)۔

ایک سوال کا جواب

روایات میں شبِ قدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں کے اندر بھی ہر سال ایک شبِ قدر آئے گی تو حساب کس طرح بنے گا؟

ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے مراد، وہ شب ہے، جس میں شبِ قدر شامل نہ ہو؛ اس لیے اب کوئی اشکال نہیں۔ (معارف القرآن: ۷۹۴/۸)

لیلۃ القدر نام رکھنے کی وجہ

قدر کے معنی تعظیم کے ہیں؛ چوں کہ اس شب کو مختلف وجوہ سے عظمت وشرف حاصل ہے، مثلاً: قرآن کا نازل ہونا، اس شب میں جبرئیل امین کا فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر تشریف لانا، اس رات میں برکت، رحمت ومغفرت کا نزول ہونا وغیرہ؛ اس لیے اس کو شبِ قدر کہتے ہیں۔ **سُمِّيَتْ بذٰلك؛ لِعِظَمِ قدرِها أي ذاتِ القَدْرِ الْعَظِيمِ؛ لنُزُولِ القرآنِ فيها؛ لوصْفِها بأَنَّها خَيْرٌ من ألفِ شهرٍ أو لِتَنَزُّلِ الملائكةِ فيها أو لِنزولِ الْبَرَكَةِ و الرَّحْمَةِ فيها الخ. (شرح الزُّرقاني: ۲۸۵/۲)** قدر کے دوسرے معنی تقدیر اور حکم کے بھی آتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لیے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے، اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنے والا ہے، وہ ان فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، جو کائنات کی تدبیر وتنفیذِ امور کے لیے مامور ہیں۔ **أو لأنَّ الأشياءَ تُقَدَّرُ فيهاويقتضي، كما قال اللّٰه تعالىٰ ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ (الإنصاف في حكم الاعتكاف: ۱۹).** (معارف القرآن ۷۹۱/۸)، حضرت ابوبکر وراقؒ نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر (شبِ قدر) اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر وقیمت نہ تھی، اس رات میں توبہ، استغفار اور عبادات کے ذریعہ وہ بھی صاحبِ قدر وشرف بن جاتا ہے۔

شبِ قدر کی اہمیت

''شبِ قدر'' نہایت قابلِ قدر چیز ہے، اس رات کی فضیلت یہ ہے کہ ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا﴾ یعنی اس رات میں رحمت کے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، اور اس میں دونوں احتمال ہیں، یعنی اس رات میں یا تو فضیلت اس وجہ سے آئی ہے کہ اس میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں یا ملائکہ اس وجہ سے نازل ہوتے ہیں کہ اس رات میں پہلے سے فضیلت ہے، بہر حال جو بھی ہو اس سے بحث نہیں، اس رات میں فضیلت ضرور ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، وہ بڑی نعمت سے محروم رہ گیا، یہ رات سال بھر کے بعد آتی ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے؛ کیوں کہ زندگی کا کیا بھروسہ، یوں تو ہر رات میں فضیلت ہے، یہ اس لیے کہتا ہوں کہ اگر کسی سے یہ رات فوت ہوجائے تو کسی اور ہی رات میں کچھ کرلے، گو وہ ویسی تو نہیں ہوگی، مگر کام بن جائے گا۔ (احکامِ اعتکاف مفتی زید صاحب: ۴۸، ۴۹)

شبِ قدر کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات

عَنْ أَبِي هُرَيرةَ ؓ قال: قال رسولُ اللّٰهِ ﷺ مَن قَامَ ليلةَ القدرِ إيماناً واحتساباً غُفِرَ له ما تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه (البخاري/ الصوم/فضل من قام رمضان ۲۶۹/۱ رقم: ۲۰۰۹ ومسلم/ صلوٰة المسافرين/الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح ۲۵۹/۱ رقم: ۱۷۴/۷۵۹، كذا في الترغيب: ۴۵/۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

فائدہ: کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی

اورعبادت تلاوت اورذکروغیرہ میں مشغول ہو۔اورثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریا
وغیرہ کسی بدنیتی سے کھڑا نہ ہو؛ بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضاء اورثواب کے حصول کی
نیت سے کھڑا ہو،امام خطابیؒ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کرکے بشاشتِ
قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بددلی سے نہیں، کھلی بات ہے کہ جس قدر ثواب کا یقین اوراعتقاد
زیادہ ہوگا، اتنا ہی عبادت میں مشقت برداشت کرنا سہل ہوگا؛ یہی وجہ ہے کہ جوشخص قربِ الٰہی
میں جس قدر ترقی کرتا ہے، عبادت میں انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے، نیز یہ معلوم ہوجانا بھی
ضروری ہے کہ حدیث بالا،اوراس جیسی احادیث میں گناہوں سے مراد علماء کے نزدیک صغیرہ
گناہ ہوتے ہیں؛اس لیے کہ قرآن پاک میں جہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر آتا ہے ان کو ﴿إلَّا مَن
تَابَ﴾ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے؛اسی بناء پر علماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف
نہیں ہوتے، پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے، علماء اس
کو صغائر کے ساتھ مقید فرماتے ہیں۔

میرے والد صاحب ''نوراللہ مرقدہ وبرّد مضجعہ'' کا ارشاد ہے کہ احادیث میں صغائر کی
قید دووجہوں سے مذکور نہیں ہوتی: اول تو یہ کہ مسلمان کی شان یہ ہے ہی نہیں کہ اس کے ذمہ کبیرہ
گناہ ہوں؛ کیونکہ جب اس سے کبیرہ گناہ صادر ہوجاتا ہے تو مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس
کو اس وقت تک چین ہی نہ آئے جب تک کہ اس گناہ سے توبہ نہ کرلے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اس قسم کے موقع ہوتے ہیں، مثلاً: لَیْلَۃُ القدرِ ہی میں جب
کوئی شخص بامیدِ ثواب عبادت کرتا ہے تو اپنی بداعمالیوں پر ندامت اس کے لیے گویا لازم ہے
اور ہو ہی جاتی ہے؛اس لیے توبہ کا تحقق خود بخود ہوجاتا ہے کہ توبہ کی حقیقت گذشتہ پر ندامت اور
آئندہ کو نہ کرنے کا عزم ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص کبائر کا مرتکب بھی ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ لیلۃ القدر ہو یا کوئی
اور اجابت کا موقع ہو، اپنی بداعمالیوں سے سچے دل سے پختگی کے ساتھ دل وزبان سے توبہ بھی
کرلے؛ تاکہ اللہ کی رحمتِ کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ اور کبیرہ ہر طرح کے گناہ معاف
ہوجائیں اور یاد آجائے تو اس سیاہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد فرمائیں ۔ (فضائلِ

رمضان: ۶۰۰، ۶۰۱) واضح رہے کہ لیلۃ القدر کی پوری رات کی فضیلت ہے، یہ نہیں کہ کسی خاص
ساعت کی فضیلت ہو، اگر ایسا ہوتا تو ساعت کے عنوان سے خبر دی جاتی، جیسے جمعہ میں ایک
ساعت کی خبر دی گئی ہے اور لیلۃ القدر کی جہاں بھی فضیلت بیان ہوئی ہے ''لیلۃ'' کے عنوان
سے ہے، جس سے مراد پوری رات ہے۔ (احکامِ اعتکاف مفتی زید صاحب: ۴۷)

ایمان واحتساب کا مطلب

ایمان بمعنی یقین ہے، اور کسی کام کو یقین کے ساتھ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کو
حکمِ خداوندی سمجھ کر بجا لایا جائے۔ اللہ کی خوشنودی ہی عمل کی بنیاد اور محرک ہو۔ قوم کی
موافقت، رِیت ورواج کی پابندی، لوگوں کی ملامت کا اندیشہ یا کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا
محرِّک نہ ہو۔ یہی یقین عمل کی روح ہے، اسی سے عمل قیمتی بنتا ہے، اس کے بغیر عمل بے جان
رہتا ہے؛ بلکہ کبھی وبالِ جان بن جاتا ہے۔

اور احتساب کے معنی ہیں: ''ثواب کی امید رکھنا''۔ ارشاد پاک ہے: ﴿وَیَرْزُقْهُ مِنْ
حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ﴾ (سورۃ الطلاق: ۳) یعنی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی پہنچاتے ہیں،
جہاں سے امید نہیں ہوتی۔ اور حدیث میں احتساب سے مراد یہ ہے کہ عمل پر اجر وثواب موعود
ہے، اس کی امید باندھ کر عمل کیا جائے، اس سے عمل شاندار بھی ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی
آسان بھی ہوجاتی ہے۔

فائدہ: شاہ صاحب قدس سرہ نے مذکورہ ثواب کی جو وجہ بیان کی ہے، اس سے یہ بات
مستفاد ہوتی ہے کہ یہ ثواب نفس کی حالت بدلنے پر موقوف ہے۔ اور ایسے اعمال اور بھی متعدد
ہیں، مثلاً: اسلام قبول کرنا، ہجرت اور حج کرنا، ان کا بھی یہی ثواب بیان کیا گیا ہے کہ تینوں
اعمال سابقہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ (مشکوۃ: ۱۴) پس اگر نفس کی حالت میں کوئی نمایاں
تبدیلی نہ آئے تو اس موعود ثواب کا استحقاق پیدا نہ ہوگا۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ: ۱۲۰/۴)

بدنصیب کون ہے

عَن أنس ؓ قال: دخل رمضانُ فقال رسولُ اللّٰه ﷺ: إنَّ هٰذاالشَّهرَقدحَضَرَكُمْ وفيه لَيلَةٌ خيرٌمن ألفِ شهرٍمن حُرِمَها، فقد حُرِمَ الخَيْرَ كلَّه ولا يُحْرَمُ خيرُها إلَّاالمَحْرُومُ.(رواه ابن ماجة/الصيام/ما جاء في فضل شهر رمضان: ۱۱۹رقم: ۱۶۴۴ وإسنادُه حسن إن شاء اللّٰه كذافي الترغيب: ۲/۶۰)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے، جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، گویا ساری ہی خیر سے محروم رہ گیا، اوراس بھلائی سے محروم نہیں رہتا، مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے۔

فائدہ: حقیقتاً اس کی محرومی میں کیا تأمل ہے، جواس قدر بڑی نعمت کو ہاتھ سے کھودے، ریلوے ملازم چندکوڑیوں کی خاطر رات رات بھر جاگتے ہیں، اگراسّی برس کی عبادت کی خاطر کوئی ایک مہینہ تک رات میں جاگ لے تو کیا دقت ہے، اصل یہ ہے کہ دل میں تڑپ ہی نہیں، اگر ذراسا چسکا پڑ جائے تو پھرایک رات کیا سیکڑوں راتیں جاگی جاسکتی ہیں۔

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو ☆ ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

آخر کوئی تو بات تھی کہ نبیٔ کریم ﷺ باوجود ساری بشارتوں اور وعدوں کے جن کا آپ ﷺ کو یقین تھا، پھراتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں ورم کر جاتے تھے، انھیں کے نام لیوااورامتی آخر ہم بھی کہلاتے ہیں، ہاں جن لوگوں نے ان امور کی قدر کی، وہ سب کچھ کر گئے اورنمونہ بن کر امت کودکھا گئے کہنے والوں کو یہ موقع بھی نہیں رہا کہ حضور ﷺ کی حرص کون کرسکتا ہے اورکس سے ہوسکتی ہے، دل میں سماجانے کی بات ہے کہ چاہنے والے کے لیے دودھ کی نہر پہاڑ سے کھودنی بھی مشکل نہیں ہوتی؛ مگر یہ بات کسی کی جوتیاں سیدھی کیے بغیر مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی ☆ نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینہ میں

آخر کیا بات تھی کہ حضرت عمرؓ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے اورصبح تک نماز میں گزاردیتے تھے۔حضرت عثمانؓ دن بھر روزہ رکھتے، اوررات نماز میں گزاردیتے، صرف رات کے اول حصہ میں تھوڑا ساسوتے تھے، رات کی ایک ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے، شرح ''احیاء'' میں ابوطالب مکیؒ سے نقل کیا کہ چالیس تابعین سے بطریق تواتر یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے نماز صبح پڑھتے تھے۔حضرت شدادؓ رات کو لیٹتے اورتمام رات کروٹیں بدل کر صبح کردیتے اور کہتے یااللہ! آگ کے ڈر نے میری نیند اڑادی۔اسود بن یزیدؒ رمضان میں مغرب اورعشاء کے درمیان تھوڑی دیر سوتے اوربس۔سعید بن المسیبؒ کے متعلق منقول ہے کہ پچاس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔صلہ بن اشیمؒ رات بھرنماز پڑھتے اور صبح کو یہ دعاء کرتے کہ یااللہ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ جنت مانگوں صرف اتنی درخواست ہے کہ آگ سے بچادیجیے۔حضرت قتادہؒ تمام رمضان تو ہرتین رات میں ایک ختم فرماتے مگر عشرۂ اخیرہ میں، ہررات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے۔امام ابوحنیفہؒ کا چالیس سال تک عشاء کی وضو سے صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور ومعروف ہے کہ اس سے انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹاتا ہے، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ قوت کس طرح حاصل ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے ناموں کے طفیل ایک مخصوص طریق پر دعاء کی تھی، صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سوتے اورفرماتے کہ حدیث میں قیلولہ کا ارشاد ہے، گویا دوپہر کے سونے میں بھی اتباعِ سنت کا ارادہ ہوتا، قرآن شریف پڑھتے ہوئے اتنا روتے کہ پڑوسیوں کو ترس آنے لگتا تھا، ایک مرتبہ ساری رات اس آیت کو پڑھتے اورروتے گزاردی ﴿بل الساعةُ موعدُهم الخ﴾ (القمر: ۴۶).

ابراہیم بن ادہمؒ رمضان المبارک میں نہ تو دن کو سوتے اور نہ رات کو، امام شافعیؒ رمضان المبارک کی دن اوررات کی نمازوں میں ساٹھ قرآن شریف ختم کرتے، اوران کے علاوہ سیکڑوں کے واقعات ہیں، جنھوں نے ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ والانْسَ إلاّ لِيَعْبُدُون ﴾ پر عمل کر کے بتلادیا کہ کرنے والے کے لیے کچھ مشکل نہیں یہ سلف کے واقعات ہیں، اب بھی

کرنے والے موجود ہیں، اس درجہ کے مجاہدے نہ سہی، مگر اپنے زمانے کے موافق اپنی طاقت وقدرت کے موافق نمونۂ اسلاف اب بھی موجود ہیں، اور نبی کریم ﷺ کی سچی اقتداء کرنے والے اس دورِ فساد میں بھی موجود ہیں، نہ راحت وآرام انہماکِ عبادت سے مانع ہوتا ہے، نہ دنیوی مشاغل سدِّ راہ ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو بند کر دوں گا، ورنہ تیرے سینے کو مشاغل سے بھر دوں گا، اور فقر زائل نہ ہوگا، روزمرّہ کے مشاہدات اس سچے ارشاد کے شاہدِ عدل ہیں۔ (فضائلِ اعمال: ۶۰۱، ۶۰۳)

محرومی کا مطلب

حضرت سعید بن المسیبؒ جو جلیل القدر تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص شبِ قدر میں عشاء کی جماعت میں حاضر ہو گیا، اس نے اس میں سے حصہ پالیا، مالكٌ أنّه بلَغَهُ أنَّ سَعِيْدَبنَ الْمُسَيِّبِ كان يقولُ: من شَهِد العشاءَ من ليلةِ القدر، فقد أخَذَ بحظِّه منها. (موطأإمام مالك/ ماجاء في ليله القدر: ۹۹ رقم: ۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف میں محروم ہونے والے سے مراد، وہ شخص ہے جو اس روز عشاء کی جماعت میں شامل نہ ہو۔

فائدہ: بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لینا بھی شب بیداری کے برابر ہے تو اس سے حرمان رفع ہو جائے گا، (محرومی نہ ہوگی)۔ (احکامِ اعتکاف/ مفتی زید صاحب: ۴۶)

شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کا آنا

عن أنسؓ قال: قال رسول اللّٰه ـصلّى اللّٰه عليه وسلّمَ ـ: إذا كان لَيلَةُ القدرِ، نَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلامُ فِي كُبْكُبَةٍ من الْملائِكةِ يُصَلُّونَ علٰى كلِّ عبدٍ قائمٍ أو قاعدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، فإذا كانَ يومُ عِيدِهِمْ، يَعنِي يومَ فِطْرِهِمْ بَاهىٰ بِهِمْ ملائكته فقالَ يَا مَلَائِكَتِيْ! ماَجَزاءُ أجيرٍ وفّٰى عملَه؟ قالوا: ربَّنا جزاؤه أن يُّوَفّٰى أجرَه قال: ملائكتي! عبيدي وإمائي قَضَوْا فريضتي عليهم، ثم خرجوا يَعُجُّوْنَ إلَيّ بالدُّعاء، وعزتي وجلالي وكَرَمي وعُلُوِيْ وارتفاع مكاني لأُجيْبنَّهم فيقول: ارجعوا فقد غَفرتُ لكم، وبَدَّلْتُ سياتكم حسناتٍ قال:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیلؑ ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور اس شخص کے لیے جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہا ہے اور عبادت میں مشغول ہے دعائے رحمت کرتے ہیں، اور جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ جل شانہ اپنے فرشتوں کے سامنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتے ہیں (اس لیے کہ انھوں نے آدمیوں پر طعن کیا تھا) اور ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں اس مزدور کا جو اپنی خدمت پوری پوری ادا کر دے کیا بدلہ ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی اجرت پوری دے دی جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ فرشتوں میرے غلاموں نے اور باندیوں نے میرے فریضہ کو پورا کر دیا، پھر دعاء کے ساتھ چلّاتے ہوئے (عیدگاہ) کی طرف

فيرجعون مغفوراً لهم (رواه البيهقيُّ في شعب الإيمان/ الصيام/في ليلة العيد ويومها ۳/۳۴۳ رقم: ۳۷۱۷ كذا في المشكاة: ۱۸۲)

نکلے ہیں، میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میری علوشان کی قسم، میری بلندئ مرتبے کی قسم، ان لوگوں کی دعاء ضرور قبول کروں گا، پھر ان لوگوں کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ تمہارے گناہ معاف کر دیے ہیں اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے، پس یہ لوگ عیدگاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔

فائدہ: حضرت جبرئیلؑ کا ملائکہ کے ساتھ آنا، خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح ہے، رسالے کی سب سے اخیر حدیث میں اس کا مفصل ذکر آ رہا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ تمام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ ہر ذاکر وشاکر کے گھر جائیں اور ان سے مصافحہ کریں، غالیۃ المواعظ میں حضرت اقدس شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غنیۃ سے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ فرشتے حضرت جبرئیلؑ کے کہنے سے متفرق ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا جنگل یا کشتی ایسی نہیں ہوتی، جس میں کوئی مؤمن ہو اور وہ فرشتے مصافحہ کرنے کے لیے وہاں نہ جاتے ہوں؛ لیکن اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں کتا یا سؤر ہو یا حرام کاری کی وجہ سے جنبی یا تصویر ہو۔

مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں، جن میں محض زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں، اللہ کی اتنی بڑی نعمت اور رحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں، تصویر لٹکانے والا ایک آدھ ہوتا ہے، مگر اس گھر میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محروم رکھتا ہے۔ (فضائلِ رمضان: ۲۰۳، ۲۰۴)

شبِ قدر کی تعیین اٹھائے جانے کا سبب

عن عبادةَ بن الصامتِؓ قال: خرج النَّبيُّ ﷺ لِيُخبِرنا بليلة القدر، فَتَلَاحى رجلان من المسلمين فقال: خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بليلة القدر، فتلاحى فلان وفلان فرُفِعَتْ وعسى أن يكون خيراً لكم، فالتَمِسُوها في التاسعة والسابعة والخامسة. (البخاري/فضل ليلة القدر/رفع معرفة ليلة القدر لتلاحي الناس ۱/۲۷۱ رقم: ۲۰۲۳ كذا في المشكوٰة: ۱۲۸)

حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس لیے باہر تشریف لائے؛ تاکہ ہمیں شبِ قدر کی اطلاع فرمادیں؛ مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لیے آیا تھا کہ تمہیں شبِ قدر کی خبر دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو؛ لہٰذا اب اس رات کو نویں، ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا آپس میں لڑنا جھگڑنا، خدا کو سخت ناپسند ہے اور اس کی وجہ سے خدا کی بہت سی نعمتوں اور رحمتوں سے محرومی ہوتی رہے گی؛ اس لیے اس سے ڈرنا چاہیے۔

پانچ چیزیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں

شبِ قدر کے بارے میں قطعی خبر اس لیے نہیں دی گئی کہ کوئی شخص اس رات پر ہی بھروسہ نہ کرلے اور ایسا نہ کہے کہ میں نے اس رات میں جو عمل کرلیا ہے، وہ ہزار مہینے سے بہتر ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے، مجھے درجہ عطا ہوا ہے، میں جنت میں جاؤں گا۔ ایسا خیال

اسے سست نہ بنادے،اوراللہ سے غافل نہ ہوجائے۔ایسا کرنے سے دنیاوی امیدیں اس پر غلبہ پالیں گی اور وہ اسے ہلاک کردیں گی،یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی عمر کے بارے میں بھی بے خبر رکھا ہے۔اگر ہر شخص کو اپنی عمر کا پتہ ہوجاتا تو وہ کہتا کہ ابھی تو مرنے میں بہت دن پڑے ہیں،اس وقت دنیاوی لطف اٹھالیں،موت کا وقت آئے گا تو توبہ کرلیں گے،خدا کی عبادت کرلیں گے اور نیکوکار بن جائیں گے۔

عمر سے اس لیے بے خبر رکھا گیا کہ آدمی ہر وقت ڈرتا رہے اور نیک کام کرے ہمیشہ توبہ کرے اور جو شخص ایسا کرے اسے دنیا کی لذّتیں حاصل ہوں گی اور آخرت میں خدا کے عذاب سے چھوٹ جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ”پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے“:(۱)لوگوں کی عبادت پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی ظاہر کرنے کو،(۲) گناہوں پر اپنا غضب اور غصہ ظاہر کرنے کو،(۳)وسطیٰ نماز کو دوسری نمازوں سے،(۴)اپنے دوستوں کو عام لوگوں کی نظروں سے،(۵)اور رمضان کے مہینے میں شبِ قدر کو۔(غنیۃ الطالبین،۳۸۰)۔

شبِ قدر کے مخفی رکھے جانے کی حکمتیں

علماء نے شبِ قدر کے مخفی رکھے جانے میں چند مصالح ارشاد فرمائیں ہیں:اول یہ ہے کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سی کوتاہ طبائع،ایسی ہوتیں کہ اور راتوں کا اہتمام بالکل ترک کردیتیں اور اس صورتِ موجودہ میں اس احتمال پر کہ آج ہی شاید شبِ قدر ہو،متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق طلب والوں کو نصیب ہوجاتی ہے۔دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کیے بغیر ان سے رہا ہی نہیں جاتا،تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے اس رات میں معصیت میں جرأت کی جاتی تو سخت اندیشہ تھا،نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے کہ ایک صحابی سورہے تھے،آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو جگادو؛تاکہ وضو کرلیں،حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جگا تو دیا؛مگر حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ تو خیر کی طرف بہت تیزی سے چلنے والے ہیں؛آپ ﷺ نے خود کیوں نہ جگادیا؟

حضور ﷺ نے فرمایا:”مبادا انکار کربیٹھتا اور میرے کہنے پر انکار کفر ہوجاتا،تیرے کہنے سے انکار پر کفر نہیں ہوگا“۔تو اسی طرح حق سبحانہ وتقدس کی رحمت نے گوارہ نہ فرمایا کہ اس عظمت والی رات کے معلوم ہونے کے بعد کوئی گناہ پر جرأت کرے۔

منجملہ ان وجوہات کے ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی وغیرہ کی وجہ سے پھر کسی رات کا بھی جاگنا نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی ایک دو رات تو کم از کم ہر شخص کو میسّر آجاتی ہے۔

(ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ) جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں،ان سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملے گا،ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہوسکتے ہیں،ایسے ہی امور کی وجہ سے عادۃُ اللہ یہ جاری ہے کہ اس نوع کی اہم چیزوں کو مخفی فرمادیتے ہیں؛چنانچہ اسمِ اعظم کو پوشیدہ فرمادیا،اسی طرح جمعہ کے دن ایک وقت خاص مقبولیت دعاء ہے،اس کو بھی مخفی فرمایا ہے۔ایسے ہی اور بہت سی چیزیں اس میں شامل ہیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضان المبارک میں تعیینِ شبِ قدر بھلادی گئی ہو،اور اس کے بعد دیگر مصالحِ مذکورہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تعیین ہٹادی ہو۔(فضائلِ رمضان:۲۰۸)۔

علامہ زمخشریؒ نے کہا:”شاید شبِ قدر کی پوشیدگی میں یہ حکمت اور مصلحت ہے کہ اس کو تلاش کرنے والا،سال کی اکثر راتوں میں اس کو طلب کرے؛تاکہ اس کو پالینے سے اس کی عبادت کا اجروثواب بہت زیادہ ہوجائے۔

دوسرے یہ کہ لوگ اس کے معلوم ومتعیّن ہونے کی صورت میں،صرف اسی رات میں عبادت کرکے بہت بڑا افضل وثواب حاصل کرلیا کرتے اور اس پر بھروسہ کرکے دوسری راتوں کی عبادت میں کوتاہی کیا کرتے؛اس لیے بھی اس کو پوشیدہ کردیا گیا۔(عمدۃ القاری:۱۱/۲۶۳)۔

لیلۃُ القدر کی تعیین

کلام مجید میں اللہ ربُّ العزت نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ﴾ یعنی ماہِ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا﴿إِنَّا

أُنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ بیشک ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں اتارا ہے اوران دونوں آیتوں میں نزولِ دفعی، یعنی پورا قرآن ایک ساتھ نازل ہونا مراد ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان ہی میں ہے؛ کیونکہ اگر لیلۃ القدر رمضان کے علاوہ دوسرے مہینے میں ہو تو قرآن پاک کی آیتوں میں تعارض لازم آئے گا کہ ایک آیت سے تو رمضان میں اور دوسری آیت سے غیر رمضان میں ثابت ہو، جو کہ محال ہے۔

اور حدیثوں سے بھی شبِ قدر کا اخیر عشرے میں ہونا معلوم ہوتا ہے، پس جب شبِ قدر میں قرآن نازل ہوا تو آخری عشرے میں اس کا نازل ہونا ثابت ہوگیا اور رمضان کی فضیلت کے ساتھ عشرۂ اخیرہ کی فضیلت بھی اسی آیت سے ثابت ہوگئی اور فضیلت بھی بہت بڑی کہ اس میں قرآن نازل ہوا ہے؛ کیونکہ قرآن مجید ایک عظیم الشان کتاب ہے؛ اس لیے جس زمانے میں وہ نازل ہوگی، وہ زمانہ بھی ضرور مبارک اور مشرف ہوگا اور اس فضیلت کی قدر کوئی عاشقوں کے دل سے پوچھے کہ جس زمانے میں ان کو محبوب کے خط کی زیارت ہوتی ہے، وہ زمانہ ان کے نزدیک کس قدر معزز ومشرف ہوتا ہے، قرآن شریف بھی کلام خداوندی ہے اور خدا تعالیٰ محبوبِ حقیقی ہے، پس وہ زمانہ کہ جس میں محبوبِ حقیقی کا کلام نازل ہو؛ کیوں مبارک ومشرف نہ ہوگا۔

لیلۃ القدر کو رمضان کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو؛ اس لیے جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ شبِ قدر، رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۴۶)

شبِ قدر کا طاق راتوں میں ہونا اور طاق راتوں سے مراد

عن عائشةؓ قالت: قال رسول اللهﷺ: تَحَرَّوْا ليلةَ القدر في الوتر من العشْر الأواخِرِ من رمضانَ. (البخاري/ فضل ليلة القدر/تحرِّي ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر: ۱/۲۷۰ رقم:۲۰۱۷)

حضرت عائشہؓ نبی اکرمﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک اخیر عشرہ، اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے، عام ہے کہ مہینہ ۲۹/کا ہو یا ۳۰/کا۔ اس حساب سے حدیثِ بالا کے مطابق شبِ قدر کی تلاش ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں کرنا چاہیے، اگر مہینہ انتیس کا ہو، تب بھی اخیر عشرہ یہی کہلاتا ہے؛ مگر ابن حزمؒ کی رائے ہے کہ عشرہ کے معنی دس کے ہیں؛ لہٰذا اگر تیس کا چاند رمضان المبارک کا ہو، تب تو یہ ہے؛ لیکن اگر انتیس کا چاند ہو تو اس صورت میں اخیر عشرہ بیسویں شب سے شروع ہوتا ہے، اور اس صورت میں طاق راتیں یہ ہوں گی: ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸۔

لیکن نبی کریمﷺ لیلۃ القدر ہی کی تلاش میں رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور وہ بالاتفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا ہے؛ اس لیے بھی جمہور کا قول اکیسویں رات سے طاق راتوں میں قوی احتمال ہے زیادہ راجح ہے؛ اگرچہ احتمال اور راتوں میں بھی ہے اور جب دونوں قولوں پر تلاش ممکن ہے کہ بیسویں شب سے لے کر عید کی رات تک، ہر رات میں جاگتا رہے، اور شبِ قدر کی فکر میں لگا رہے۔ ۱۰، ۱۱، راتیں کوئی ایسی اہم یا مشکل چیز نہیں، جن کو جاگ کر گذار دینا، اس شخص کے لیے کچھ مشکل ہو، جو ثواب کی امید رکھتا ہو۔

آنحضرتﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب رمضان کا اخیر عشرہ ہوتا تو کمر باندھ لیتے، یعنی عبادت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے، اور شب بیداری کرتے، اور گھر والوں یعنی ازواجِ مطہرات کو اور صاحبزادیوں کو جگاتے (البخاری/فضل ليلة القدر/العمل في العشر الأواخر من رمضان: ۱/۲۷۱ رقم/۲۰۲۴ ومسلم: الاعتكاف/الاجتهاد في العشر الأواخر من رمضان ۱/۳۷۲ رقم: ۷/۱۱۷۴)۔ (فضائلِ اعمال:۲۰۰)

اور احکامِ اعتکاف میں ہے: ”حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہے ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹، اور بعض حدیثوں میں مطلق عشرۂ اخیرہ بھی آیا ہے، دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہے اور یا اکثر تو شبِ قدر طاق راتوں میں ہوتی ہے؛ لیکن کبھی کبھی جفت راتوں (مثلاً ۲۲-۲۴) میں بھی ہو جاتی ہے، نیز بعض لوگوں کو جفت راتوں میں شبِ قدر ہونا، مکشوف بھی ہوا ہے (کشف سے معلوم ہوا ہے) تو قوی اور تندرست لوگوں کو یہ مناسب ہے کہ وہ آخری عشرہ کی رات میں اور راتوں سے زیادہ عبادت کریں، اور کمزوروں کے

لیے یہ مناسب ہے کہ وہ کم از کم طاق راتوں میں ضرور جاگ لیں۔(احکامِ اعتکاف رمفتی زید صاحب:۴۸)۔

نوٹ: بیسواں روزہ گذر کر جو رات آئے گی، وہ اکیسویں شب ہے،شریعت میں تاریخ رات سے شروع ہوتی ہے اور رات پہلے ہوتی ہے، دن بعد میں ہوتا ہے؛اس لیے اکیسویں تاریخ سے پہلے جو رات آئے گی، وہ اکیسویں شب ہوگی،اسی طرح اور راتیں ہیں، یہ پانچ راتیں ہیں جن میں شبِ قدر کا احتمال ہے، یعنی اکیسویں شب،تیئسویں شب، پچیسویں شب، ستائیسویں شب،انتیسویں شب۔(احکامِ اعتکاف رمفتی زید صاحب:۵۰)

حق تعالیٰ کی عنایت اور عجیب حکمت

شریعت نے ہماری راحت کی کس قدر رعایت کی ہے کہ لیالیٰ قدر (شبِ قدر کے مواقع) پے درپے (مسلسل اور لگاتار) نہیں ہیں؛ بلکہ طاق راتیں ہیں ،یعنی ۲۱،۲۳،۲۵، ۲۷،۲۹ویں راتیں، بیچ میں ایک ایک رات کا فصل رکھا ہے؛ تاکہ ایک رات زیادہ جاگ کر بیچ کی رات میں سولو۔

سبحان اللہ اس میں عجیب حکمت ہے کہ شبِ قدر کی تاریخ متعین نہیں کی ؛ کیوں کہ مقصود تو پانچ راتوں میں جگانا ہے، پھر سبحان اللہ اس میں یہ کیسا اعتدال کہ متواتر پانچ راتوں میں نہیں جگایا ،ایک رات جگایا اور ایک رات سلایا اور پھر اس سونے میں بھی ثواب جاگنے ہی کا دیا اور یہ بات میں اپنی طرف سے گھڑ کر نہیں کہتا، حدیث سے ثابت ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ”اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں گھوڑا پالے تو اس کی لید، اس کا پیشاب سب وزن ہوکر اس کو نیکیاں ملیں گی“ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ میزان میں لید رکھ دی جائے گی، تو جب اس کے گھوڑے کی لید اور پیشاب میں بھی ثواب ہے، کیونکہ وہ گھوڑا ثواب کا ذریعہ تھا، حالانکہ اس کے ارادے سے ہوا۔

تو یہاں یہ سونا بھی جب جاگنے کا ذریعہ ہے اور وہ ذریعہ ہے عبادت کا تو اسی عبادت کے ارادے سے اس میں کیوں ثواب نہ ملے گا۔(احکامِ اعتکاف رمفتی زید صاحب:۵۰)

شبِ قدر کے بارے میں علماء کے اقوال

شبِ قدر کی تعیین میں روایات مختلف ہیں؛اسی وجہ سے علماء کے درمیان میں اس کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے ؛ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ پچاس کے قریب علماء کے اقوال ہیں۔روایات کے بکثرت اختلاف کی وجہ محققین کے نزدیک یہ ہے کہ یہ رات کسی تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں ؛ بلکہ مختلف سالوں میں مختلف راتوں میں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے روایات مختلف ہیں کہ ہر سال نبی کریم ﷺ نے اس سال کے متعلق مختلف راتوں میں تلاش کا حکم فرمایا اور بعض سالوں میں متعین طور سے بھی ارشاد فرمایا؛ چنانچہ ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں ایک مرتبہ شبِ قدر کا ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کون سی تاریخ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ۲۲ر ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج ہی کی رات میں تلاش کرو، حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ شبِ قدر نبی علیہ السلام کے زمانے کے ساتھ خاص رہتی ہے یا بعد میں بھی ہوتی ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت تک رہے گی۔میں نے عرض کیا کہ رمضان کے کس حصے میں ہوتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ عشرۂ اوّل اور عشرۂ اخیرہ میں تلاش کرو ، پھر حضور ﷺ اور باتوں میں مشغول ہو گئے۔میں نے موقع پا کر عرض کیا۔اجی یہ تو بتلا ہی دیجئے کہ عشرہ کے کون سے حصّہ میں ہوتی ہے۔حضور ﷺ اتنے ناراض ہوئے کہ نہ اس سے قبل مجھ پر اتنے خفا ہوئے تھے، نہ بعد میں اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ شانہ کا یہ مقصود ہوتا تو بتلا نہ دیتے، آخر کی سات رات میں تلاش کرو، بس اس کے بعد اور کچھ نہ پوچھو۔ایک صحابیؓ کو حضور ﷺ نے ۲۳رویں شب متعیّن طور پر ارشاد فرمائی۔ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ میں سو رہا تھا، مجھے خواب میں کسی نے کہا کہ اُٹھ آج شبِ قدر ہے، میں جلدی سے اُٹھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں گیا تو آپ ﷺ کی نماز کی نیت بندھ رہی تھی اور یہ رات ۲۳رویں شب تھی۔بعض روایات میں متعیّن طور سے ۲۴رویں شب کا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ: جو شخص تمام سال رات کو جاگے وہ شبِ قدر کو پا سکتا ہے، (شبِ قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے) کسی نے ابن کعبؓ

سے اس کو نقل کیا تو وہ فرمانے لگے کہ: ابنِ مسعودؓ کی غرض یہ ہے کہ لوگ ایک رات پر قناعت کر کے نہ بیٹھ جائیں، پھر قسم کھا کر یہ بتلایا کہ وہ ۲۷/رمضان کو ہوتی ہے۔اور اسی طرح سے بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ کی رائے ہے کہ وہ ۲۷/ویں شب میں ہوتی ہے، ابی بن کعبؓ کی تحقیق یہی ہے؛ ورنہ ابنِ مسعودؓ کی تحقیق وہی ہے کہ جو شخص تمام سال جاگے، وہ اس کو معلوم کر سکتا ہے، اور دُرِّ منثور کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے یہی نقل کرتے ہیں، ائمہ میں سے بھی امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ تمام سال میں دائر رہتی ہے، صاحبین کا قول یہ ہے کہ تمام رمضان کی کسی ایک رات میں ہے، جو متعین ہے مگر معلوم نہیں، شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ ۲۱/ویں شب میں ہونا اقرب ہے، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول یہ ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے، کسی سال کسی رات میں اور کسی سال کسی دوسری رات میں، جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ستائیسویں رات میں زیادہ امید ہے۔(فضائلِ اعمال:۶۰۹)(۱)

حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں شبِ قدر کے سلسلے میں ۴۵/اقوال نقل فرمائے ہیں، جن کو علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ''الإنصاف في حکم الاعتکاف'' میں نقل فرمایا ہے، فائدے کی غرض سے اسے نقل کیا جاتا ہے:

قال الحافظؒ في ''الفتح'': وقد اختلف العلماءُ في ليلة القدر اختلافاً كثيراً، قال ابن العربيؒ: الصحيح أنها لا تُعْلَمُ ، و أنكر هذا النووي ،وقال: قد تَظَافَرَتِ الأحاديثُ بإمكان العلم بها ، و أخبر به جماعة من الصالحينؒ ، فلا معنىٰ لإنكار ذلك، و بالجملة يحصُل لنا من مذاهبم في ذلك أكثر من أربعين قولاً، كما وقع لنا نظير ذلك في ساعة الجمعة ، و قد اشتركا في إخفاء كلٍّ منهما يقع الجِدُّفي طلبها.

القول الأول: إنها رُفِعَتْ أصلاً و رأساً، حكاه المتولي في التنمية عن الروافض والفَاكهانيُ في ''شرح العمدة'' عن الحنفية ، و كأنه خطأ منه، والذي حكاه السروجيُ أنه قولُ الشيعة.

الثانی: إنها خاصةٌ بِسنَةٍ واحدة وقعت في زمنِ رسول الله ﷺ، حكاه الفاكهاني أيضاً.

الثالث: إنها خاصة بهذه الأمة ، و لم يكن في من قبلَهم ، جزم به ابنُ حبيب وغيرهؒ من المالكية، ونقله عن الجمهورؒ صاحب ''العمدة''من الشافعية ورجحه.

الرابع: إنها ممكنةٌ في جميع السَنَةِ، و هو قول مشهور عن الحنفية، حكاه قاضي خانؒ و أبو بكر الرازيؒ منهم.

الخامس: إنها مختصة برَمَضَانَ ممكنةٌ في جميع لياليه، وهو قول ابن عمرؓ و مرويٌّ عن أبي حنيفةؒ، وقال به ابن المنذر المحامليؒ و بعض الشافعيةؒ، ورجحه السبكيؒ وحكا ه ابن الحاجبؒ.

السادس: إنها ليلة معينةٌ مُبْهَمَةٌ، قاله النسفيُّ في منظو مته.

السابع: إنها أول ليلةٍ من رمضان، حكي عن ابن أبي رِزِين العقيلى الصحابىؓ، و روى ابن أبي عاصم عن أنسؓ.

الثامن: إنها ليلة النصف من رمضان، حكاه شيخُنا ابن المُلَقّنؒ فيشرح العمدة.

التاسع:إنها ليلة النصف من شعبان حكاه القرطبي في المفهم وكذا نقله السروجي عن صاحب الطراز، ثم رأيت في شرح السروجي عن ''المحيط'' : إنها في النصف الأخير.

العاشر: إنها ليلة سبعَ عشرةَ من رمضان ، روى ابن أبي شيبةؒ و الطبرانيؒمن حديث زيد ابن أرقمؓ، و أخرجه أبو داؤدعن ابن مسعودؓ أيضاً.

الحادي عشر: إنها مُبْهَمةٌ في العشرِالوَسَطِ، حكاه النوويؒ، عزاه الطبرانيؒ إلى عثمان ابن أبي العاصؒ و الحسن البصريؒ ، و قال به بعض الشافعيةؒ.

الثاني عشر : إنها ليلة ثمان عشرة ، قرأتُه بخط القطب الحلبيفي شرحه، ورواه ابن الجوزيؒ في ''مشكله''.

الثالث عشر: إنها ليلة تسعَ عشرة ، رواه عبد الرزاقؒ عن علي -رضي الله عنه- و عزاه الطبريؒ إلى زيد بن ثابتؓ. و وصله الطحاويؒ عن ابن مسعودؓ.

الرابع عشر: إنها أول ليلة من العشر الأخير، و إليه مال الشافعيؒ، وجزم به جماعة من أصحابهؒ، ولكن قال السهيليّ: إنه ليس مجزوماً به عند هم .

الخامس عشر: مثل الذي قبله؛ إلا أنها كان الشهر تاماً، فهي ليلة العشرين ،و إن كان ناقصاً ، فهي ليلة إحدى و عشرين ، و هكذا في جميع العشر، وهو قول ابن حزمؒ ،و دليله مارواه أحمدؒ و الطحاويؒ من حديث عبد الله بن أنيسؓ.

السادس عشر: إنها ليلة اثنين و عشرين ، و دليله ما أخرجه أحمدؒ من حديث عبد الله ابن أنيسؓ مرفوعاً و روى ابن أبي شيبة عن معاويةؓ، و رواه إسحاقؒ في مسنده من طريق أبى حازم و عبد الرزاقؒ عن معمر ، و من طريق يونس بن سيف أيضاً.

الثامن عشر: إنها ليلة أربع و عشرين ، كما تقدم من حديث ابن عباسؓ، و روى الطيالسيؒ من حديث أبي نضرة، و رُوِيَ ذلك عن ابن مسعودؓ، و الشعبي و الحسن و قتادةؒ، و حجتهم حديث واصلةؓ، و ما رواه أحمدؒ من طريق ابن لهيعة.

التاسع عشر: إنها ليلة خمس وعشرين، حكاه ابن العربيؒ في العارضة، و عزاه ابن العربيؒ في "المشكل" إلى أبي بكرة.

القول الموفي للعشرين: إنها ليلة ست وعشرين، و هو لم أر صريحاً سوى ما قاله العياضؒ.

الحادي والعشرون: إنها ليلة سبع وعشرين، و هو الجادة من مذهب أحمدؒ، ورواية عن أبي حنيفةؒ، و به جزم ابن كعب، و حكاه صاحب "الحلية" من الشافعية عن أكثر العلماءؒ.

الثاني و العشرون: إنها ليلة ثمان وعشرين، و قد تقدم توجيحه قبل.

القول الثالث و العشرون: إنها ليله تسع وعشرين، حكاه ابن العربيؒ.

الرابع والعشرون: إنها ليلة الثلاثين ،حكاه عياضؒ و السّروجيؒ في شرح "الهداية" و رواه محمد بن نصر و الطبريؒ عن معاويةؓ و أحمدؒ من طريق أبي سلمة عن أبي هريرةؓ.

الخامس و العشرون: إنها في أوتار العشر الأخير، و عليه يدل حديث عائشةؓ و غيرها، و هو أرجح ا لأقوال، و صار إليه أبو ثور المزنيؒ و ابن خزيمةؒ، و جماعة من علماء المذهب.

السادس و العشرون: مِثله،بزيادة الليلة الأخيرة،ورواه الترمذيؒ من حديث أبي بكرةؓ، وأحمدؒ من حديث عبادة بن الصامتؓ.

السابع و العشرون : ينتقل في العشرِ الأخير، قاله أبو قلابة، و نصَّ عليه مالك والثوري وأحمد وإسحاقؒ، و زعم الماورديؒ أنه متفق عليه، ثم اختلفوا في تعيينها على ما تقدم، فمنهم من قال:هي محتملة، نقله الرافعي عن مالكؒ، و ضعّفه ابن الحاجبؒ، و منهم من قال: بعض لياليه أرجى من بعض، فقال الشافعيؒ: أرجاهاليلة إحدى و عشرين، و هو القول الثامن و العشرون، وقيل:أرجاها الثالث العشرون، و هو القول التاسع و العشرون، و قيل:أرجاها ليلة سبع و عشرين، و هو القول الثلاثون.

الحادي و الثلاثون: تنتقل في جميع السبع الأواخر، و قد تقدم المراد منه في حديث ابن عمرؓ، و يخرج من ذلك القول الثاني و الثلاثون.

الثالث و الثلاثون: إنها تنتقل في النصف الأخير، ذكره صاحب "المحيط" عن أبي يوسف و محمدؒ، و حكاه إمام الحرمين عن صاحب"التقريب".

الرابع و الثلاثون: إنها ليلةُ ستَ عشر ةَ أو سبعَ عشرةَ، رواه الحارث بن أبي أسامةمن حديث عبد الله بن الزبيرؓ.

الخامس و الثلاثون : إنها ليلة سبعَ عشرةَ، أوتسعَ عشرةَ،أوإحدى و عشرين، رواه سويدبن منصورؒ من حديث أنسؓ بإسناد ضعيف.

السادس و الثلاثون: أول ليلة من رمضان آخر ليلة منه، رواه ابن أبي عاصمؒ من حديث أنسؓ بإسناد ضعيف.

السابع و الثلاثون: إنها أول ليلة أو تاسعُ ليلة ، أو سابع عشرة، أو إحدى و عشرين ، أو آخر ليلة، رواه ابن مردويه في تفسيره عن أنسؓ بإسناد ضعيف.

الثامن و الثلاثون: إنها ليلةتسعَ عشرةَ أوإحدى عشرة أو ثلاثٍ و عشرين، رواه أبو داؤدؒ من حديث ابن مسعودؓ بإسناد فيه مقال، و عبد الرزاقؒ من حديث عليؓ بسند منقطع أيضاً.

التاسع و الثلاثون: ليلة ثلاث و عشرين، وهو مأخوذ من حديث ابن عباسؓ، و لأحمدؒ من حديث نعمان بن بشير.

القول المُوفِي للأربعين: ليلة إحدى و عشرين،أوثلاثٍ وعشرين أوخمس وعشرين، كما سيأتي من حديث عبادة بن الصا متؓ.

الحادي و الأربعون: إنها منحصرة في السبع الأواخر من رمضان ؛لحديث ابن عمرؓ في الباب الذي قبله.

الثاني و الأربعون: إنها ليلة اثنين و عشرين أو ثلاث و عشرين ؛لحديث عبد الله بن أنيس عن أحمدؒ.

الثالث و الأربعون: إنها في أشفاعِ العشرِ الوسطِ أوالعشرِ الأخير، قرأتُهُ بخطِّ مُغلطاي.

الرابع والأربعون: إنهاليلةُ الثالثةِ من العشرِ الأواخرِ أوالخامسةِ منه ، رواه أحمدؒ من حديث معاذ بن جبلؓ، الفرق بينه و بين ما تقدَّم أن الثلثةَ يحتمل ثلاث و عشرين و ليلةسبع وعشرين .

الخامس و الأربعون: إنها في سبعٍ أوثمانٍ من أول النِّصفِ الثاني، رواه الطَّحاويُّ من طريق عطية بن عبدالله بن أنيس، هذا جملة ما ذكره الحافظؒ في"الفتح" ، أوردناه مختصراً.(الإنصاف في حكم الاعتكاف: ۲/ ۲۰،۲۲)

شبِ قدر کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا اختلاف

شبِ قدر کے بارے میں امام صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ رمضان میں اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے؛ بلکہ اس میں تقدیم وتاخیر ممکن ہے، اور حضراتِ صاحبین رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ رمضان میں اس کا وقت متعین ہے اور وہ رمضان شریف کا نصفِ اخیر ہے، امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ اگر کوئی شخص رمضان کے نصفِ اخیر میں اپنی بیوی سے یہ کہے کہ ''تجھے شبِ قدر میں طلاق ہے'' تو صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک اس وقت تک طلاق واقع نہ ہوگی، جب تک کہ رمضان کے نصفِ اخیر میں اس کے قسم کھانے کا وقت نہ آجائے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس وقت تک طلاق واقع نہ ہوگی، جب تک کہ آئندہ مکمل رمضان نہ گذر جائے، واضح رہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے، جبکہ قائل فقیہ ہو، اختلاف سے واقف ہو، اگر کہنے والا عامی شخص ہے تو اسی رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو طلاق واقع ہوجائے گی؛ کیونکہ عوام میں مشہور ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں رمضان کو ہے۔وفي المحيطِ: قال أبو حنيفةؒ: ليلةُ القدرِ في رمضانَ يَتَقَدَّمُ ويَتَأَخَّرُ، وقال أبو يوسفَ ومحمَّدٌ هي ليلةٌ متعينةٌ في النِّصفِ الأخيرِ من رمضانَ، فلو قال لامرأتِه: أنتِ طالقٌ ليلةَ القدرِ، فإن كان عاميًّا تُطلَّقُ السابع والعشرين من رمضانَ من تلك السَّنَةِ؛ لأنَّ العوام يعرفونها ليلةَ القدرِ، و إن كان فقِيْهاً يَعرِفُ الخلافَ فإن حَلَفَ قبلَ رمضان تُطَلَّقُ بمُضِيِّه، أي عندهم جميعاً، و إن حَلَفَ في النِّصفِ الأخيرِ، لا تُطَلَّقُ عندهما حتىّٰ يَجِيءَ وقتُ حلفِه من النِّصف الأخيرِ من رمضان القابِلِ ولا تُطَلَّقُ عند أبي حنيفةَ حتىّٰ يَمْضِيَ رمضانُ القابِلُ وعليه الفتوىٰ. (شرح نقايه: ١٨٠)

شبِ قدر کے بارے میں ان لوگوں کے اقوال جو یہ کہتے ہیں کہ شبِ قدر پورے سال میں دائر رہتی ہے

امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ شبِ قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے، یہی رائے شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ کی ہے، صحابہ میں سے حضرت عبد اللہ ابنِ مسعودؓ، حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت عکرمہؓ سے یہی منقول ہے، شیخ العارفین محی الدین ابنِ عربیؒ کہتے ہیں: ''میرے نزدیک ان لوگوں کا قول زیادہ صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ تمام سال میں دائر رہتی ہے؛ اس لیے کہ میں نے دو مرتبہ اس کو شعبان میں دیکھا ہے''۔قال في الشامي: وذكره في البحرِ عن الخانيةِ أنَّ المشهورَ عن الإمامِ أنَّها تَدُوْرُ أي في السَّنَةِ كلِّها، قلتُ: ويُؤيِّدُه ما ذكره سلطانُ العارفين سيِّدي محي الدِّين ابنُ عربيؒ في فُتُوحاته المكِّيَّةِ بقولِه: واخْتَلَفَ النَّاسُ في ليلةِ القدْرِ أعني في زمانِها، فمنْهُم من قال: هي في السَّنَةِ كلِّها تَدُوْرُ أقول: فإنِّي رأيتُها في شعبانَ، وفي شهرِ ربيعٍ وفي شهر رمضانَ وأكثرُ ما رأيتُها في شهر رمضانَ وفي العشرِ الآخرِ منهُ. (شامي: ٣/٤٤٦) وفي شرح الزُّرقاني للمُوطّأ: فقال ابنُ مسعودٍ وابنُ عبّاسٍ وعكرمةُ وغيرُهم -رضي اللّٰه تعالىٰ عنهُم-: في جميعِ السَّنَةِ وهو قولٌ مشهورٌ للمالكيَّةِ والحنفيةِ. (شرح الزُّرقاني على الموطّأ: ٢/٢٩٤)

ليلة القدر کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کی رائے

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ شبِ قدر سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے، ایک وہ رات ہے جس میں احکامِ خداوندی نازل ہوتے ہیں، اور اسی رات میں قرآن مجید لوحِ محفوظ سے اترا ہے، یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے تمام سال میں دائر رہتی ہے؛ لیکن جس سال قرآنِ پاک نازل ہوا، اس سال رمضان المبارک میں تھی اور اکثر رمضان

المبارک ہی میں ہوتی ہے،اور دوسری شبِ قدر وہ ہے، جس میں روحانیت کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے اور ملائکہ بکثرت زمین پر اترتے ہیں ،اور شیاطین دور رہتے ہیں، دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں، یہ رمضان میں ہوتی ہے،اور اخیر عشرہ کی وتر راتوں میں ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے،میرے والد صاحب نوّ راللہ مرقدہ وبرّ دمضجعہ اسی قول کو راجح فرماتے تھے، جو حضرات کہتے ہیں کہ شبِ قدر سال بھر میں دائر ہے ان کی مراد پہلی شبِ قدر ہے،اور جو کہتے ہیں کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں ہوتی ہے،ان کی مراد دوسری شبِ قدر ہے۔(فضائل اعمال:۶۰۹ ،رحمۃ اللہ الواسعہ :۱۶۵/۴)

فائدہ:شبِ قدر دو ہیں، یہ بات امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ سے مروی ہے۔اور اسی کو شاہ صاحب قدس سرہ نے اختیار کیا ہے۔اور یہ بات حضرت ابن مسعودؓ کے ایک قول کی بناء پر اختیار کی گئی ہے۔مسلم شریف میں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول مروی ہے کہ: مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ،يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدرِ.(المسلم/الصيام/فضل ليلة القدر.. ۱/ ۳۷۰ رقم: ۷۶۲/ ۲۲۰) یعنی جو سال بھر نوافل پڑھے گا، وہ شبِ قدر کو پالے گا۔اس ارشاد سے یہ بات سمجھی گئی ہے کہ شبِ قدر رمضان کے ساتھ خاص نہیں ؛مگر اُبی بن کعبؓ نے اس قول کی تاویل کی ہے،ابن مسعودؓ نے یہ بات اس لیے فرمائی ہے کہ لوگ رمضان کے علاوہ راتوں کو ضائع نہ کریں ،نیز رسول ﷺ سے بھی پورے سال شبِ قدر تلاش کرنا مروی نہیں۔ آپ ﷺ رمضان ہی میں شبِ قدر کو تلاش کیا کرتے تھے اور امت میں بھی اس کا تعامل نہیں؛ حالانکہ یہ ایسی عظمت و برکت والی رات ہے کہ خواص اس کو رمضان کی شبِ قدر کی طرح ضرور سال بھر تلاش کرتے ہیں ؛اس لیے جمہور کی رائے ہی قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔واللہ اعلم۔(رحمۃ اللہ الواسعہ ،۱۵۶۔۱۶۶)

شبِ قدر کی چند علامتیں

عن عبادةؓ بنِ الصَّامِتِ أنَّه سَألَ رسولَ اللّٰهِ ﷺ عن ليلةِ القدرِ فقال في رمضانَ في العشرِ الأواخِرِ فإنَّها في ليلةِ وتر في إحدىٰ وعشرين أوثَلٰثٍ وعشرينَ أوخَمْسٍ وعشرينَ أوسبعٍ وعشرين أوتسعٍ وعشرينَ أوآخِرِ ليلةٍ نْ رمضانَ، من قامَها إيماناًواحتساباً غُفِرَله ماتَقَدَّمَ من ذنبه،ومن أماراتِها: ليلةٌ بَلْجَةٌ صافِيةٌ ساكنِةٌ ساجيةٌ لاحارَّةٌ ولابارِدَةٌ كان فيها قمراً ساطعاً ولا يحِل لنجمٍ أن يُرْمىٰ به تلك اللَّيلَةَ حتَّى الصَّباحِ ،من أماراتِهاأنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ صبيْحَتَها لاشُعَاعَ لها مُسْتَوِيةً كأَنَّها القَمَرُلَيْلَةَالبدر وحرَّم اللّٰه الشَّياطِينِ أن يَخْرُجَ معَها يومَئِذٍ (أحمد ٥/ ٣٢٤رقم: ٢٢٧٦٥ والبيهقي: ٤/ ٣١١رقم: ٨٥٥٠ ومحمدبن نصر وغيرهم كما في الدِّرِّ المنثور: ٦/ ٦٣١

حضرت عبادہؓ نے نبیٔ کریم ﷺ سے شبِ قدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہے/۲۱،۲۳، ۲۵، ۲۷،۲۹ یا رمضان کی اخیر رات میں، جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے اس رات میں عبادت کرے اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں،اس رات کی منجملہ اور علامتوں کے یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے،صاف و شفاف نہ زیادہ گرم،نہ زیادہ ٹھنڈی ؛ بلکہ معتدل گویا کہ اس میں (انوار کی کثرت کی وجہ سے)چاند کھلا ہوا ہے،اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے ،اور اس کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے بعد کی صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے،ایسا بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے،جیسا کہ چودھویں رات کا چاند، اللہ جل شانہ نے اس دن کے آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا ۔

(برخلاف اور دنوں کے کہ طلوع آفتاب کے وقت شیطان کا اس جگہ ظہور ہوتا ہے)

فائدہ: اس حدیث کا اول مضمون تو سابقہ روایت میں ذکر ہو چکا ہے، آخر میں شبِ قدر کی چند علامات ذکر کی ہیں، جن کا مطلب صاف ہے کسی کی توضیح کا محتاج نہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض علامات روایات میں، اور ان لوگوں کے کلام میں ذکر کی گئی ہیں، جن کو اس رات کی دولت نصیب ہوئی بالخصوص اس رات کے بعد جب صبح کو آفتاب نکلتا ہے تو بغیر شعاع کے نکلتا ہے۔ یہ علامت بہت سی روایاتِ حدیث میں وارد ہوئی ہے، اور ہمیشہ پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ اور علامتیں لازمی اور لابدی نہیں ہیں۔ عبدۃ بن ابی لبابہؒ کہتے ہیں کہ میں نے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو سمندر کا پانی چکھا تو بالکل میٹھا تھا۔ ایوب بن خالدؒ کہتے ہیں کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہوگئی، میں نے سمندر کے پانی سے غسل کیا تو بالکل میٹھا تھا اور یہ تیئسویں شب کا قصہ ہے۔ (فضائلِ رمضان:۶۱۱)

اور ''مسائلِ شبِ برات وشبِ قدر'' میں ہے: حدیثوں میں شبِ قدر کی کچھ نشانیاں بتائی گئی ہیں، جس رات میں وہ نشانیاں پائی جائیں، سمجھ لو کہ یہ شبِ قدر ہے:

(۱) سب سے صحیح پہچان شبِ قدر کی یہ ہے کہ اس رات کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو چودھویں رات کے چاند کی طرح بغیر کرنوں کے عام دنوں سے کسی قدر کم روشن ہوتا ہے۔ (عینی شرح بخاری: ۳۶۵/۵)۔ یہ پہچان بہت سے لوگوں نے آزمائی ہے اور ہمیشہ پائی جاتی ہے۔

(۲) وہ رات کھلی ہوئی روشن ہوتی ہے۔ (مسند احمد رواہ العینی، صفحہ ۳۶۵)۔

(۳) اس رات میں نہ زیادہ ٹھنڈی ہوتی ہے، نہ زیادہ گرمی۔ (ابن کثیر: ۴۳۱/۴)۔

(۴) اس رات میں آسمان سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر اِدھر سے اُدھر نہیں جاتے۔ (ابن کثیر: ۴۳۱/۴)۔

(۵) امام ابنِ جریر طبریؒ نے بعض بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اس رات میں ہر چیز زمین پر جھک کر سجدہ کرتی ہے اور پھر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ (عینی: ۳۶۵/۵)

لیکن یاد رہے کہ یہ چیز ہر ایک کو نظر نہیں آتی اور شاید کہ بہت سوں کی تو سمجھ میں بھی نہ آئے۔

(۶) بعض علماء کا تجربہ ہے کہ اس رات میں سمندروں، کنوؤں کا کھارا پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ (العرف الشَّذی صفحہ ۳۲۷)۔

کچھ تعجب کی بات نہیں، اس رات میں رحمتِ الٰہی کی موسلا دھار بارشوں کا اثر اس قسم کی چیزوں میں بھی ظاہر ہو جائے؛ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ہی ہوا کرے۔

(۷) بعض لوگوں کو کوئی خاص قسم کی روشنی وغیرہ بھی نظر آتی ہے؛ لیکن وہ اپنے اپنے حالات پر ہے، یہ کوئی خاص نشانی نہیں ہے، عام لوگوں کو اس کے چکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ (رمضان کیا ہے؟ صفحہ ۱۶۰ بحوالہ مسائلِ شبِ برات وشبِ قدر: ۱۰۹، ۱۱۰)۔ اور احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب میں ہے:

''شبِ قدر میں حق تعالیٰ شانہ کی تجلی ہوتی ہے اور گو ہمیں ان تجلیات کا دکھائی دینا (اور محسوس ہونا) ضروری نہیں، مگر اس کی پہچان اس سے ہوتی ہے کہ اس رات میں اور دوسری راتوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اس رات میں دوسری راتوں کی بہ نسبت عبادت میں زیادہ جی لگتا ہے، قلب کو غفلت نہیں ہوتی'' (احکامِ اعتکاف مفتی زید صاحب: ۵۱)

کیا لیلۃ القدر کی رویت ممکن ہے؟

شبِ قدر کی رویت ممکن ہے، اہلِ کشف حضرات کو اس کی رؤیت ہو سکتی ہے، **قال في الشامي: ويراها من المؤمنِينَ مَنْ شاءَ الله تعالىٰ ومن الملَّهبِ من المالكيَّةِ: لا تمكن رؤيتُها على الحقيقةِ وهو غلطٌ، وينبغي لمن يراها أن يَكْتُمَها ، ويدعُوَ اللّٰه تعالىٰ بالإِخلاصِ. (شامي: ٣/ ٤٤٦)**

شبِ قدر میں کیا ہر چیز سجدہ ریز ہوتی ہے؟

ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ مشہور ہے کہ اس شب میں، یعنی لیلۃ القدر میں سب چیزیں سجدہ میں ہوتی ہیں کیا یہ سچ ہے؟ فرمایا: کبھی ایسی حالت کسی کو مکشوف ہو جانا بعید نہیں؛ چنانچہ ایک مرتبہ ہماری پھوپھی صاحبہ نے ایک بار در و دیوار گرا ہوا دیکھ کر شور و غل مچایا، بعد میں معلوم ہوا کہ شبِ قدر مکشوف ہوئی تھی، یہ روشنی کا پھیلنا یہ بھی کبھی ہو جاتا ہے؛ مگر ضروری

نہیں جیسا کہ مشہور ہے؛البتہ یہ بات دائمی ہے کہ اس شب میں قلب کے اندر ایک سرور اورعبادت میں دل لگنا پایا جاتا ہے،اس حالت میں کہ جب چیزوں کا گرا ہوا ہونا یا انوار کا پھیلنا مشاہد ہو(کسی کو نظر آئے)تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس رات کو جس میں یہ ہوا دوسری راتوں پر جس میں یہ نہ ہو، کچھ فضیلت ہو، ہاں! البتہ اس حال میں دل لگنے کی حالت زیادہ ہوگی ،اور قلبی توجّہ میں اضافہ ضرور ہوگا، کیونکہ ایسے احوال کو توجّہ ہوتی ہے۔(احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۵۲)اور فضائلِ اعمال میں ہے:''مشائخ نے لکھا ہے کہ شبِ قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے،حتی کہ درخت زمین پر گر جاتے ہیں اور پھر اپنی جگہ کھڑے ہوجاتے ہیں،مگر ایسی چیزوں کا تعلق امورِ کشفیہ سے ہے، جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے''(فضائل اعمال/فضائل رمضان:۴۸،۴۹)

شبِ قدر کی دعاء

عن عائشةؓ قالتْ: قلتُ:يارسولَ اللّٰه: أرأَيْتَ إن علمْتُ أي ليلةٍ ليلةُ القدرِ ما أقولُ فيْها؟ قال: قُولِي: اللّٰهُمَّ إنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ، فاعْفُ عَنِّي. (رواه أحمد ۶/۱۷۱رقم:۲۵۳۸۴ وابن ماجة/الدعاء/الدعاء بالعفو والعافية: ۲۷۴،رقم: ۳۸۵۰ والترمذي/ الدعوات/ في فضل سؤال العافية والمعافاة۲/ ۱۹۱رقم: ۳/۳۱۳كذا في المشكوٰة: ۱۸۲)

حضرت عائشہؓ نے حضورﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر مجھے شبِ قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دعاء مانگوں؟حضور ﷺ نے اللہم سے اخیر تک دعا بتائی ،جس کا ترجمہ یہ ہے اے: اللہ تو بیشک معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے والوں کو،پس معاف فرمادے مجھے بھی۔

فائدہ:۔نہایت جامع دعاء ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے آخرت کے مطالبے

سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے،حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ اس رات میں دعاء کے ساتھ مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے، بہ نسبت دوسری عبادات کے،ابنِ رجبؒ کہتے ہیں کہ صرف دعاء نہیں ؛ بلکہ مختلف عبادات کا جمع کرنا افضل ہے مثلاً: تلاوت،نماز،دعاء،اور مراقبہ وغیرہ؛اس لیے کہ نبی کریمﷺ سے یہ سب امور منقول ہیں،یہی زیادہ اقرب ہے کہ سابقہ احادیث میں نماز،ذکر وغیرہ کئی چیزوں کی فضیلت گذر چکی ہے۔(فضائلِ اعمال:۶۱۲)

شبِ قدر کی جستجو

لیلۃ القدر ان ہی (دس) راتوں میں سے کسی رات میں ہوگی،تو جو شخص ان راتوں کی قدر کرلے گا، وہ لیلۃ القدر ضرور پالے گا، جو بے قدری کر کے غفلت کی نیند سوئے گا، وہ لیلۃ القدر سے محروم رہے گا۔

بوستاں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ کسی شہزادے کا ہیرا رات کے وقت گر گیا تھا،اس نے حکم دیا کہ اس مقام کی تمام کنکریاں جمع کریں،لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اگر کنکریاں چھانٹ کر جمع کی جائیں تو ممکن تھا کہ ان میں ہیرا نہ آتا،اور جب ساری کنکریاں اٹھالی گئیں تو ان میں ہیرا ضرور آگیا ہے۔

لیکن خیر ایسے باہمت تو اس وقت کہاں ہیں کہ وہ اس گوہر کی تلاش میں سال بھر بیداری کریں؛مگر رمضان کے اخیر عشرہ میں ضرور بیدار رہنا اور عبادت کرنا چاہیے؛ کیونکہ ان راتوں میں شبِ قدر کے ہونے کا ظنِّ غالب ہے اور اگر کوئی شخص نہایت ہی کمزور اور کم ہمت ہو تو خیر وہ کم از کم ستائیسویں رات کو تو ضرور ہی جاگ لے کہ وہ رات اکثر شبِ قدر کی ہوتی ہے۔(احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۴۹)

اختلافِ مطالع کی وجہ سے ہر جگہ کی شبِ قدر علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے

جس زمانہ اور وقت کے ساتھ جو حکم یا فضیلت متعلق ہے، ہر جگہ جب وہ وقت اور زمانہ آئے گا، اسی وقت حکم یا فضیلت واقع ہوگی، پس جس طرح نمازوں کا حکم ہر جگہ طلوع وغروب کے ساتھ ہے، اسی طرح یہاں کے حساب سے جو لیلۃ القدر ہوگی، اس وقت وہ برکاتِ خاصہ یہاں نازل ہوں گی، اور جس وقت دوسری جگہ کے حساب سے وہاں لیلۃ القدر ہوگی، ویسے ہی برکات ورحمت وہاں اس وقت متوجہ ہوں گی، وھذا ظاھر جداً . (امدادالفتاوی:٦/۱۲۹)

اور احکامِ اعتکاف میں ہے: ’’اگر کسی کو شبہ ہو کہ شبِ قدر تو ایک مرتبہ ہوتی ہے اور ایک ہی ہوتی ہے اور اوقات میں تفاوت ہے، مثلاً: کہیں آفتاب ایک گھنٹہ پہلے ہوتا ہے، کہیں دو گھنٹہ پہلے؛ حتی کہ چھ چھ گھنٹہ؛ بلکہ اس سے زیادہ فرق ہوجاتا ہے تو اس حالت میں بعض جگہ رات ہوگی اور بعض جگہ دن اور شبِ قدر رات کے ساتھ مخصوص ہے اور ایک ہی ہے تو جہاں رات ہے تو وہاں تو شبِ قدر ہوجائے گی اور جہاں دن ہے وہاں ہو ہی نہیں سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا وقت ہر جگہ کے لیے جدا جدا ہے، مثلاً: عدالت کھلنے کا وقت دس بجے ہے تو ہر جگہ کے وقت کے مطابق وہاں کی عدالت کھلے گی، کلکتہ میں وہاں کے وقت سے اور لندن میں وہاں کے وقت سے۔ (احکامِ اعتکاف رمفتی زید صاحب:۵۸)

شبِ قدر میں جاگ کر عبادت کرنا

شبِ قدر میں جاگنا چاہیے اور خدا کی عبادت کرنی چاہیے، ان راتوں میں حضور ﷺ نے رمضان کی دوسری راتوں کے مقابلے میں زیادہ جاگنے کا اہتمام فرمایا، اور آپ ﷺ ان راتوں میں ازواجِ مطہرات (اپنی بیویوں) کو بھی اہتمام سے جگاتے تھے۔

اور شبِ قدر میں کوئی ساری رات جاگنا ضروری نہیں، جس سے جتنا ہوسکے جاگے، ہاں یہ ضرور ہے کہ عبادت کسی قدر زائد ہوجائے۔

بہر حال یہ وقت بڑا عزیز ہے، بڑے فیوض وبرکات کا وقت ہے، اس میں جہاں تک ہوسکے اعتکاف کرو، اور اگر یہ نہ ہوسکے تو ان پانچ راتوں میں ہی جاگ لو، اگر پوری رات نہ جاگ سکو تو بعض حصہ میں جاگ لو، بعض کے بھی بعض میں جاگ لو، تب بھی کافی ہے۔

اگر ساری رات نہ جاگ سکے اور نیند کا غلبہ ہو اور اکثر حصہ جاگ لے، تب بھی شبِ قدر کی فضیلت ملے گی۔ لیلۃ القدر کی پوری رات میں فضیلت ہے اور رات کے اکثر حصے میں عبادت کرنے سے پوری رات کا ثواب ملتا ہے۔ اگر پوری رات جاگنے کی ہمت نہ ہو تو رات کے اکثر حصہ میں جاگنے کو تو چھوڑنا ہی نہیں چاہیے، اور بہتر یہ ہے کہ یہ اکثر حصہ اخیر رات کا تجویز کیا جائے؛ کیونکہ اول تو اس وقت معدہ خالی ہوجاتا ہے، عبادت اور دعاء میں خوب جی لگتا ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اخیر رات میں روزانہ اپنے بندوں کے حال پر خاص رحمت متوجہ فرماتے ہیں، اس کے علاوہ اخیر رات میں ویسے بھی سکون ہوتا ہے اور اس میں ہر رات شریک ہے۔ (احکامِ اعتکاف رمفتی زید صاحب:۵۳)

عبادت میں نیند کیوں آتی ہے؟

نیند یکسوئی سے آتی ہے، کھیل تماشے میں یکسوئی نہیں ہوتی ہے، ہر چیز میں جدا جدا لذت ہوتی ہے، جس پر توجہ منتقل کی جاتی ہے، اس سے توجہ تقسیم ہوجاتی ہے؛ اسی لیے نیند نہیں آتی، بخلاف نماز کے، جب اس کو شروع کردیا؛ چونکہ وہ ہم کو ایسی یاد ہوتی ہے کہ سوچنے اور غور کرنے میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسے گھڑی میں چابی بھر دیتے ہیں تو خود بخود چلتی ہے؛ اس لیے بالکلیہ نماز میں توجہ بانٹنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی، اس میں یکسوئی ہوجاتی ہے؛ اس لیے نیند آجاتی ہے، اسی طرح وعظ کہ جہاں شروع ہوگیا اور اس طرف کان لگ گئے بس یکسوئی ہوگئی اور نیند آنے لگی اور کھیل تماشہ میں توجہ بٹی رہتی ہے، یکسوئی نہیں ہوتی؛ اس لیے نیند بھی نہیں آتی، مطلب یہ کہ یکسوئی میں نیند آتی ہے۔ (التبلیغ:۸/۱۶۵، بحوالہ مسائلِ شبِ برات وشبِ قدر:۶۰)

عبادت میں نیند نہ آنے کی ترکیب

اورعبادت میں نیند نہ آنے کی تدبیر یہ ہے کہ متفرق اعمال کرلیے جائیں؛ تاکہ توجہ منقسم رہے، کچھ نوافل پڑھ لے، تلاوت کرنے لگے، ذکر کرنے لگے، پھر وعظ شروع کردیا جائے یا سننے لگے۔ بہتر تو یہی ہے کہ گھر کے لوگ جمع ہوکر عبادت کریں، اگر ساری رات نہ جاگ سکے اور نیند کا غلبہ ہو اور اکثر حصہ جاگ سکے، تو بھی شبِ قدر کی فضیلت ملے گی، پس سستی نہ کرے، اور نیند نہ آنے کی تدبیر بھی کرے، مثلاً یہ کہ رات کو کھانے میں قدرے کمی کرے، پھر اگر ضرورت ہو تو کالی مرچ چبائے، اس سے بھی نیند بھاگتی ہے اور جو بھی تدبیریں نیند نہ آنے کی ہوں وہ سب کرے، اور اگر باوجود تدبیر کرنے کے پھر بھی نیند غالب ہو تو وہ نیند معتبر ہے، یعنی پھر سو جائے؛ لیکن یہ نہیں کہ ذرا سی نیند آئی اور پڑ کر سو گئے، غلبۂ نیند کی صورت اس طرح سمجھو، ایک صاحب کی حکایت ہے کہ وہ پڑھ رہے تھے کہ ’’کریما بہ بخشائے بر حال ما‘‘۔ اور نیند میں نکل رہا تھا ’’اری ماں‘‘۔ (التبلیغ: ۸/۱۶۷)۔

جاگنے کا طریقہ

نیند نہ آنے کے لیے متفرق عبادتوں میں مشغول ہوں، کسی سے کوئی مختصر مباح بات بھی کرلی (جائز بات، غیبت وغیرہ نہ ہو، جیسے کھانے کے ساتھ کبھی کبھی مربہ، اچار وچٹنی کا بھی ذائقہ لے لیتے ہیں) اتنی بات کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں، یہ نہ ہو کہ سارا وقت باتوں میں ہی گزار دیں؛ کیونکہ صرف خالی جاگنا ہی مقصود نہیں (عبادت کرنا بھی ہے) جیسے میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ محض جاگنے کے لیے افیون کھایا کرتے تھے، جو خلافِ شرع حرکت تھی تو ایسے جاگنے سے کیا فائدہ، ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے، جاگنا تو عبادت کے لیے ہو، مگر تجدیدِ نشاط کے لیے بیچ بیچ میں تھوڑی بات بھی کرلی تو کوئی مضائقہ نہیں، جیسے حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرلیتے تھے، باتیں مقصود نہیں تھیں؛ بلکہ طبیعت کی تازگی کے لیے ایسا فرماتے۔ اسی طرح نفس کو خوش رکھ کر جاگے۔ (التبلیغ: ۸/۴۳)۔

شریعت کا مقصود

اگر تکان ایسی ہوجائے کہ نیند سے بے قابو ہوجائے تو جاگے نہیں؛ بلکہ سو جائے؛ کیونکہ ارشاد ہے: فَلْيَرْقُدْ. (پس وہ سو جائے) ایسی حالت میں سونے میں ہی فضیلت ہے۔ بہرحال عبدیت مطلوب ہے، خواہ سونے میں ہو یا جاگنے میں اپنے کو خدا کے سپرد کردے، جیسا حکم ہو ویسا ہی کرے، غرض اتباعِ نفس کے لیے کچھ نہ ہو محبوب کا جو حکم ہو وہ کرو، یہی دراصل عبدیت ہے اور باقی کوئی شئی بالذات مقصود نہیں، بعض اوقات نماز پڑھنا ممنوع ہوجاتا ہے۔ (التبلیغ: ۸/۴۴)۔

شبِ قدر میں کون سی عبادت کرنی چاہیے

شبِ قدر میں کیا پڑھنا چاہیے؟ ایسے مواقع پر سلف میں تین چیزیں معمول میں تھیں، اب لوگوں نے دو کو حذف کرکے ایک پر اکتفا کرلیا، وہ تین چیزیں یہ تھیں:

(۱) ذکر (۲) تلاوتِ قرآن (۳) نوافل

اس میں عابدین نے نفل نماز اور تلاوت قرآن کو حذف کردیا، یعنی اس میں مشغولی بہت کم ہے، بس زیادہ تر ذکر کرتے ہیں، تسبیحات پڑھتے ہیں ضربیں لگاتے ہیں، اور اتفاق سے یہ تینوں چیزیں ایک آیت میں مل گئیں: ﴿اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾. (العنکبوت: ۴۵)

ترجمہ: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے، آپ اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے، بیشک نماز اپنی وضع کے اعتبار سے بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب: ۵۴)

شب بیداری کے لیے جمع ہونے کا اہتمام

بعض جگہ شبِ قدر میں لوگ جمع ہوکر شب بیداری کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اس کا مکروہ ہونا فصلِ سوم میں بیان ہوچکا ہے، اتفاق سے اگر دو چار آدمی جمع ہوجائیں، وہ اور بات ہے۔

غرض اپنے طور پر ہر شخص اپنی ہمت کے مطابق عبادت میں مشغول رہے، جمع ہونے کا خاص اہتمام اور انتظام شریعت کے خلاف ہے۔

بعض لوگ شب بیداری کے لیے فرائض سے زیادہ اس میں لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، ہر چند کہ اجتماع سے (ایک ساتھ جمع ہو کر عبادت کرنے سے) شب بیداری سہل تو ہو جاتی ہے، مگر نفل عبادت کے لیے لوگوں کو ایسے اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا، یہ خود شریعت کے خلاف ہے، البتہ اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہو گئے ہوں تو اس کا مضائقہ نہیں، بہتر یہ ہے کہ گھر کے لوگ جمع ہو کر عبادت کریں۔ (احکامِ اعتکاف / مفتی زید صاحب: ۵۵)

اور فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ''شبِ براءت اور شبِ قدر کی تلاش اور عبادت کے لیے مساجد میں جمع ہونا، مکروہ اور بدعت ہے، مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے۔'' **ويُكره الاجتماعُ علىٰ إحياءِ ليلةٍ من هذهِ اللّيالِي المتقدِّمُ ذِكْرُها في المساجِدِ وغيرِها؛ لأنَّه لم يَفْعَلْه النَّبِيُّ صلَّى اللّٰه عليه و سلَّم وأصحابُه، فأنكره العلماءُ من أهل الحجازِ، منهم: عطاء و ابن مُلَيْكَةَ وفقهاءُ أهلِ المدينةِ و أصحابُ مالكٍ وغيرِهمؒ، و قالوا: ذلك كلُّه بِدعةٌ.''** (مراقي الفلاح: ص: ۴۰۲، قديمي)

مبارک راتوں میں شب بیداری کے لیے جمع ہونے کے ممنوع ہونے پر شرعی دلیل

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کسی ختنہ میں بلائے گئے، تو آپؓ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ہم لوگ ختنے میں نہیں جاتے تھے اور نہ اس کے لیے بلائے جاتے تھے۔ (رواہ أحمد: ۲۱۷/۴ رقم: ۱۷۹۰۸).

اس سے معلوم ہوا کہ جس کام کے لیے لوگوں کو بلانا سنت سے ثابت نہیں، اس کے لیے بلانے کو صحابیؓ نے ناپسند فرمایا اور جانے سے انکار کیا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بلانا اہتمام کی دلیل ہے، تو شریعت نے جس امر کا اتنا اہتمام نہیں کیا اور بلانے کی ترغیب نہیں دی اس کا اہتمام کرنا، دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے؛ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جب مسجد میں

چاشت کی نماز کے لیے جمع دیکھا تو برائے انکار اس کو بدعت فرمایا، اور اسی بناء پر فقہاء نے نفل جماعت کو مکروہ کہا ہے۔ (احکامِ اعتکاف / مفتی زید صاحب: ۵۵-۵۶)

مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع

سوال: نصف شعبان، عیدین اور رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ وغیرہ میں، جو عام رواج بن گیا ہے کہ مساجد میں ذکر و تلاوت وغیرہ کے لیے جمع ہوتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: ان مبارک راتوں میں مساجد میں آکر عبادت کرنے کے تین طریقے ہیں:

(۱) مسجد میں آکر عبادت کا اہتمام نہیں کیا؛ بلکہ اتفاقاً مسجد میں آکر تلاوت قرآن اور ذکر میں لگ گئے، یہ جائز ہے؛ لیکن یہ نوافل اور ذکر اگر گھر میں کرتا تو زیادہ ثواب ملتا؛ بلکہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی ﷺ کی بہ نسبت بھی گھر میں نفل عبادت کا زیادہ ثواب ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔

(۲) مساجد میں آنے کا اہتمام کیا گیا، یہ بدعت ہے؛ اس لیے کہ نوافل کے لیے مسجد کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نوافل پڑھنے کو زیادہ ثواب سمجھتا ہے اور شریعت مطہرہ پر زیادتی ہے؛ بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ ہے؛ اس لیے کہ حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے کہ نوافل کا گھر میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

(۳) خاص راتوں میں مسجد میں عبادت کا اہتمام ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ کیا جائے، مثلاً: نوافل کی جماعت کی جائے یا تقریریں، یہ صورت بدعت ہے، دوسری صورت سے بھی زیادہ قبیح ہے، اس میں ایک تو وہ خرابی ہے جو نمبر۲ میں مذکور ہوئی۔ دوسری یہ خرابی بھی ہے کہ نفلی عبادت کے لیے ہیئتِ اجتماعیہ پیدا کر لی، جو شرعاً ممنوع ہے۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ گھروں میں شور ہوتا ہے، بچے روتے ہیں، جس کی وجہ سے دل جمعی اور خشوع باقی نہیں رہتا، یہ شیطان کا فریب ہے، دراصل خشوع نام ہے، سنت کے مطابق عبادت کرنے کا۔ اگر سنت کے مطابق عبادت کر لی تو خشوع وخضوع بھی حاصل ہے، اگر خلافِ سنت لاکھ آہ و بکاء اور ہیئتِ خشوع اختیار کریں، شرع کی نظر میں اس کو خشوع نہیں کہا جائے گا۔

سوچنے کی بات ہے کہ حضورﷺ نے تو انتہائی سخت مجبوری کے باوجود تہجد وغیرہ کے نوافل گھر میں ادا کیے اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھا اور آج ہم یہ کہنے لگیں کہ ہمیں تو گھر میں خشوع حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے، حدیث میں ہے کہ آنحضرتﷺ اپنے حجرۂ مبارکہ میں نفل پڑھ رہے ہوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، سامنے پاؤں پھیلائے ہوئے لیٹی ہوئی ہوتیں، جب آپﷺ سجدہ کرنے لگتے تو اپنے ہاتھ سے ان کے پاؤں کو چھوتے، تب وہ اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتیں اور جب حضورﷺ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہؓ اپنے پاؤں پھیلا دیتی تھیں، رات اندھیری، چراغ کا انتظام نہیں، گھر میں اتنی وسعت تک نہیں کہ ایک آدمی لیٹ جائے تو دوسرا سجدہ کرسکے، اور مسجدِ نبوی اتنی قریب کہ حجرہ سے قدم نکالا تو مسجد میں پہونچ گئے، پھر مسجد بھی مسجدِ نبوی ہے، جس کا فضل ظاہر ہے اس کے باوجود محسنِ اعظمﷺ کا عملِ مبارک یہ تھا کہ حجرہ میں نوافل پڑھتے تھے، مسجد میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔

نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ گھر میں اکیلے پڑھنے سے نیند آجاتی ہے، اور اگر مسجد میں ہیئتِ اجتماعیہ کی شکل میں ذکر ونوافل میں لگ جائیں، او کچھ تقاریر ہوں اور کچھ نوافل کی جماعت وغیرہ ہو تو نیند ختم ہوجاتی ہے، اس طرح سے بہت زیادہ عبادت کی توفیق ہوجاتی ہے، اگر اکیلے گھر میں نوافل وغیرہ پڑھتے تو اس کا آدھا حصہ بھی نہ کرپاتے، خوب سمجھ لیجئے کہ تکثیرِ عبادت یا اس کی کمیت مقصود ہی نہیں؛ بلکہ عبادت کی کیفیت پر اس کا دار ومدار ہے، اگر تھوڑی دیر عبادت کرلی تو اس عبادت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے، جو سنت کے خلاف ہو، سنت یہ ہے کہ جب تک طبیعت میں نشاط ہو نوافل وغیرہ میں مشغول رہے اور جب نیند کا غلبہ ہو اور طبیعت اکتا جائے تو آرام کرلے، حدیث سے یہ ثابت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/۳۷۴)

شبِ قدر کی راتوں میں جلسہ ودعوت وغیرہ کا اہتمام

رمضان المبارک کی راتیں اور بالخصوص عشرۂ اخیرہ کی راتیں اور ان میں سے بھی طاق راتیں بے شک افضل ہیں (۱) ان میں جاگنا، عبادت کرنا، نماز پڑھنا، بہت ثواب ہے، احادیثِ

کثیرہ صحیحہ میں ان کی فضیلت اور ان میں عبادت کی تحریص وترغیب پائی جاتی ہے (۲) بایں ہمہ شریعتِ مقدسہ کسی ایسے امر کی اجازت نہیں دیتی، جو حدِّ اجازتِ شرعیّہ سے متجاوز ہو، پس کسی ایسے جلسے کا اہتمام کرنا جو قرونِ اولیٰ میں نہ پایا جاتا ہو اور اس میں ان امور کا التزام کرنا جو شرعاً ضروری نہیں ہیں، نیز جن کی وجہ سے بقرائن تو یہ بات متصور ہو کہ آنے والوں کی نیت عبادت کی نہیں؛ بلکہ اکل وشُرب یا لہو ولعب کی ہے، یہ تمام امور خلافِ سنت ہیں، ان کا کوئی ثبوت شرعی نہیں ہے، اور ان پر لڑنا یا ان امور کے تارک کو یا منکر کو برا سمجھنا خطاء ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے لوگوں کے مسجد میں صلوٰۃ ضحیٰ کے لیے جمع ہونے کو بدعت کہا تھا، کیوں؟ اسی لیے کہ اگرچہ یہ نماز رسول اللہﷺ نے پڑھی ہے اور صحابہؓ سے بھی پڑھنا منقول ہے؛ لیکن اس کے لیے یہ اہتمام واجتماع زمانۂ نبوی میں نہ تھا۔ **و أمّا ما صَحّ عن ابنِ عمرؓ أنّه قال في الضُّحیٰ: هي بِدعةٌ فمحمولٌ علیٰ أنَّ صلوتَها في المسجدِ والتَّظاهُرُ بها، كما كانوا يفعلونَه بدعةٌ.** (شرح النووي مع صحيح مسلم ۱/۲۴۹ ط سعيد) والله أعلم. (کفایت المفتی: ۹/۴۱)۔

شبِ قدر کے گمان سے شب بیداری کی تو انشاء اللہ شبِ قدر ہی کا ثواب ملے گا

میں کہتا ہوں کہ اگر اتفاق سے وہ رات شبِ قدر نہ بھی ہو، جس رات کو تم نے شبِ قدر گمان کرکے اس میں عبادت کی ہے، تو انشاء اللہ تم کو شبِ قدر ہی کا ثواب عطا ہوگا اور یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے، حدیث شریف میں اس کی اصل موجود ہے، حضور اکرمﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "اِنَّمَا الأعْمَالُ بالنِّیاتِ". (کہ اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہوتا ہے)۔

ممکن ہے کہ اس قاعدہ سے کسی کو اطمنان نہ ہو تو دوسری حدیث شریف موجود ہے، حضورﷺ ارشاد فرماتے ہیں "**الصَّومُ یومَ تَصُومُونَ والفطرُ یومَ تُفْطِرُونَ والأضْحٰی یومَ تُضَحُّون**" (الترمذي/الصوم/ماجاء أن الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون...: ۱/۱۵۰ رقم: ۶۹۷) جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص نے نہایت کوشش

سے رمضان کے چاند کی تحقیق کی اور اس تحقیق کی بناء پر روزے رکھنے شروع کر دیے، پھر ختم رمضان پر عید کے چاند کی اسی طرح چھان بین کی، اس کی بناء پر عید کرلی، اسی طرح عید الاضحیٰ میں کیا اور چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ تینوں تحقیق کے خلاف واقع ہوئیں تو اس صورت میں شکستہ دل (اور رنجیدہ) نہ ہونا چاہیے؛ بلکہ جس دن روزہ رکھا، اللہ کے نزدیک قبول ہونے کے اعتبار سے وہی دن روزہ کا تھا، اور جس دن عید کی، وہی دن عید کا تھا، یعنی روزہ اور عید دونوں مقبول ہیں، پس اس طرح میں کہتا ہوں کہ اگر شبِ قدر کی نیت سے عبادت کی ہے اور اتفاق سے وہ شبِ قدر نہ ہوئی تو ثوابِ شبِ قدر کامل جائے گا۔

صاحبو! اس تقریر کے بعد تو بہت ہی آسان معاملہ ہو گیا، اب بھی اگر ہمت نہ کی جائے تو غضب کی بات ہے۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۵۶)

جو لوگ رمضان کی راتوں میں شبِ قدر میں نہیں جاگ سکے، ان کے لیے ضروری مضمون

جو لوگ شبِ قدر کو پا چکے ہیں، ان کے لیے تو بشارت (خوشخبری) ہے اور جو لوگ محروم رہے، وہ آئندہ اس مضمون کو یاد رکھیں اگر خدا تعالیٰ پھر رمضان تک پہنچا دے تو اس میں شبِ قدر کی عبادت کا اہتمام کریں، یہ میں نے اس لیے کہہ دیا کہ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اب تو شبِ قدر کا وقت گذر چکا ہے، اب اس مضمون کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو میں نے بتلا دیا کہ آئندہ کے لیے اس کو یاد رکھا جائے۔

اور صاحب! اگر مسلمان خدا سے اپنا تعلق درست کرلے تو اس کے لیے وہی رات ”لیلۃ القدر“ ہے، جس میں اس کا تعلق خدا تعالیٰ سے درست ہو جائے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: جو شخص شبِ قدر میں مردود تھا، مگر آج کی رات مقبول ہو گیا تو اس کے لیے یہی رات لیلۃ القدر ہے؛ بلکہ اس کے حق میں اس سے بہتر ہے، پس اگر شبِ قدر گذر گئی تو اس کا غم نہ کرو، خدا تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کی فکر کرو، جب خدا سے تعلق جوڑ لو گے تو وہ تمہارے واسطے رمضان کی اخیر رات کو بھی شبِ قدر کر سکتے ہیں۔ (احکامِ اعتکاف/مفتی زید صاحب:۵۷)

ہر رات لیلۃ القدر ہے

اگر لیلۃ القدر کو لغوی معنی کے لحاظ سے لیا جائے تو ہر رات لیلۃ القدر اور قابل قدر ہے؛ کیونکہ ہر روز نعمت ہے اور ہر رات دولت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر روز نصف شب کے بعد اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر تجلی فرما کر بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور دنیا ہمارا گھر ہے اور زمین فرش ہے اور گویا آسمان اول دنیا کی چھت ہے اور گھر کی چھت گھر کا جزو ہی کہلاتی ہے تو گویا حق سبحانہ تعالیٰ ہمارے گھر تشریف لاتے ہیں اور ہم کو یہ شرف نصیب ہوتا ہے کہ شہنشاہ، ہر روز ہمارے گھر (آسمان دنیا پر) تشریف لاتے ہیں اور توجہ فرماتے ہیں اور وعدہ فرماتے ہیں۔

ایک اور لطف وکرم دیکھئے کہ ہم کسی دوست کے دروازے پر جائیں، خصوصاً مریدین کے دروازے پر اور وہ گھر والے ہم سے بات نہ کریں تو یقیناً اس سے بیزار ہو جائیں گے اور اگر بیزار بھی نہ ہوں تو اس قدر تو ضرور شکایۃً کہیں گے کہ ہم سے بولے کیوں نہیں۔ اور گھر والے سوتے ہونگے تو کہیں گے کہ ایسا کیا سونا کہ ہمارے آنے کا کچھ بھی خیال نہ کیا (غرض یہ ہے کہ جتنا تعلق ہوگا اتنا ہی شکایت نامہ زیادہ) اور اگر خط کے ذریعہ پہلے سے اطلاع کر دی گئی ہو کہ آدھی رات میں حاضر ہوں گے تو اس صورت میں، ان مریدوں کو سونے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

اور حق سبحانہ تعالیٰ کا معاملہ دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ ان کے حقوق واقعی ہیں، مگر اپنی تشریف آوری کی خبر دینے کے بعد بھی، تشریف لا کر ہم کو سوتا ہوا دیکھ کر بھی ناراض نہیں ہوتے، اور یہ فرماتے ہیں کہ اس بندہ نے ایک مستحب ہی تو چھوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بے مروتی کا الزام نہیں دیتے، کیا ٹھکانا ہے اس رحم کا۔

(خلاصۂ مطلب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تقریر کا یہ ہے کہ اگر ہم کسی دوست یا مرید کے مکان پر جائیں اور وہ نہ بولے تو ہم کتنے برہم اور غصہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہمارے گھر (آسمان دنیا پر) تشریف لاتے ہیں اور ہم اس وقت پڑے سوتے رہتے ہیں؛ مگر وہ ہمارے ان حالات کو دیکھ کر ناراض نہیں ہوتے۔)

اس عنایت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہم سب کچھ کرتے؛ اس لیے کہ آقا کبھی کچھ نہ کہتا ہو تو اس کے سامنے پگھل جانا چاہیے، گویا ہر شب، شبِ قدر اس معنی کر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر روز ہماری طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔ (التبلیغ: ۳۰/۸، از حضرت تھانویؒ)۔

مصرعہ: ''ہر شب شبِ قدر ہے'' قرآن کے خلاف نہیں

سوال: شعر، اے خواجہ چہ جوئی زشبِ قدر نشانی ... ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی، یہ شعر کس کا قول ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ شعر قرآن مجید کے خلاف ہے، اس کو نہیں پڑھنا چاہیے؛ کیونکہ ''ہر شب شبِ قدر است'' کہنا غلط ہے؟

الجواب: تحقیق نہیں کس کا ہے؛ مگر قرآن کے خلاف نہیں، کلام مبنی تشبیہ پر ہے، مثل: ''زیدٌ اُسد'' کے یعنی ہر شب مثلِ شب قدر است، ای در نفس مہتم بالشان بودن، اگر چہ درجاتِ اہتمام متفاوت باشند، مقصود ازالۂ غفلت است از قدر دانی قیامِ لیل۔ فقط (امداد الفتاوی: ۳۷۲/۴)

مبارک رات میں گناہ کرنا

اس مبارک رات میں فضیلت ہے اور جس میں فضیلت ہوگی، اس میں معصیت (گناہ) بہ نسبت دوسرے اوقات کے بہت بڑی ہوگی؛ جیسے مکان کا حکم ہے، اسی طرح زمان کا حکم ہے، مثلاً: ایک گناہ معمولی جگہ پر کرنا اور ایک مسجد میں گناہ کرنا، زیادہ برا ہے (پھر مساجد کے اندر بھی مسجدِ نبوی، مسجد حرام وغیرہ کہ جہاں پر ایک نماز کا ثواب اور جگہ کی نمازوں سے زیادہ ہے) اس جگہ گناہ اتنا ہی شدید عذاب کا موجب بنے گا، اسی طرح ایک تو گناہ کرنا دوسرے اوقات میں اور ایک متبرک اوقات میں، مثلاً: رمضان شریف میں گناہ کرنا، دوسرے دنوں کے مقابلہ میں زیادہ برا ہے اور یہ راتیں بھی متبرک ہیں، تو ان میں گناہ کی سزا اور اوقات سے زیادہ شدید ہوگی۔ (التبلیغ: ۷۵/۸)

لیلۃ القدر اور لیلۃ البراءت میں چراغاں کرنا

لیلۃ القدر اور لیلۃ البراءت میں ساری رات روشنی کرنا اور وہ بھی ضرورت سے زیادہ، یعنی چراغاں کرنا ثابت نہیں، شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ ومن المفاسد ما یُجعَلُ في الجوامع من إیقادِ القنادیلِ وترکِھا إلی أن تَطْلُعَ الشَّمسُ وتَرْتَفِعَ، وھو مِنْ فعلِ الیَھُودِ في کنائِسِھِمْ، وأکثرُ ما یُفْعَلُ ذلك في العیدِ، وھو حرامٌ. (غمز عیون البصائر: ۱۹۲/۳) مسجد کے مال سے جو ایسا کرے گا، اس کے ذمہ ضمان لازم ہو گا، اگر متولی ایسا کرتا ہے تو نمازیوں کو لازم ہے کہ اس کو فہمائش کریں اور روکیں۔ (فتاوی محمودیہ بتغییر یسیر: ۲۷۰/۳، ۲۷۱)

مبارک راتوں میں مسجد کو سجانا

شبِ براءت (شعبان کی پندرہویں شب) اور شبِ قدر میں مساجد کو مزیّن کرنا یا روزِ مرّہ کی ضرورت سے زائد چراغ جلانا (زیادہ روشنی کا اہتمام کرنا) جائز نہیں، اور بہت سے مفاسد اور بدعت پر مشتمل ہے:

اوّل یہ کہ ساری خرابیوں سے قطعِ نظر کر لی جائے اور ان مصالح کو بھی تسلیم کر لیا جائے، جو زیادہ چراغ جلانے میں پیش کیے جاتے ہیں؛ بلکہ یہ فرض کر لیا جائے کہ مساجد کی ایسی تزیین (سجاوٹ) فی نفسہ مستحب و اولیٰ بھی ہو، تب بھی خاص راتوں (شبِ قدر و شبِ براءت وغیرہ) میں اس کا اہتمام کرنا بدعت ہوگا؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے عہدِ میمون سے لیکر، تمام قرونِ مشہود لہا بالخیر (وہ زمانہ جس میں نیکی کرنے کی تڑپ تھی) میں اور تمام ائمہ علمائے دین و صلحاء کے زمانۂ خیر میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اگر یہ کوئی ثواب کی چیز تھی تو نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے کہ عملاً وقولاً اس کی دعوت دیتے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب سے زیادہ اس کے اہل تھے کہ اس کو قبول کرتے۔

اور ضرورتیں زیادہ چراغ جلانے میں اس وقت بتلائی جاتی ہیں کہ لوگ قرآن شریف

پڑھتے ہیں، یہ اس وقت بھی موجود تھیں، اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانے میں تو جمع قرآن اور قرآن شریف کی کتابت کے بعد یہ ضرورت بہت زیادہ عام ہوگئی تھی، جب ان حضرات نے اس ضرورت کو ضرورت نہ سمجھا؛ بلکہ نفسِ اجتماعِ مساجد ہی سے احتراز کیا تو اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس بدعت کو سنّت بنائے یا کارِ خیر اور باعث ثواب ہونا ثابت کرے؛ ورنہ بقول امام مالکؒ گویا اس کا دعوی کرنا ہوگا کہ نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ نے زمانۂ رسالت میں خیانت کی اور جو چیزیں ثواب کی تھیں، وہ امت کو نہ پہنچائیں، نیز یہ دعوی لازم آئے گا کہ ہم اس طریقہ سے اچھا طریقہ رکھتے ہیں، جو صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور سلفِ صالحینؒ کا تھا۔

الغرض اگر اس طرح زیادہ چراغ جلانا فی نفسہ بالکل جائز؛ بلکہ مستحب بھی ہوتا، جب بھی خاص راتوں کی اپنی طرف سے تخصیص کرنا اور اُن میں زیادہ زینت چراغاں کرنا، بدعت وگمراہی ہوتا اور اس کا چھوڑنا ضروری ہوجاتا، جیسا کہ سلفِ صالحینؒ کے اعمال واقوال اس پر شاہد ہیں۔

کتاب الاعتصام جلد ثانی میں، علامہ شاطبی علیہ الرحمہ نے ایک تعدادِ کثیر آثارِ سلف کی اس پر پیش کی ہے کہ اگر کسی حکم میں پہلے سے سنت یا مستحب ہونے کا بھی یقین ہو؛ لیکن اُس پر عمل کرنے سے لوگوں کے غلو اور تعدّی عن الحدود (حد سے زیادہ تجاوز) کا خطرہ ہو تو اس مستحب کو بھی چھوڑ دینا چاہیے۔

ابتدائے شوّال کے چھ روزے (شش عید کے) جن کی فضیلت حدیث میں منقول ہے، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انکا التزام مکروہ ہے، وجہ یہی ہے کہ اس کے التزام واہتمام سے (عوام الناس کو جزءِ رمضان ہونے کا شبہ ہوسکتا ہے)۔ (الاعتصام صفحہ ۱۷۰)۔

دوسرے یہ کہ شبِ براءت اور شبِ قدر وغیرہ میں مساجد کے اندر اجتماع کا اہتمام و التزام، یہ خود ایک مستقل بدعت ہے، جس کی مثال خیر القرون میں نہیں ملتی، کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اجتماع کوئی پسندیدہ چیز ہے؛ بلکہ مسنون اور مستحب صرف وہی ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ علیحدہ علیحدہ اس مبارک رات میں بیدار رہ کر اپنی اپنی نوافل اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں، اس طرح زیادہ روشنی کرنا، علاوہ بدعت وضلالت ہونے کے اور بھی

بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے مثلاً (۱) فضول خرچی (مال کا ضائع کرنا) اور جو ضرورت سوال میں بیان کی گئی ہے کہ لوگ جمع ہوکر قرآن مجید پڑھتے ہیں، وہ خود ایک مستقل بدعت ہے کہ اس کو کیسے اسلامی ضرورت قرار دیا جاسکتا ہے اور بجلی کی روشنی کا بھی یہی حکم ہے کہ ضرورت سے زیادہ پاور کی بتّی (لائٹ) استعمال کرنا یا زیادہ ضرورت سے بتّیاں جلانا، اضاعتِ مال اور اسراف میں داخل ہے۔

(۲) اس کثرت سے قنادیل روشن کرنا اور چراغاں کرنا، ہندوؤں (غیر مسلموں) کی دیوالی کے مشابہ ہے؛ اس لیے بھی ممنوع ہونا چاہیے، اور مسجد میں چراغ جلانے کی جو فضیلت آئی ہے، وہ صرف مطلق چراغ جلانے کے متعلق ہے، جس کا کوئی منکر نہیں۔

نیز جو ''سیرتِ حلبیہ'' وغیرہ میں لکھا گیا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے زیادہ قندیلیں تراویح کے لیے روشن کرادی تھیں، اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: ''اللہ تمہاری قبر کو روشن کرے، جیسا کہ تم نے ہماری مساجد کو روشن کیا''۔ یہ غلط ہے، واقعہ صحیح یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی مراد ظاہری قندیلوں کا اضافہ کرنا نہیں تھا؛ بلکہ نورِ قرآن سے مساجد کو روشن کرنا مراد تھا، اس غلط روایت پر ایک بدعت کی بنیاد رکھنا سراسر بناءِ فاسد علی الفاسد ہے۔

(حضرت علیؓ کی مراد یہ تھی کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے اپنے زمانے میں نمازِ تراویح کا باقاعدہ انتظام واہتمام فرما کر مساجد کو قرآن شریف و تراویح سے روشن ومنوّر کردیا تھا، اسی طرف آپؓ کا اشارہ تھا کہ ''اللہ تعالیٰ فاروقِ اعظمؓ کی قبر کو روشن کرے، جیسا کہ انہوں نے ہماری مساجد کو روشن کیا'' (رفعت قاسمی غفرلہ)۔

تنبیہ: ۔اس بیان میں سوالات کے ہر ہر نمبر کا جواب مفصّل آگیا ہے، غور کرلینا چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ شبِ برأت اور شبِ قدر وغیرہ میں مساجد کو زیادہ مزین کرنا، ایک بدعت ہے اور زیادہ روشنی کرنا اور چراغاں کی صورت اختیار کرنا، دوسری بدعت ہے۔ اور لوگوں کا اہتمام والتزام کرکے جمع ہونا تیسری بدعت ہے۔

البتہ اگر اتفاقی طور پر کچھ لوگ مسجد میں چلے جائیں اور بغیر تداعی کے جمع ہوجائیں ،یعنی بغیر بلائے تو اس حد تک مضائقہ نہیں، جہاں تک اس اجتماع کے سنت سمجھے جانے کا خطرہ

نہ ہو۔ان بدعات کے علاوہ چراغاں کرنے میں اسراف بھی ہے اور تشبّہ بالہنود (غیر مسلموں سے مشابہت) بھی؛ اس لیے اتنے مفاسد کے ہوتے ہوئے کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا کہ ان منکرات کو حسنات وعبادات سمجھ کر مساجد میں کیا جائے اور بالخصوص اس مبارک رات میں؛ کیونکہ مبارک مکانات اور مبارک اوقات میں جس طرح عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے؛ اسی طرح بدعت ومعصیت کا گناہ بھی زیادہ ہونا چاہیے، جیسا کہ علامہ محقق ابن ہمامؒ نے ''فتح القدیر'' میں حرمین کے اندر زیادتیٔ گناہ کی تصریح فرمائی ہے اور تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی نیک کام اور نفلی عبادت جب بدعت کے ساتھ مل جائے تو اس کا بالکل چھوڑ دینا، کرنے سے زیادہ افضل ہے، جیسا کہ شامی کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے۔(واللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ أعلمُ وأحکمُ) (امداد المفتین: ۱۹۳) (مسائلِ شبِ براءت وشبِ قدر: ۶۶)

کیا شبِ قدر اب بھی باقی ہے؟

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، محدث دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: حدیث ''فَـرُفِـعَـتْ'' سے مراد یہ نہیں کہ اصل شبِ قدر ہی اٹھالی گئی؛ بلکہ اس کا علمِ تعیین اٹھالیا گیا، اگر شبِ قدر ہی باقی نہ رہتی تو پھر حضور اکرم ﷺ جو اس کو تلاش کرنے کا حکم فرمارہے ہیں، اس کا کیا فائدہ؟ (مسائل شبِ براءت وشبِ قدر: ۱۰۱)

ستائیسویں شب میں قرآن ختم کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔شبِ قدر کو رمضان المبارک کے آخر دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے تو پھر ہمیشہ اور ہر سال رمضان المبارک کی ستائیسوں شب کو ہی شبِ قدر منانا اور اسی شب میں قرآن شریف کا ہر سال ختم کرنا بدعت ہوگا یا نہیں؟ صرف اسی رات کو زیادہ عبادت کرنا اور خصوصاً حافظوں کا ختم قرآن کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔شبِ قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے، مگر بہت سے علماء نے قرائن سے ستائیسویں کو ترجیح دی ہے اور ظنّ غالب یہ ہے کہ ستائیسویں شب

ہے؛ لیکن اس پر یقین نہیں کہ اس طرح کی دوسری راتوں کی نفی (انکار) کردی جائے ظنّ غالب کی بناء پر۔

اگر ستائیسویں شب کو ختمِ قرآن پاک تراویح میں کیا جائے تو یہ افضل اور مستحب ہے، یقینی طور پر اسی رات کو شبِ قدر سمجھنا اور دوسری راتوں کی نفی کردینا غلط ہے۔ ختم کا بھی (ہمیشہ ہی) اس شب میں التزام نہ کیا جائے۔عبادت، تلاوت اور نماز وغیرہ کے لیے مساجد میں اس رات یا کسی اور رات میں جمع ہونا یا جماعت سے اہتمام کے ساتھ نوافل پڑھنا بدعت اور مکروہ ہے۔(فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۳۶)۔

کیا خبر کہ یہ آخری شبِ قدر ہو؟

بعض لوگ تو یہ سوچتے ہیں کہ پوری رات کا جاگنا تو مشکل ہے اور تھوڑی بہت دیر جاگنے (عبادت کرنے) سے کیا فائدہ؟ لہٰذا چھٹی!

یہ خیال غلط ہے، اگر رات کے اکثر حصّے میں جاگنا نصیب ہوجائے تو ان شاء اللہ یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی اور پوری رات ہی جاگنا کون سا مشکل ہے؟ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ رمضان المبارک میں کتنے لوگ ایسے تھے، جو آج دنیا میں نہیں ہیں اور وہ رمضان المبارک ان کا آخری رمضان تھا، ہمیں کیا خبر ہے کہ آئندہ رمضان تک ہم میں سے کس کس کی باری ہے؟

اس لیے اگر اتنی بڑی نعمت حاصل کرنے کے لیے کوئی ایک دو رات جاگ ہی لیا تو کون سی بڑی بات ہے؛ لیکن اگر تمام رات جاگنا، بس کا ہی نہ ہو تو اکثر حصّہ ہی سہی اور بہتر یہ ہے کہ یہ اکثر حصّہ رات کا آخر ہو؛ کیونکہ اس وقت عبادت میں دل لگتا ہے اور شروع رات کے مقابلے میں آخر رات افضل بھی ہے۔(رمضان کیا ہے؟ صفحہ ۱۶۳ بحوالہ مسائلِ شبِ براءت وشبِ قدر: ۱۰۳)

فہرست عناوین

1

2

محلّ اعتکاف کا بیان

3

نفل اور واجب اعتکاف

نابالغ اور عورت کا اعتکاف

معتکف کے لیے امورِ مباحہ ومندوبہ کا بیان

معتکف کے لیے امورِ مکروہہ اور امورِ مفسدہ کا بیان

امورِ غیر مفسدہ کا بیان

بعض امورِ مفسدہ اور غیر مفسدہ

اعتکاف کی قضاء اور فدیہ

بعض خاص اعمال

شبِ قدر کے فضائل ومسائل